نماز، زکوٰۃ، روزہ، قربانی اور عیدین کے

چار سو (۴۰۰) اہم مسائل

تالیف:

مولانا مفتی محمد ابراہیم
صدر مدرس مدرسہ دار العلوم محمودیہ، صادق آباد

ہر مسئلہ مدلل و مفصل

ہر بات با حوالہ، طویل تجربات کا نچوڑ، رطب و یابس
سے پاک، راجح اور مفتی بہ اقوال کا مستند مجموعہ، چار سو کے ضمن میں
ہزار کے لگ بھگ مسائل ہر مسلمان گھرانے کی ضرورت

المنہل
Al-Manhal

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نماز، زکوٰۃ، روزہ، قربانی اور عیدین کے

چار سو اہم مسائل

تالیف : مولانا مفتی محمد ابراہیم

صدر مدرس مدرسہ دار العلوم محمودیہ صادق آباد۔

ابو محمد عبدالرحمن

المنہل

ST-5، بلاک نمبر A-1، گلستانِ جوہر، یونیورسٹی روڈ، کراچی

021-34612901, 0321-2000870

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا

النساء

نماز سے متعلق

چند اہم مسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

سخنِ عاجزانہ	۳
وضو اور غسل	۸
طہارت و نجاست	۱۵
اوقات	۱۹
اذان [illegible] ت	۲۱
[illegible]	۲۴
امامت و اقتداء	۲۸
قراءت	۳۵
سجدۂ سہو و سجدۂ تلاوت	۳۸
سنن و نوافل	۴۲
احکامِ سفر	۴۷
ایک اہم مسئلہ	۶۰
اضافہ جدیدہ	۷۹
احکامِ میت	۷۹

سخنِ عاجزانہ

مولانا محمد اسلم شیخوپوری

نماز مومن کا زیور ہے، دین کا ستون ہے، مومن اور کافر میں حدِ امتیاز ہے، تقرب و رضائے الٰہی کے حصول کا مؤثر ترین ذریعہ اور دنیوی اور اخروی کامرانیوں کی شہ کلید ہے۔

نماز افضل العبادات بھی ہے اور جامع العبادات بھی ہے۔ اسے روزہ کے ساتھ مشابہت ہے کیونکہ ہم نماز میں کچھ کھا پی نہیں سکتے، اس میں زکوٰۃ کی جھلک بھی ہے کیونکہ عام حالات میں نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد، لباس اور وضو وغیرہ پر مال خرچ ہوتا ہے، اس میں حج کی خوشبو بھی ہے کیونکہ رب کعبہ سے مناجات ہوتی ہے اور شیفتگی و وارفتگی کے تمام انداز اس میں اپنائے جاتے ہیں۔ اس میں جہاد مع النفس بھی ہے جو حقیقت میں بہت بڑا جہاد ہے۔ پھر نماز میں ملائکہ کی تسبیح و تقدیس بھی ہے، درختوں کا قیام بھی ہے، چوپاؤں کا رکوع بھی ہے، پہاڑوں کا قعود بھی ہے اور حشرات کا سجود بھی ہے۔ غرضیکہ عالم کون و مکان کی ہر مخلوق کی عبادت کا کوئی نہ کوئی انداز نماز میں موجود ہے ــــ لیکن ان تمام فضائل اور خصوصیات کے باوجود کتنے کلمہ گو ہیں جو نماز پابندی سے پڑھتے ہیں اور پھر ان میں سے بھی کتنے ہیں جو نماز کے آداب اور مسائل و احکام کو ملحوظ رکھتے ہیں ــــ عوام کو چھوڑیئے کہ وہ تو آپ کی نظر میں کالانعام ہیں، خواص کی نمازوں، صف بندیوں، رکوع و سجود اور مناجاتوں پر ایک اچٹتی نظر ڈالیے تو اقبال کے ان اشعار کی بازگشت سنائی دے گی ؎

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے مسلمانوں میں خون باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

بھری مسجد میں خشوع خضوع سے نماز پڑھنے والے خال خال ہی دکھائی دیں گے، سنن اور مستحبات کے متروک ہونے کا تو ماتم تب کیجئے جبکہ فرائض و واجبات کا اہتمام ہو رہا ہو، بتانے والے منبر و محراب سب کچھ بتاتے ہیں، سدرۃ المنتہیٰ سے لیکر تحت الثریٰ تک کی خبریں سناتے ہیں، عرش و فرش کے قلابے ملاتے ہیں، بازاری لطائف سناتے اور ترنگی کا ناچ نچاتے ہیں، سینہ گزٹ

روایات اور حکایات کا وہ طومار باندھتے ہیں کہ توبہ ہی بھلی! لیکن اگر نہیں بتاتے تو عملی زندگی کے مسائل و احکام نہیں بتلاتے۔ ان کے اس تغافل کی وجہ سے ستر ستر سال کے نمازی، نماز کے اہم اور بنیادی مسائل سے بے خبر رہتے ہیں۔

اس بے خبری اور جہالت نے کتنوں کی نمازیں خراب کی ہوں گی، کتنوں کی محنت پر پانی پھیرا ہوگا اس کا پورا پورا علم سوائے علیم و خبیر کے اور کسے ہو سکتا ہے؟ سنن اور واجبات سے تغافل کے ساتھ ساتھ ایک بڑی خرابی یہ دیکھی جا رہی ہے کہ اچھے اچھے دیندار اور مدعیانِ اتباعِ سنت ایسی ایسی چیزوں کو سنت بلکہ فرض اور واجب کا درجہ دے دیتے ہیں کہ جن کے ثبوت کی کوئی دلیل کتاب و سنت میں موجود نہیں ہوتی یہ شاید ہمارے سنن اور واجبات سے اعراض ہی کی نقد سزا ہے کیونکہ جہاں سنتوں سے اعراض کیا جاتا ہے وہاں لازماً بدعت کی کثرت ہو جاتی ہے۔

پھر نماز کے بارے میں جو کتابیں لکھی جا رہی ہیں ان میں سے اکثر کتابیں نقل در نقل کا اعلیٰ اور واضح نمونہ ہیں بہت کم مصنفین حضرات ایسے ہوں گے جنہوں نے مفتیٰ بہ اور راجح اقوال تک پہنچنے کے لئے تحقیق و تدقیق کے پُرخار راستے کا انتخاب کیا ہو اور اصل مراجع اور مصادر کی زیارت کی ہو ہمیں ایسے "اربابِ تحقیق" سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے جو بہشتی زیور دیکھ کر فتح القدیر کے حوالے دیتے ہیں اور عمدۃ الفقہ کے مطالعہ کے بعد نہ صرف درمختار کے مسائل فرفر سناتے ہیں بلکہ علامہ شامی کی فقاہت و درایت پر "علیٰ وجہ البصیرت" رائے زنی بھی فرماتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعض کتابیں بڑی محنت اور گہرے مطالعہ کے بعد لکھی گئی ہیں لیکن اکثر کتابوں کا حال وہی ہے جو میں نے اوپر بیان کیا ہے۔

زیرِ نظر کتاب میرے انتہائی محترم دوست اور فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہ العالی کے مسترشد مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی کے وسیع مطالعہ طویل محنت اور گہرے غور و خوض کا نتیجہ ہے اس کتاب کا انداز نماز کی تمام کتابوں سے بالکل منفرد ہے اس میں نماز اور نماز کے متعلقات کے انتہائی ضروری مسائل کو جمع کیا گیا ہے جن میں سے متعدد مسائل ایسے ہیں جن کی طرف عوام تو کیا خواص بھی توجہ نہیں دیتے یا یہ کہ اہمیت نہ ہونے کی وجہ سے

ان کے بارے میں تحقیق نہیں کی جاتی ۔
اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ کوئی ایک مسئلہ بھی اصل ماٴخذ کے مطالعہ کے بغیر نہیں لکھا گیا بعض مختلف فیہ مسائل میں راجح اور مفتیٰ بہ قول کی تلاش میں جو عرق ریزی برادرِ محترم نے کی ہے میں اس کا عینی شاہد ہوں، ردّ المختار غنیۃ المستملی (شرح کبیر منیۃ المصلی) فتح القدیر، السعایہ، البحر الرائق، بدائع الصنائع، احسن الفتاویٰ، فتاویٰ رحیمیہ اور امداد الفتاویٰ وغیرہ دسیوں کتابوں کی ورق گردانی کے بعد یہ مجموعہ تیار ہوا ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ بازار سے پکی پکائی نانِ جویں خریدنے والے کو قطعاً یہ اندازہ نہیں ہو سکتا کہ اس تک اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت پہنچانے میں کتنی کلفت اٹھائی گئی ہے اور کتنے مراحل سر کریں کئے گئے ہیں۔
ایک اور بات کی وضاحت ضروری ہے وہ یہ کہ یوں تو اس کتاب کا نام " نماز سے متعلق سو اہم مسائل " ہے لیکن حقیقت میں اس میں صرف ایک سو نہیں بلکہ سینکڑوں مسائل ہیں کیونکہ ایک ایک مسئلہ کئی مسائل کا مجموعہ ہے مثلاً مسجد میں جو کام ناجائز ہیں وہ ایک ہی مسئلہ میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اسی طرح وضو اور غسل کے فرائض ایک ایک عنوان ہی میں بیان کئے گئے ہیں۔ البتہ اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ کسی ایک نمبر میں یکجا مسائل ایک ہی قبیل سے ہوں مثلاً جنابت میں جو چیزیں ناجائز ہیں وہ سب ایک نمبر میں آگئی ہیں۔
ان "سو مسائل" میں سے متعدد مسائل ایسے ہیں جن سے بعض قارئین کو اختلاف ہو سکتا ہے اور ممکن ہے کہ وہ عام چلتے ہوئے معمول کی وجہ سے ان کے بارے میں مفتی صاحب کی رائے کو کمزور سمجھیں لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ان میں سے کوئی ایک مسئلہ بھی اصل ماٴخذ دیکھے بغیر نہیں لکھا گیا اور حتی الامکان حوالہ جات کا اہتمام بھی کیا گیا ہے اگر اس کے باوجود آپ کا دل مطمئن نہیں ہوتا تو آپ مزید تحقیق کے لئے میرے واسطے سے یا اس کے بغیر بھی آنجناب سے رجوع کر سکتے ہیں مگر ایک گذارش آپ سے ضرور کروں گا وہ یہ کہ آپ کا اختلاف اور آپ کی تنقید بہر حال دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں ہونی چاہیے، یہ کوئی دلیل نہیں

کہ "چونکہ ہر جگہ ایسا ہو رہا ہے" لہٰذا ایسا ہونا چاہئے اور یہی شریعت کا حکم ہے۔ ظاہر ہے کہ شریعت میرے اور آپ کے عمل یا رائے کا نام تو نہیں ہے بلکہ شرعی اور فقہی مسائل کے ماٰخذ چار ہیں: کتاب، سنّت، اجماع اور قیاس۔ اگر آپ کا اختلاف انہی چاروں دلائل پر مبنی ہے تو چشم ما روشن دلِ ماشاد۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو اسے ہم اختلاف کا نام نہیں دے سکیں گے۔ بلکہ اسے ضد، تعصب اور ہٹ دھرمی کہا جائے گا اور یہ کسی مؤمن کی شان نہیں۔

مفتی صاحب کا ارادہ یہ ہے کہ نماز کے سو مسائل کے بعد زکوٰۃ اور صدقہ وخیرات، پھر روزہ، حج اور نکاح وطلاق وغیرہ کے سو سو مسائل بھی مرتب کئے جائیں۔

مکتبہ حلیمیہ نے اپنے ناتواں کندھوں پر اس پورے سلسلہ کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا ہے اس کے لئے ہمیں قارئین کے عملی تعاون کی بھی ضرورت ہے۔ اگر آپ ان مسائل کی اشاعت عوام کے لیے مفید سمجھتے ہیں تو معقول تعداد میں یہ رسائل خرید کر عوام میں مفت تقسیم کریں ہم اس سلسلہ میں آپ سے بھرپور تعاون کریں گے۔

محتاجِ دعا

محمد اسلم شیخوپوری

وضو اور غسل

(۱) وضو کے چار فرض ہیں: سر کے بالوں کے اُگنے کی جگہ سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک چہرے کو دھونا، ٹھوڑی اور حلق کے درمیان کا حصہ چہرے سے خارج ہے[1]۔ بعض کتابوں میں اسے بھی چہرے کا حصہ شمار کیا گیا ہے جو صحیح نہیں کہنیوں[2] سمیت دونوں ہاتھ دھونا۔ کم از کم چوتھائی[3] سر کا مسح کرنا۔ اور پورے سر کا مسح کرنا سنّت ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہتھیلیاں تمام انگلیوں سمیت سر کے اگلے حصے پر رکھ کر ایک بار پیچھے گدی تک لے جائی جائیں۔ پھر دوبارہ گدی سے سر کے اگلے حصے تک لائی جائیں پھر کانوں کا مسح کیا جائے، کئی لوگ ہاتھ گدی تک لاتے ہوئے ہتھیلیاں، انگوٹھے اور شہادت کی انگلیاں الگ رکھتے ہیں، بعض کتابوں میں بھی ایسا ہی لکھا ہے مگر یہ ایک مرجوح قول ہے۔ صحیح و راجح طریقہ وہ ہے جو اوپر لکھا گیا[4]۔ ٹخنوں[5] سمیت دونوں پاؤں دھونا۔ جن اعضاء کا دھونا فرض ہے ان میں بال برابر جگہ بھی کہیں سے خشک رہ گئی مثلاً ناخن کے نیچے آٹا یا بڑھے ہوئے ناخنوں کا نچلا خلا تنگ انگوٹھی یا چھلے کنگن وغیرہ کا نچلا حصہ تو وضو نہ ہوگا۔ (عامۃ الکتب)

(۲) افشاں کا گوند، ناخن پالش اور عورتوں کے سنگھار میں استعمال ہونے والی وہ تمام اشیاء جن کی تہ جم جاتی ہے اور پانی ان پر اثر نہیں کرتا ایک تو ایسی اشیاء کا استعمال جائز نہیں کہ یہ شرعی فرائض کی ادائیگی میں مانع ہیں۔ دوسرے جب تک صاف

---

(۱) ویجب ایصال الماء الی الذقن قبل نبات اللحیۃ وما تحت الذقن لا یجب ایصال الماء الیہ (خلاصۃ الفتاوٰی ص۲ ج۱ ومثلہ فی جامع الرموز ص۲۳ ج۱ والسعایۃ ص۲ ج۱ و حاشیۃ الھدایۃ ص۵۹ ج۲ وغیرھا)

(۲) واما مجافاۃ السباحتین مطلقاً لیمسح بھما الاذنین والکفین فی الادبار لیرجع بھما علی الفودین فلا اصل فی السنۃ لان الاستعمال لا یثبت قبل الانفصال۔

(فتح القدیر ص۱۲ ج۱۔ رد المحتار ص۱۲۱ ج۱)

کر کے ان کا اثر زائل نہ کر دیا جائے تب تک نہ وضو ہوگا۔ نہ غسل۔ اگر خدانخواستہ اسی حالت میں موت آگئی تو جنازہ بھی جائز نہیں کہ جنازہ کے لئے بھی طہارت شرط ہے۔ (رد المحتار ص ۱۵۴ ج ۱- ص ۲۰۷ ج ۲ وعامۃ الکتب)

(۳) بعض کتابوں میں وضو کے دوران ہر عضو پر بسم اللہ، کلمہ شہادت اور درود شریف پڑھنے کو مستحب لکھا ہے۔ نیز ہر عضو پر پڑھنے کی الگ الگ دعائیں مذکور ہیں۔ ان میں سے کوئی چیز بھی کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ اس لئے انہیں شرعی معنی میں مسنون یا مستحب جاننا صحیح نہیں۔ ہاں یہ عقیدہ رکھے بغیر کوئی شخص یہ چیزیں پڑھتا رہے۔ بلکہ کوئی سا ذکر کرتا رہے تو مضائقہ نہیں۔ صحیح احادیث سے صرف یہ چیزیں ثابت ہیں: شروع میں بسم اللہ پڑھنا (ابوداود، ترمذی) درمیان میں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ دَارِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ پڑھنا (نسائی، ابن السنی) وضو سے فارغ ہوکر شہادتین پڑھنا (مسلم، ابوداود) نیز اس موقع پر یہ دعائیں بھی ثابت ہیں: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ (ترمذی) سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَیْكَ۔ (نسائی، مستدرک حاکم) سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَیْكَ (معجم اوسط للطبرانی) شہادتین پڑھتے ہوئے نظر آسمان پر رکھنا بھی کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ اور اس کے ساتھ انگلی اٹھانا تو بے اصل اور فضول ہے۔ وضو کے بعد سورۃ القدر پڑھنا بھی کسی مستند دلیل سے ثابت نہیں[1]۔

---

[1] واحادیث الذکر علی اعضاء الوضوء کلہا باطل لیس فیہا شئ یصح (المنار المنیف ص ۱۲۰)
واما الحدیث الموضوع فی الذکر علی کل عضو فباطل۔ ایضا (ص ۱۲۲) ثم رفع نظرہ الی السماء و ھذہ الزیادۃ منکرۃ لانہ تفرد بہا ابن عم ابی عقیل وھو مجھول (تعلیق عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی ص ۱۰) وکذا قراءۃ سورۃ انا انزلناہ عقب الوضوء لا اصل لہ۔
(المقاصد الحسنۃ للسخاوی رحمہ اللہ تعالی ص ۴۲۴)

(۴) بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ دکھتی آنکھ سے بہنے والا پانی اور زکام میں ناک سے بہنے والی رطوبت ناقضِ وضو ہیں۔ محقق یہ ہے کہ ان چیزوں سے وضو نہیں جاتا۔ ہاں اگر ان کے پیپ ہونے کا یقین ہو تو وضو جاتا رہے گا۔ (کذا فی احسن الفتاویٰ ص ۲۱ ج ۲۔ و امداد الاحکام ص ۲۵۹ ج ۱)

(۵) انجکشن سے وضو نہیں ٹوٹتا مگر رگ میں انجکشن لگانے سے پہلے عموماً پچکاری میں خون نکالا جاتا ہے پھر دوا کے ساتھ وہ خون دوبارہ جسم میں چلا جاتا ہے پچکاری میں خون آتے ہی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (کذا فی احسن الفتاویٰ ص۲۳ ج ۲) اسی طرح جلدی انجکشن لگوانے کے بعد بھی کبھی خون نکل آتا ہے۔ اگر یہ خون بہنے کی مقدار میں ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

(۶) اگر کسی کے زخم سے پیپ یا خون رس رس کر کپڑے پر لگ رہا ہے اس لئے بہتا نہیں تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر ایک مجلس[1] میں وہ اتنا رس جائے جو کپڑے کے جذب نہ کرنے کی صورت میں بہہ پڑتا تو وضو ٹوٹ جائے گا اور کپڑا بھی ناپاک ہو جائے گا۔ اس سے کم ہو تو نہ وضو جائیگا نہ کپڑا ناپاک ہو گا۔

(۷) کسی کی ڈاڑھی مونچھ اور بھنویں اس قدر گھنی ہیں کہ نیچے کی کھال نظر نہیں آتی تو نیچے کی کھال کا دھونا ضروری نہیں بلکہ یہ بال ہی کھال کے قائم مقام ہیں۔ صرف ان بالوں کا دھونا ضروری ہے جو حدِ چہرہ میں ہیں۔ اور نیچے لٹکے ہوئے بالوں کا دھونا ضروری نہیں ہاں گیلا ہاتھ پھیر دینا مستحب ہے، نیز ایک چلو پانی سے کر ٹھوڑی کے نیچے بالوں کو تر کرنا اور ڈاڑھی کا خلال کرنا سنت ہے۔

---

[1] قال فی الذخیرۃ قالوا وانما یجمع اذا کان فی مجلس واحد مرۃ بعد اخریٰ اما اذا کان فی مجالس مختلفۃ لا یجمع (البحر الرائق ص۳۳ ج ۱ رد المحتار ص۱۳۵ ج ۱)

یہ تفصیل وضو میں تھی ۔ غسل میں ایک ایک بال کو جڑ سمیت دھونا فرض ہے اور عورت کے بال کھلے ہوئے ہوں تو غسل میں ان کو دھونا فرض ہے ۔ گندھے ہوئے ہوں تو انہیں کھولنا ضروری نہیں صرف جڑوں کو تر کرنا فرض ہے ۔ ہاں کھولے بغیر جڑوں کو تر کرنا ممکن نہ ہو تو کھول کر پورے بالوں کو دھونا فرض ہوگا ۔ (عامۃ الکتب)

(۸) قرآن مجید کے خالی صفحہ بلکہ جلد کو بھی بلا وضو چھونا جائز نہیں ہے ۔ کتب تفسیر میں اگر تفسیر کا حصہ زیادہ ہو اور قرآنی آیات کم ہوں تو انہیں بلا وضو چھونا جائز ہے مگر کاغذ کے جس حصہ پر قرآن مجید لکھا ہو اسے چھونا جائز نہیں ۔ بلکہ صرف ترجمہ لکھا ہوا ہو تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو اصل قرآن مجید کا ۔ اخبارات و رسائل میں بھی جہاں قرآنی آیات یا ان کا ترجمہ لکھا ہو وہاں بے وضو ہاتھ رکھنا جائز نہیں ۔ کتب حدیث و فقہ کو بے وضو چھونا جائز ہے تاہم ادب کا تقاضا یہ ہے کہ تمام دینی کتابوں کو با وضو چھوا جائے ۔

(غنیۃ المستملی ص ۵۷ ۔ رد المحتار ص ۱۲۶ ج ۱)

تلاوت بھری کیسٹ کو چھونا ہر آدمی کے لئے جائز ہے ۔

(۹) آدمی معذور کب بنتا ہے ؟ کب تک رہتا ہے ؟ اور معذور کے احکام کیا ہیں ؟ ان تینوں باتوں کا جاننا ضروری ہے ۔

کوئی آدمی معذور اس وقت قرار پاتا ہے جب کسی ایک فرض نماز کے پورے وقت میں اتنا سا وقفہ بھی اسے نہ ملے کہ فوری وضو کر کے جس میں فقط چار فرض پورے کئے جائیں صرف فرض نماز ادا کر سکے وہ بھی اس کیفیت میں کہ نماز کے سنن و مستحبات ترک کر کے صرف فرائض و واجبات پر اکتفا کرے ۔ جب عذر اس کثرت سے لاحق ہو تو یہ شخص معذور ہے ۔

اب یہ شخص اس وقت تک معذور رہے گا جب تک کہ نماز کے پورے وقت میں ایک بار بھی یہ عذر پیش آتا رہے ۔ ہاں ! اگر کسی نماز کا پورا وقت عذر سے کلیتاً

خالی نکل گیا تو اب یہ شخص بھی معذورین کی فہرست سے نکل گیا۔
معذور آدمی کو ہر فرض نماز کے وقت ایک بار وضو کرنا ضروری ہے۔ اب وقت کے اندر اندر یہ عذر خواہ کتنی ہی بار پیش آئے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اس وضو سے پورے وقت کے اندر جتنی نمازیں چاہے فرض، واجب، سنن ادا کرسکتا ہے۔ وقت نکلتے ہی یہ وضو ٹوٹ جائے گا۔ اب دوسری نماز کے لئے نیا وضو کرے۔ لیکن پورے وقت میں وضو کا باقی رہنا اس شرط سے ہوگا کہ یہ وضو خاص اسی عذر کی بنا پر کیا ہو جو اسے لاحق ہے اگر کسی دوسرے سبب سے وضو کیا ہو تو عذر پیش آنے سے یہ وضو ٹوٹ جائے گا مثلاً کسی کو مسلسل خون چل رہا ہے۔ اب اس نے پیشاب پاخانہ کی وجہ سے وضو کیا اور اس دوران خون بند تھا پھر وضو کے بعد خون چل پڑا تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اسی طرح اگر عذر کی وجہ سے وضو کیا پھر پیشاب کیا تب بھی وضو ٹوٹ گیا۔
معذور کے کپڑے کا حکم یہ ہے کہ اگر اسے یقین ہو کہ کپڑا دھونے کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے دوبارہ ناپاک نہیں ہوگا تو اسے دھونا ضروری ہے۔ اور سلام تک ناپاک ہونے کا اندیشہ ہو تو دھونا ضروری نہیں۔ (ہدایہ ص ۶۷ ج ۱۔ رد المحتار ص ۳۰۵ ج ا وعامۃ الکتب)
(۱۰) کسی کے جسم پر کہیں زخم ہے جسے دھونا نقصان کرتا ہے (یعنی گرم پانی سے بھی نہیں دھویا جاسکتا) تو اس پر مسح کرے۔ اگر مسح بھی نقصان کرے تو معاف ہے، اور اگر پانی تو نقصان نہیں کرتا مگر پٹی بندھی ہے تو پٹی کھول کر اس جگہ کو دھوئے، دھونا ممکن نہ ہو تو مسح کرے مسح بھی نہ کرسکے تو پٹی پر مسح کرنا کافی ہے۔ اور اگر پٹی کھولنے کے بعد باندھنا دشوار ہو اور دوسرا کوئی آدمی باندھنے والا نہ ہو تب بھی پٹی پر مسح کرلینا کافی ہے۔ اگر پٹی نے زخم سے زیادہ جگہ گھیر رکھی ہے تو اسے کھول کر تندرست حصہ کو دھوئے اور زخم کی جگہ پٹی پر مسح کرے لیکن پٹی کھولنے میں دشواری ہو تو اس صورت میں بھی کھولنا ضروری نہیں بلکہ اکثر حصہ (یعنی نصف سے زائد) پر گیلا ہاتھ پھیر دینا کافی ہے اگر کسی نے مسح کے بعد پٹی کو کھول کر دوبارہ باندھا تو مسح لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر پہلی پٹی (جس پر مسح کیا) کھول کر نئی پٹی

باندھ لی یا پٹی دھری تھی اور اوپر والی پٹی اتر گئی تو دوبارہ مسح کر لینا مستحب ہے۔ یہی حکم پلستر اور پھایہ کا بھی ہے۔ نیز یہ تفصیل وضو اور غسل دونوں کے لئے ہے۔

(عالمگیریہ ص۳۵ ج ۱ - رد المحتار ص۲۷۸ ج۱)

(۱۱) تیمم کرنے کا جو مخصوص طریقہ لوگوں میں مشہور ہے کہ پہلے بائیں ہاتھ کی چاروں انگلیاں دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے سروں کے نیچے رکھ کر کہنی تک کھینچتے ہوئے لے جائے پھر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی دائیں ہاتھ کے اوپر کی طرف سے کھینچتے ہوئے انگلیوں تک لائے تو یہ مخصوص طریقہ بھی کسی دلیل سے ثابت نہیں اور اس میں بے جا تکلف مزید ہے۔ بس اتنا کافی ہے کہ دونوں ہاتھ پاک زمین پر مار کر ایک بار اچھی طرح منہ پر مل لے پھر دوسری بار زمین پر مار کر دونوں ہاتھوں پر کہنیوں سمیت ایک بار اچھی طرح مل لے چوڑی انگوٹھی کنگن وغیرہ کے درمیان بھی اچھی طرح مل لے بال برابر جگہ بھی خالی رہ گئی تو تیمم نہ ہوگا۔ نیز آخر میں ہاتھوں کی انگلیوں کا خلال کرلے۔ یہ مسئلہ بھی یاد رکھا جائے کہ اگر کسی نے ایسی عبادت کے لئے تیمم کیا جو مقصود بالذات ہے اور طہارت بھی اس کے لیے شرط ہے تو ایسے تیمم سے نماز ادا کرنا درست ہے۔ ورنہ نہیں۔ پس اگر کسی بے وضو آدمی نے زبانی تلاوت کے لئے تیمم کیا یا قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کے لئے تیمم کیا تو اس تیمم سے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اس لئے کہ پہلی صورت میں طہارت شرط نہیں اور دوسری صورت میں عبادت عبادتِ مقصودہ نہیں۔ اور جنبی نے تلاوت کے لئے تیمم کیا تو اس سے نماز ادا کر سکتا ہے۔ اسی طرح کوئی شخص کسی مخصوص عبادت کی نیت کے بغیر فقط طہارت کاملہ کی نیت سے تیمم کرے تب بھی نماز پڑھ سکتا ہے[۱]۔

---

[۱] صرحوا بانه لو تيمم لدخول المسجد او للقراءة ولو من المصحف او مسه او كتابته او لزيارة القبور او لعيادة المريض او لتعليم القرآن ولا يريد بها الصلوٰة او تيمم لدفن الميت او الاذان او الاقامة او السلام او رده او الاسلام لا تجوز الصلوٰة بذلك التيمم عند عامة المشايخ ولو تيمم لصلوٰة الجنازة او سجدة التلاوة جاز له ان يصلي سائر الصلوات بذلك التيمم وتمام ذلك مذكور في كتب العلماء رحمهم الله تعالیٰ۔

(الفتاوی الخیریة ص۵ ج۱ - ردالمحتار ص۲۳۵ ج۱)

(۱۲) ان باتوں سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اپنا یا کسی اور شخص کا ستر دیکھ لینا یا ہاتھ لگانا گو کہ بلا اضطرار و مجبوری کسی کا ستر دیکھنا، چھونا یا اپنا ستر دکھانا سخت گناہ ہے۔ عورت کا بچے کو دودھ پلانا (ہاں نماز ٹوٹ جائے گی بشرطیکہ بچے کے منہ میں دودھ اتر آئے) قے کرنا جو منہ بھر کر نہ ہو۔ ٹیک لگائے بغیر سونا بشرطیکہ گرنے نہ پائے۔ یا گرے تو فوری بیدار ہو جائے۔ قیام، رکوع یا سجدے میں سونا۔ جبکہ سجدہ مسنون ہیئت سے ہو۔ ایسی حالت میں سونا کہ مقعد پوری طرح زمین پر ٹکی رہے مثلاً گھٹنے کھڑے کر کے ہاتھوں سے پکڑ لیتے یا کپڑے سے باندھ دیئے۔ یا چار زانو بیٹھ کر آلتی پالتی مار کر سو گیا۔ اگر دو زانو بیٹھ کر یا چار زانو بیٹھ کر ران پر ٹیک لگالی اور سو گیا تو اس حالت میں اگر اتنا جھک گیا کہ مقعد پوری طرح زمین پر قائم نہ رہی تو وضو ٹوٹ گیا۔ (ردّ المحتار ص ۱۴۴ - ج ۱ وغیرہ)

(۱۳) غسل میں یہ تین باتیں فرض ہیں۔ کلّی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، پورے بدن پر پانی بہانا۔ اس طور سے کہ کہیں بال برابر جگہ سوکھی نہ رہے۔ باقی غسل میں نیت شرط نہیں۔ ہاں بہتر ہے۔ غرغرہ بھی فرض نہیں صرف منہ بھر کر کلّی کرنا ضروری ہے۔ بعض لوگ اس میں بہت غلو کرتے ہیں اور خاصی مقدار میں اس پر پانی ضائع کر دیتے ہیں۔ اسی طرح ناک کی ہڈی میں پانی پہنچانا فرض ہے جو معمولی اہتمام سے بآسانی پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح غسل سے پہلے یا بعد میں کچھ پڑھنا بھی ضروری نہیں۔ (عامۃ الکتب)

(۱۴) نماز روزہ کی پابند اور دیندار خواتین میں بھی ایک کوتاہی عام طور پر پائی جاتی ہے وہ یہ کہ مخصوص ایام سے پاک ہونے کے بعد کئی کئی وقت غسل کے انتظار میں ٹالتی رہتی ہیں حالانکہ کسی نماز کے بالکل آخری وقت میں اگر پاک ہوئیں جس میں پھرتی سے غسل کے فرائض ادا کرنے کے بعد اتنا سا وقت بچ جائے جس میں اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کر سکیں تو اس نماز کی قضا بھی ذمہ میں فرض ہو گئی۔ یہ حکم بھی اس صورت میں ہے کہ دس دن سے پہلے پاک ہوں۔ اگر ٹھیک دس دن پر پاک ہوئیں تو اتنا سا وقت ملنے پر ہی یہ نماز فرض ہو جائے گی جس میں فقط اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کر سکیں خواہ غسل جتنا وقت نہ ہی ملے۔ ان مسائل کی تفصیل بہشتی زیور حصہ دوم میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(۱۵) حالتِ جنابت میں یہ کام جائز ہیں : سلام کرنا، سلام کا جواب دینا، عورت کا بچے کو دودھ پلانا، کھانا پکانا، ہاتھ دھو کر کلی کرکے کھانا پینا۔ بغیر ہاتھ دھوئے کلی کئے بھی کھانا پینا جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ ہاں پانی پینے کی صورت میں صرف پہلا گھونٹ مکروہ ہوگا۔ تلاوت قرآن کے سوا ہر قسم کے اذکار اور دعائیں پڑھنا۔ ایسی قرآنی آیات بقصدِ دعاء پڑھنا جن میں دعاء کا مضمون ہو۔ جیسے سورہ فاتحہ، آیۃ الکرسی، رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا اور دیگر تمام قرآنی دعائیں۔ باقی تلاوت جائز نہیں خواہ ایک آیت یا اس کا ٹکڑا ہی ہو۔ ہاں! مفرد کلمات ایک ایک کرکے پڑھ سکتے ہیں۔ بے وضو یا جنبی کے لئے قرآن مجید لکھنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ کاغذ کو ہاتھ نہ لگے مگر اس سے بھی احتراز بہتر ہے لکون المسألۃ مختلفاً فیھا۔ (عامۃ الکتب)

(۱۶) غسل خانہ میں بالعموم صفائی نہیں ہوتی اس لئے بیت الخلاء کی طرح غسل خانہ میں بھی داخل ہوتے وقت پہلے بایاں پاؤں اندر رکھے اور نکلتے وقت پہلے دایاں پاؤں نکالے۔ غسل سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے مگر غسل خانہ میں داخل ہونے سے پہلے پڑھے اور فارغ ہونے کے بعد غسل خانہ سے باہر نکل کر وضو کے بعد والی دعاء پڑھے۔ اگر غسل خانہ نہایت صاف ستھرا ہو اور اس کے اندر بیت الخلاء نہ ہو تو اس میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت جو پاؤں چاہے پہلے رکھے اور بسم اللہ بھی غسل خانہ کے اندر کپڑے اتارنے سے پہلے پڑھے۔ اگر کوئی لنگی وغیرہ باندھ کر غسل کر رہا ہو تو کپڑے اتارنے کے بعد بسم اللہ پڑھے (احسن الفتاوٰی ص ۳۷ ج ۲ بحوالہ رد المحتار)

طہارت و نجاست

(۱۷) دھوبی کو جو کپڑے ناپاک دیئے تھے اس نے پانی سے دھوئے یا خشک دھلائی کی بہرصورت وہ دھلنے کے بعد بھی ناپاک ہی تصور کئے جائیں گے۔ ان میں نماز صحیح نہ ہوگی اور پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ واجب ہوگا (کذا فی احسن الفتاوٰی ص ۸۳ ج ۲) ہاں! دھوبی کے

متعلق یقین ہو کہ اس نے کپڑے چلتے پانی میں یا اتنے بڑے حوض میں دھوئے جس کا کل رقبہ سو ہاتھ یا اس سے زائد ہے تو ناپاک کپڑے پاک ہو جائیں گے۔

(۱۸) کسی شخص نے کپڑے پر نجاست دیکھی مگر یہ معلوم نہیں کہ کب سے لگی ہے؟ تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر نجاست منی ہے تو جس وقت نیند سے بیدار ہوا اس وقت سے کپڑے کو ناپاک سمجھا جائے گا۔ اور پیشاب یا پاخانہ ہے تو جس وقت سے پیشاب پاخانہ سے فارغ ہوا اس وقت سے ناپاک تصور کیا جائے گا۔ کوئی اور نجاست ہے تو دیکھنے کے وقت سے ناپاکی کا حکم لگے گا۔ [۱]

(۱۹) اگر پیشاب مخرج سے تجاوز کر گیا اور زائد کی مقدار درہم (تقریباً چاندی کے روپے) سے زائد نہیں تو بغیر دھوئے صرف ڈھیلا استعمال کرنے سے نماز ہو جائے گی اور پاخانہ کا حکم یہ ہے کہ ڈھیلے سے استنجا کرنے کے بعد اگر مخرج سے تجاوز کرنے والی نجاست ایک مثقال (۵ ماشہ) یا اس سے کم ہے تو نماز ہو جائے گی اگرچہ پھیلاؤ میں یہ درہم سے زائد ہو اسے نہ دھونا مکروہ تنزیہی ہے اور درہم سے زائد نجاست کی صورت میں (خواہ پیشاب ہو خواہ پاخانہ) پانی سے استنجا فرض ہے۔ اگر

---

[۱] قال فی الدر: وجد فی ثوبہ منیًا او بولًا او دمًا اعاد من آخر احتلام وبول و رعاف وقال فی الرد (قولہ ورعاف) ھٰذا ظاھر اذا وقع لہ رعاف ولم یبتینوا حکم ما اذا لم یقع لہ ولاجل ھٰذا واللہ تعالیٰ اعلم۔
روی ابن رستم ان الدم لایعید فیہ لان دم غیرہ قد یصیبہ فالظاھر أن الاصابۃ لم تتقدم زمان وجودہ بخلاف المنی لان منی غیرہ لایصیب ثوبہ فالظاھر انہ منیّہ فیتعین وجودہ من وقت وجود سبب خروجہ حتی لو کان الثوب مما یلبسہ ھو وغیرہ یستوی فیہ حکم المنی والدم واختار فی المحیط ما رواہ ابن رستم ذکرہ فی البحر (ردالمحتار ص ۲۱۹ ج ۱ وغیرہ)

استنجے کی حاجت ہے مگر پردہ کی جگہ موجود نہیں تو ستر کھول کر پانی سے استنجا جائز نہیں بلکہ ڈھیلے پر اکتفا کرے (فتاویٰ عالمگیریہ ص ۴۸ ج ۱۔ ردالمحتار ص ۳۱۶۔ ج ۱۔ ص ۳۳۸۔ ج ۱ وعامۃ الکتب)

(۲۰) دودھ پیتے بچے، بچی کا پیشاب بھی بڑے آدمی کے پیشاب کی مانند نجاستِ غلیظہ ہے جسے دھوئے بغیر نماز جائز نہیں۔ (ردالمحتار ص ۳۱۸ ج ۱)

عورتیں عموماً اس مسئلہ میں کوتاہی کرتی ہیں۔ اسی طرح ان کے دودھ ڈالنے کا بھی وہی حکم ہے جو عام آدمی کی قے کا یعنی منہ بھر کر دودھ ڈالیں تو نجس ہے اور اور ایک مجلس میں بار بار ڈالیں جس کا مجموعہ منہ بھر کی مقدار کو پہنچ جائے تب بھی مجموعہ نجس ہے جسے دھوئے بغیر نماز نہ ہوگی (غنیۃ المستملی ص ۱۲۷، ردالمحتار ص ۱۳۸ ج ۱)

(۲۱) فضا میں اُڑنے والے حلال پرندوں کی بیٹ پاک ہے اور حرام پرندوں کی نجاست خفیفہ۔ اور حلال پرندے جو اُڑتے نہیں جیسے مرغی، بطخ، مور، چکور وغیرہ ان کی بیٹ نجاست غلیظہ ہے۔ (ردالمحتار ص ۳۲۰ ج ۱)

(۲۲) آجکل اسپرٹ اور الکحل کے لئے انگور، کشمش یا کھجور کا استعمال نہیں ہوتا (اور انہی چیزوں کی خالص شراب تیار ہوتی ہے) لہٰذا جن اشیاء میں ان کی آمیزش ہو ان کا استعمال جائز ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو احسن الفتاویٰ ص ۹۵ ج ۲)

(۲۳) وضو یا غسل جنابت میں استعمال ہونے والا پانی یا بہ نیت ثواب و تقرب استعمال ہونے والا پانی، نیز برتن یا چھوٹے حوض کا پانی جس میں جنبی یا بالغ بے وضو آدمی ہاتھ ڈال دے مستعمل پانی کہلاتا ہے۔ بشرطیکہ ان پر ظاہری نجاست نہ ہو ورنہ پانی نجس ہو جائے گا۔ مستعمل پانی پاک ہے مگر بلاضرورت اس کا پینا یا کھانے پینے کی اشیاء میں استعمال مکروہ تنزیہی ہے۔ وضو اور غسل میں اس کا استعمال درست نہیں۔ ہاں! جسم یا کپڑے وغیرہ پر جو ظاہری نجاست لگی ہو وہ اس سے

پاک ہوجائے گی (رد المحتار ص ۱۹۸ ج ۱ وغیرہ) مگر بلا ضرورت ازالۂ نجاست کے لئے بھی اس کا استعمال بہتر نہیں لکون المسألة مختلفا فیها بین الائمة ۔

(۲۴) مسائل کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ناپاک کپڑے کو تین بار دھونا اور ہر بار پوری قوت سے نچوڑنا ضروری ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ برتن میں پانی ڈال کر بار بار کپڑے کو اس میں بھگویا جائے۔ اگر ٹونٹی کھول کر ناپاک کپڑے پر پانی بہایا جائے تو اس صورت میں تین بار پانی ڈالنے یا نچوڑنے کی شرط نہیں۔ صرف اتنا پانی بہا دینا کافی ہے جتنا تین بار برتن میں پانی بھر کر دھونے میں خرچ ہو۔ اگر بارش میں کپڑا ڈال دیا گیا یا نہر یا بڑے حوض میں ڈال دیا گیا تب بھی تین بار ڈبونا شرط نہیں صرف اتنا کافی ہے کہ نجاست زائل ہونے کا غالب گمان ہو جائے۔[1]

(۲۵) دستی نل (ہینڈ پمپ) میں اگر نجاست گر جائے تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ نجاست پڑتے وقت جتنا پانی اس کے اندر ہے وہ نکالنے کے بعد مزید اتنی مقدار میں پانی نکال دیا جائے جس سے پورا پائپ تین بار دھل سکتا ہو اس مقدار

---

[1] قال فی الدر أما لو غسل فی غدیر أو صب علیه ماء کثیر او جری علیه الماء مطلقا بلا شرط عصر و تجفیف و تکرار غمس هو المختار وفی الرد : اقول لکن قد علمت ان المعتبر فی تطهیر النجاسة المرئیة زوال عینها ولو بغسلة واحدة ولو فی اجانة کما مر فلا یشترط فیها تثلیث غسل ولا عصر وان المعتبر غلبة الظن فی تطهیر غیر المرئیة بلا عدد علی المفتی به او مع شرط التثلیث علی ما مر ولا شك ان الغسل بالماء الجاری وما فی حکمه من الغدیر أو الصب الکثیر الذی یذهب بالنجاسة اصلا و یخلفه غیره مرارا بالجریات اقوی من الغسل فی الاجانة التی علی خلاف القیاس

(رد المحتار ص۳۳۳ ج ۱ وغیرہ)

کا اندازہ کرنے کے لئے غالب گمان کافی ہے۔ ایک دوسرا آسان طریقہ یہ ہے کہ نل کے اوپر سے اتنا پانی ڈالا جائے کہ پائپ بھر جائے اور اوپر سے پانی بہنے لگے۔ پانی جاری ہونے کی وجہ سے پاک ہو جائے گا۔ (ردالمحتار ص ۱۹۶ ج ۱)

اوقات

(۲۶) اوقاتِ کراہت کی تفصیل یہ ہے: عین طلوع آفتاب۔ غروب آفتاب اور دوپہر کے وقت جبکہ آفتاب ٹھیک سر پر ہو ہر قسم کی نماز خواہ وہ فرض ہو یا نفل، مکروہ تحریمی ہے۔ اور جنازہ کے سوا کوئی نماز ان اوقات میں شروع کی تو منعقد نہ ہوگی۔ اسے توڑ کر دوسرے وقت (غیر مکروہ) میں پڑھنا واجب ہے۔ اور اگر انہی اوقات میں سجدہ کی آیت پڑھی تو سجدہ تلاوت جائز مگر مکروہ تنزیہی ہے۔ اس لئے سجدہ کو مؤخر کرنا افضل ہے۔ اور جنازہ اگر پہلے سے تیار تھا تو ان اوقات میں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ ہاں! اسی وقت تیار ہوا تو بلا کراہت جائز ہے۔ نماز عصر، نماز فجر اور صبح صادق کے بعد نفل نماز مکروہ ہے۔ اگر شروع کر دی توڑ کر دوسرے غیر مکروہ وقت میں اس کی قضا پڑھنا واجب ہے۔ قضا نمازیں، جنازہ اور سجدہ تلاوت کی ادائیگی میں حرج نہیں۔ البتہ ان تینوں اوقات میں قضاء نمازیں گھر میں پڑھنی چاہئیں مسجد میں پڑھنا لوگوں کے سامنے اپنے گناہ کا اظہار ہے۔ جب امام خطبہ کے لئے اٹھ کھڑا ہو تو کسی قسم کی نماز شروع کرنا جائز نہیں۔ ہر خطبہ کا سننا واجب ہے۔ خواہ خطبہ جمعہ ہو یا خطبہ عیدین۔ خطبہ حج ہو یا خطبہ نکاح وغیرہ، اسی طرح جب فرض نماز کی اقامت کہی جائے تو کسی قسم کی نماز جائز نہیں۔ ہاں نمازِ فجر میں دوسری رکعت یا بعض علماء کے نزدیک تشہد میں ملنے کی امید ہو تو فجر کی سنت ادا کرلے نماز عید سے پہلے نفل نماز مکروہ ہے۔ اور عید ہو چکنے کے بعد گھر میں نوافل جائز ہیں عیدگاہ میں مکروہ۔ (عامۃ الکتب)

(۲۷) طلوع کے بعد جب آفتاب میں اتنی تیزی آجائے کہ اس پر نظر جمانا مشکل

ہو تو اشراق کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ جو نصف النہار تک رہتا ہے مگر شروع دن میں پڑھنا افضل ہے۔ چاشت کا وقت اشراق پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے اور نصف النہار تک رہتا ہے مگر اس کا افضل وقت دن کا ایک چوتھائی حصہ گزرنے کے بعد ہے۔ تہجد کا وقت نمازِ عشاء کے بعد شروع ہوتا ہے اور صبح صادق تک رہتا ہے۔ مگر افضل وقت نیند سے اٹھ کر ہے۔ ہاں! جسے اندیشہ ہو کہ آنکھ نہ کھلے گی تو وتروں سے پہلے دو رکعت تہجد کی نیت سے پڑھ کر سو جائے۔ اور اٹھنے کی نیت بھی کر لے اگر آنکھ نہ کھلی تو تہجد کا ثواب مل جائے گا کما جاء فی الحدیث۔

(عامۃ الکتب)

(۲۸) نمازیوں کے اجتماع کے بعد کسی فرد کے انتظار میں جماعت میں تاخیر کرنا جائز نہیں۔ البتہ کوئی شخص شریر ہو اور اس سے خطرہ ہو تو اس کے شر سے بچنے کے لئے تاخیر کی جا سکتی ہے۔ (احسن الفتاوٰی ص ۳۰۵ ج ۳)

آج کل کے حالات کے پیش نظر گھڑی سے وقت کی تعیین اور امام کے لئے وقت معین کی پابندی ضروری ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں لوگوں کے اجتماع کو ملحوظ رکھا جاتا تھا اب چونکہ گھڑی کے معین وقت پر ہی نمازی جمع ہوتے ہیں لہٰذا یہ امر بھی اس کو مقتضی ہے کہ معین وقت سے تاخیر نہ کی جائے۔ علاوہ ازیں قرونِ اولیٰ کے ائمہ تنخواہ نہیں لیتے تھے اور اس زمانہ کا امام تنخواہ دار ملازم ہے اس لئے بھی اس پر متعین وقت کی پابندی لازم ہے۔ البتہ نمازیوں پر امورِ ذیل کا خیال رکھنا ضروری ہے:

(۱) اگر کبھی بتقاضائے بشریت امام کو دو چار منٹ تاخیر ہو جائے تو بے صبری اور چیخ و پکار کی بجائے صبر و تحمل سے کام لیں اور اس تاخیر کو کسی عذر پر محمول کر کے امام پر زبان درازی اور طعن سے احتراز کریں۔

(۲) اگر امام ہمیشہ تاخیر سے آنے کا عادی ہو تو اسے ملاطفت سے سمجھانے کی کوشش کی جائے۔

(۳) اگر تفہیم کے باوجود امام کی روش نہیں بدلتی تو منتظمہ اسے معزول کر سکتی ہے مگر اس صورت میں بھی امام سے متعلق بدزبانی اور اس کی غیبت ہرگز جائز نہیں۔ (احسن الفتاوی ص ۳۰۱ ج ۳)

اذان واقامت

(۲۹) ناسمجھ بچے کی اذان یا اقامت صحیح نہیں۔ سمجھدار بچے کی بلاکراہت جائز ہے۔
(فتاوی عالمگیریہ ص ۵۴ ج ۱ وعامۃ الکتب)

(۳۰) اگر کلماتِ اذان یا اقامت میں تقدیم وتاخیر ہو جائے تو مقدم کلمات دوبارہ کہے جائیں مثلاً اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ کے بعد غلطی سے حیّ علی الفلاح کہدیا تو حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ کے بعد حَیَّ عَلَی الْفَلَاح دوبارہ کہے۔ اور پوری اذان دوبارہ کہے تو افضل ہے۔ (رد المحتار ص ۳۸۹ ج ۱ مع التحریر المختار)

اگر کوئی کلمہ چھوٹ گیا اور اذان یا اقامت کہتے ہی فوراً یاد آ گیا تو جہاں سے کلمہ چھوٹا تھا وہاں سے لوٹائے اور کچھ دیر کے بعد یاد آیا تو پوری اذان واقامت کو لوٹائے۔ (کذا فی احسن الفتاوی ص ۲۸۵ ج ۲) فوری یاد آنے کی صورت میں بھی لوٹا لینا افضل ہے کما مر فی المسألۃ الاولی۔ اور جو اذان قبل از وقت دی گئی۔ وقت کے اندر اس کا اعادہ کیا جائے بلکہ اذان کا ایک کلمہ بھی وقت سے سے پہلے کہدیا تو پوری اذان کا اعادہ کیا جائے۔
(ہدایہ ص ۹۱ ج ۱۔ رد المحتار ص ۳۸۵ ج ۱)

(۳۱) کلماتِ اذان واقامت کا زبانی جواب دینا مستحب ہے بلکہ بعض علماء کے

نزدیک کلماتِ اذان کا جواب واجب ہے اس لئے اس میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے اگر کوئی شخص اذان سے پہلے مسجد میں پہنچ گیا ہو تب بھی جواب دینا مستحب ہے بلکہ تلاوت و ذکر میں مشغول ہو تو بہتر ہے کہ تلاوت و ذکر روک کر اذان کا جواب دے۔ اور اذان پوری توجہ و یکسوئی سے سننی چاہئے۔ اس دوران سلام کرنا بھی مناسب نہیں۔ کسی نے سلام کر لیا تو جواب دینا ضروری نہیں۔ اور یہ حکم مرد وعورت باوضو، بے وضو بلکہ جنبی سب کے لئے یکساں ہے۔ البتہ عورت کے لئے یہ حکم اس صورت میں ہے کہ ایام سے پاک ہو۔ اگر کلماتِ اذان کا جواب کوئی شخص مؤذن کے ساتھ ساتھ نہ دے سکا تو اذان ختم ہونے پر دیدے۔ بشرطیکہ زیادہ وقفہ نہ ہو گیا ہو۔ (ردالمحتار ص ۳۹۶ ج ا وغیرہ) اگر متعدد اذانیں سنائی دیں تو بہتر تو یہ ہے کہ سب کا جواب دے۔ اس میں دشواری محسوس ہو تو صرف پہلی اذان کا جواب دے خواہ وہ محلہ کی ہو یا کسی دوسری مسجد کی۔

(فتح القدیر ص ۲۴۷ ج ۱)

(۳۲) اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کے جواب میں صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ وَبِالْحَقِّ نَطَقْتَ کے کلمات کہے جاتے ہیں۔ اس کا کسی حدیث سے ثبوت نہیں ملتا اس لئے جواب میں بھی اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ہی کہنا چاہئے جیسے حدیث میں حکم ہے: قولوا مثل ما یقول[۱]

---

[۱] وکذا قولہم عند قول المؤذن الصلوٰۃ خیر من النوم: صدقت وبررت ونطقت بالحق استحبہ الشافعیۃ قال الدمیری وادعی ابن الرفعۃ ان خبرا ورد فیہ لا یعرف قائلہ انتہی، وقال ابن الملقن فی تخریج احادیث الرافعی لم اقف علیہ فی کتب الحدیث، وقال الحافظ ابن حجر لا اصل لہ انتہی .... وقال النجم فی صدقت وبررت لا اصل لذلک فی الاثر قال وکذلک قول کثیر من العوام للمؤذن مطلقا صدقت یا ذاکر اللہ فی کل وقت لا اصل لہ فاعرفہ۔
(کشف الخفاء ومزیل الالباس ص ۲۸ ج ۲)

(۳۳) اگر مؤذن غائب ہو تو دوسرا آدمی بلا کراہت اقامت کہہ سکتا ہے۔ ہاں مؤذن کی موجودگی میں بلا اجازت اقامت کہنا بہتر نہیں جبکہ اسے ناگوار ہو۔

(ردالمحتار ص ۳۹۵ ج ۱ وغیرہ)

(۳۴) دورانِ اقامت کئی لوگ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں حالانکہ تکبیر تحریمہ سے قبل ہاتھ باندھنا کہیں ثابت نہیں، اس کو سنت نہ بھی سمجھا جائے تو بھی چونکہ یہ حدودِ شریعت پر زیادتی ہے اس لئے مکروہ ہے، علاوہ ازیں لٹکے ہوئے ہاتھوں کو تکبیر تحریمہ کے وقت کانوں تک لے جانے میں جس قدر احکم الحاکمین کی عظمتِ شان کا اظہار ہے بندھے ہوئے ہاتھوں کو اٹھانے میں اتنا نہیں لہٰذا اس رسم کا ترک اور دوسروں کو اس سے احتراز کی تبلیغ لازم ہے۔

(احسن الفتاویٰ ص ۲۹۷ ج ۲)

یونہی بعض ناواقف لوگ جمعہ کے پہلے خطبہ میں ہاتھ باندھ کر بیٹھتے ہیں، دوسرے خطبہ میں رانوں پر رکھ دیتے ہیں یہ ہاتھوں کا باندھنا کھولنا بھی کہیں ثابت نہیں اور اسے سنت یا ثواب سمجھنا بدعت ہے۔

(۳۵) اذان واقامت کے لئے کوئی جگہ متعین نہیں مسجد سے باہر جس طرف بھی اذان کہی جائے درست ہے خواہ دائیں طرف ہو خواہ بائیں طرف۔ اسی طرح اقامت جس صف میں، جس طرف کھڑے ہو کر کہی جائے درست ہے۔ عام طور پر مؤذن کے لئے امام کے پیچھے جگہ خاص کی جاتی ہے۔ ایسا کرنا جائز نہیں بلکہ مسجد میں کسی کے لئے بھی جگہ متعین کرنا جائز نہیں۔ مؤذن اگر امام سے قریب رہنا چاہتا ہے، تو دوسرے نمازیوں سے پہلے آجائے ورنہ جہاں بھی جگہ ملے وہیں اقامت کہہ دے۔

(کذا فی احسن الفتاویٰ ص ۲۸۲ ج ۲- ص ۲۹۵ ج ۳)

(۳۶) اذان اور اقامت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر کلمہ کو ساکن پڑھا جائے۔ اذان میں ہر کلمہ پر وقف کرے اور اقامت میں دو کلمات کے بعد، مگر پہلے کلمہ کو بھی بہ نیت

وقف ساکن پڑھے۔ اور قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ بھی دو مرتبہ اسی طرح کہے۔ اذان اور اقامت میں دو تکبیروں کو ایک کلمہ شمار کیا جاتا ہے۔ اذان میں ہر دو تکبیروں میں سے پہلی تکبیر اور اقامت میں پہلی تین تکبیروں کی راء پر رفع پڑھنا خلافِ سنت ہے اس کو ساکن پڑھنا چاہیئے یا مفتوح کر کے دوسری تکبیر کے ساتھ ملایا جائے۔
(احسن الفتاویٰ ص ۲۹۶ ج ۲)

مسجد

(۳۷) درج ذیل کاموں کی مسجد میں گنجائش نہیں۔ بعض کام ان میں سے مکروہ ہیں اور بعض حرام۔ ماچس جلانا، مٹی کا تیل جلانا، بدبودار لباس پہن کر آنا، سگریٹ، بیڑی، نسوار یا اور کوئی بدبودار چیز لانا۔ یا ایسی چیز استعمال کرنے کے بعد منہ صاف کئے بغیر مسجد میں آنا، فضول گفتگو کرنا۔ سوال کرنا، سائل کو دینا، کھانا پینا، لیٹنا، خرید و فروخت کرنا، ریح خارج کرنا، اخبار بینی، گمشدہ چیز کا اعلان کرنا (جنازہ کا اعلان جائز ہے۔ نیز جو چیز مسجد میں گم ہو اس کا اعلان مسجد میں جائز ہے) نا سمجھ بچوں کو لانا۔ مسجد کی وقف شدہ زمین میں بیت الخلا، پیشاب خانے یا استنجا خانے (جو حقیقت میں پیشاب خانے ہی ہیں) بنانا۔ یا یہ چیزیں مسجد کے قریب بنانا کہ بدبو مسجد تک پہنچے (آج کل اس مسئلہ میں سخت کوتاہی ہو رہی ہے) گملے رکھنا یا درخت لگانا۔ الّا یہ کہ درخت مسجد کی کسی مصلحت سے لگایا جائے مثلاً زمین مرطوب ہو اور اس کی رطوبت و نمی ختم کرنے کے لئے درخت لگایا جائے۔ مسجد کا پانی، بجلی یا اس کی دیگر اشیاء چٹائی، دری، لوٹا وغیرہ ذاتی استعمال میں لانا۔ تھوکنا، وضو کرنا یا صرف کلی کرنا (یعنی تھوک یا وضو اور کلی کا مستعمل پانی مسجد میں ڈالنا۔ واضح ہو کہ وضو خانے حدودِ مسجد سے باہر ہوتے ہیں)۔ مسجد میں کپڑے سکھانا۔ مسجد کو گزرگاہ بنانا۔ کسی شخص کا مسجد میں اپنے لئے جگہ مخصوص کر لینا۔ الّا یہ کہ پہلے آ کر بیٹھ جائے۔

مسجد کی زمین پر تیمم کرنا۔ ہاں اگر کوئی مسجد میں لیٹا ہو اور اسے احتلام ہو جائے تو جلدی سے تیمم کر کے نکل جائے۔ حالتِ جنابت میں مسجد میں داخل ہونا۔ الّا یہ کہ اور راستہ نہ ہو اور مجبوری سے گزرنا پڑے۔ جوتے ضرورت سے مسجد میں لے جانا جائز ہیں مگر رکھنے سے پہلے دیکھ لینا ضروری ہے کہ ان پر نجاست نہ ہو۔ نیز معتکف آدمی کے لئے مسجد میں کھانا، پینا، لیٹنا، ٹہلنا، زبانی بیع و شراء اور بعض علماء کے نزدیک ریح کا اخراج جائز ہے۔ اسی طرح کوئی مسافر پردیسی یا مجبور شخص مسجد میں سونا چاہے تو اعتکاف کی نیت سے سو سکتا ہے۔ مگر اس شرط سے کہ مسجد کی صفائی اور آداب کو ملحوظ رکھے۔ نیز منتظمہ کی طرف سے ممانعت ہو تو ان سے اجازت حاصل کرے۔ مسجد میں جنازہ پڑھنا خواہ جنازہ اور نمازی مسجد میں ہوں یا جنازہ باہر اور نمازی (سب کے سب یا بعض) مسجد میں ہوں ہاں باہر کوئی جگہ نہ ہو تو ایسی مجبوری میں مسجد میں جنازہ جائز ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل احسن الفتاویٰ ص ۱۸۳ ص ۱۸۴ ج ۴ میں ہے۔
(غنیۃ المستملی ۵۶۲۔ المتانۃ فی المرمۃ عن الخزانۃ ص ۱۲۹۔ امداد الفتاویٰ ص ۵۴۶ ج ۲ و عامۃ الفتاویٰ)

(۳۸) مسجد کی دیواروں پر قرآنی آیات لکھنا مکروہ ہے۔ نقش و نگار پھول بوٹے محراب اور سامنے قبلہ کی دیوار پر بنانا مکروہ ہے بعض علماء نے دائیں بائیں کی دیواروں کا بھی یہی حکم تحریر کیا ہے۔ اگر پیچھے کی دیوار پر یا چھت پر یا سامنے اتنے اوپر بنائے جائیں کہ نمازی کی نظر ان پر نہ پڑے تو بلا کراہت جائز ہے۔ نیز ان میں زیادہ تکلف کرنا اور باریک بنانا بھی مکروہ ہے۔ بالخصوص ایسے شیشے لگانے میں زیادہ کراہت ہے جن میں نمازی کا عکس نظر آتا ہو۔ یہ تفصیل اس صورت میں ہے کہ ذاتی پیسے سے یہ کام کرایا جائے جو شائبۂ حرام سے بالکل پاک خالص حلال کا ہو۔ وقف کا مال اس قسم کے زیبائشی کاموں میں صرف کرنا ناجائز ہے۔ اگر متولی نے مسجد کا پیسہ اس کام پر صرف کیا تو وہ ضامن ٹھہریگا اور یہ روپیہ اسے اپنے جیب سے ادا کرنا ہوگا۔ اس حد تک بھی یہ کام صرف جائز ہے

مسنون یا مستحب نہیں نقش ونگار بنانے کے بجائے یہ پیسہ مساکین پر تقسیم کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ (غنیۃ المستملی ص ۵۷۱، المتانہ ص ۱۲۹ وغیرھما)

(۳۹) کئی لوگ پانی کی ٹونٹی کھول کر اطمینان سے مسواک میں لگ جاتے ہیں۔ یا باتیں شروع کر دیتے ہیں۔ پانی کا یہ اسراف جائز نہیں۔ بلکہ حدیث میں ہے کہ چلتی نہر پر بیٹھ کر کوئی وضو کرے تب بھی پانی کا اسراف جائز نہیں۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ گھر سے وضو کر کے چلا جائے۔ اگر کوئی شخص مسجد کی ٹونٹیوں سے وضو کرنا چاہے تو پانی کا استعمال پوری احتیاط کے ساتھ بقدرِ ضرورت کرے۔ مسجد اور مدارس کا پانی وقف کا ہوتا ہے۔ اگر کسی وہم کے مریض کو تین بار دھونے سے اطمینان نہ ہوتا ہو تو وہ گھر سے وضو کر کے چلے۔ وقف کے پانی سے تین سے زائد بار کسی عضو کا دھونا جائز نہیں۔ ذاتی پانی سے بھی اگر تین سے زائد بار سنت یا ثواب سمجھ کر دھوئے تو مکروہ ہے۔ اگر ثواب کا اعتقاد نہ رکھے تب بھی عبث اور فضول ہے۔ ہاں کبھی کبھار ازالۂ شک اور اطمینانِ قلب کے لئے تین سے زائد بار دھوئے تو مضائقہ نہیں[1]۔

---

[1] قال فی التنویر وشرحہ: ومکروھہ لطم الوجہ او غیرہ بالماء تنزیھا والتقتیر والاسراف ومنہ الزیادۃ علی الثلاث فیہ تحریما لو بماء النھر والمملوک لہ اما الموقوف علی من یتطھر بہ ومنہ ماء المدارس فحرام (قولہ والاسراف) ای بان یستعمل منہ فوق الحاجۃ الشرعیۃ لما اخرجہ ابن ماجۃ وغیرہ عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بسعد وھو یتوضأ فقال: ما ھذا السرف؟ فقال أفی الوضوء اسراف؟ فقال نعم وان کنت علی نھر جار" حلیہ (قولہ ومنہ) ای من الاسراف الزیادۃ علی الثلاث ای فی الغسلات مع اعتقاد ان ذلک ھو السنۃ لما قدمناہ من ان الصحیح ان النھی محمول علی ذلک فاذا لم یعتقد ذلک وقصد الطمانینۃ عند الشک او قصد الوضوء علی الوضوء بعد الفراغ منہ فلا کراھۃ کما مر تقریرہ (رد المحتار ص ۱۳۱ ج ۱)

(۴۰) یہ جو عام مساجد میں رواج چل نکلا ہے کہ نمازی مسجد میں ننگے سر آتے ہیں اور مسجد میں پڑی ہوئی چٹائی کی ٹوپیاں سر پر رکھ کر نماز ادا کرتے ہیں ان ٹوپیوں کا رکھنا احترام مسجد کے خلاف ہے اور ان میں نماز بھی مکروہ ہوتی ہے۔ عام مشاہدہ ہے کہ ایک ایک ٹوپی کو بیسیوں آدمی استعمال کرتے ہیں۔ چند دن گزرنے پر ہی یہ ٹوٹنا شروع ہو جاتی ہیں اور ان کے تنکے مسجد میں بکھر جاتے ہیں۔ نیز کثرت استعمال سے ان پر میل کی تہ جم جاتی ہے۔ پسینے اور میل کی بو آنے لگتی ہے۔ ایک سلیم الطبع آدمی انہیں دیکھ کر ہی گھن کھانے لگتا ہے اس لئے انہیں مسجد میں رکھنا مسجد کی سخت بے حرمتی ہے جو لوگ ایسی ٹوپیاں خرید کر مساجد میں رکھ جاتے ہیں وہ دیانت داری سے بتائیں کہ ان ٹوپیوں کو اپنے گھروں کی زینت بنانے کو تیار ہیں؟ کیا ایک دن کے لئے بھی اس پر آمادہ ہیں کہ یہ کوڑا اٹھا کر اپنے ستور وم میں سجائیں؟ سنجیدگی سے سوچئے کہ دنیا کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ حاکم کے دربار میں تو ننگے سر جانا دربار کی توہین اور قابلِ تعزیر جرم ہو مگر احکم الحاکمین کا عالی دربار ان آداب سے مستثنیٰ ہو۔ غرض یہ رسم صرف شرعاً ہی نہیں عقلاً اور طبعاً بھی مذموم اور قابلِ ترک ہے۔ ان میں نماز ادا کرنا بھی مکروہ ہے اس لئے کہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح کی ہے کہ ایسے لباس میں انسان کی نماز مکروہ ہوتی ہے جسے پہن کر وہ عام مجالس میں جانے سے شرماتا ہو۔ ظاہر ہے کہ کوئی عام آدمی بھی یہ ٹوپی پہن کر کسی دربار، کچہری بلکہ اپنے گھر جانا بھی گوارہ نہیں کرتا۔ کیا اللہ تعالیٰ کے دربار کی اتنی بھی عظمت نہیں۔ دراصل مساجد کے منتظمین نے مساجد میں اس کوڑے کا اسٹاک لگا کر لوگوں کو رومال ٹوپی سے بے نیاز کر دیا۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ ایک صاحب حیثیت مسلمان سینکڑوں روپے کا لباس پہنتا ہے مگر دو چار روپے کی ٹوپی سلوانے کی زحمت گوارا نہیں کرتا؟ مسجد میں برہنہ سر پہنچ کر ٹوپی کی تلاش شروع کرتا ہے۔ مساجد کے منتظمین کو یہ غلط رسم یکسر ختم کر دینی چاہئے۔ اگر واقعۃً کوئی مسلمان اتنا ہی

تنگ حال اور مفلس ہے کہ وہ دو روپے کی ٹوپی بھی نہیں رکھ سکتا تو اس کی نماز ننگے سر بھی جائز ہے۔ اس رسم کو باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں اسی طرح بہت سی مساجد میں میت کو غسل دینے کا تختہ اور چارپائی وغیرہ بھی رکھی جاتی ہے۔ ان چیزوں کا مسجد سے کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا اس قسم کی اشیاء مسجد کی رقم سے خریدنا بلکہ انہیں مسجد یا مسجد کے حجرہ میں رکھنا بھی جائز نہیں۔ دراصل لوگوں کا یہ ذہن بن چکا ہے کہ مساجد، مدارس خانقاہیں رفاہ عامہ کے ادارے ہیں۔ ہر کام انہی سے لیا جائے۔ یہ سوچ آج کے ماحول کی پیداوار ہے۔

امامت و اقتداء

(۲۱) جماعت شروع ہونے کے بعد بعض مقتدی دیر سے پہنچتے ہیں اور امام کو سجدہ یا قعدہ میں پاکر کھڑے انتظار شروع کر دیتے ہیں کہ جب امام اٹھے گا تو شامل جماعت ہوں گے۔ ان کا یہ طریقہ غلط ہے امام کو آدمی جس حال میں پائے تکبیر تحریمہ کہہ کر اسی حال میں شامل ہونا ضروری ہے لما جاء فی الحدیث اذا اتی احدکم الصلوٰۃ والامام علی حال فلیصنع کما یصنع الامام۔ (ترمذی)
اور بعض ناواقف امام کو رکوع میں پاکر بھاگ پڑتے ہیں اور عجلت کی وجہ سے جھکتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں شریک ہو جاتے ہیں۔ ایک تو نماز کے لئے بھاگنا جائز نہیں۔ سکون اور وقار سے چلنا ضروری ہے۔ کما جاء فی الحدیث اذا اتی احدکم الصلوٰۃ فعلیکم السکینۃ فما ادرکتم فصلوا (للشیخین)
دوسرا ان کی نماز بھی نہیں ہوتی (جبکہ تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے ہاتھ گھٹنوں تک جھک جائیں) اس لئے کہ تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہنا فرض ہے۔[1] صحیح طریقہ یہ ہے

---

[1] قال فی الدر: ادرک الامام راکعاً فقال اللّٰہ قائماً واکبر راکعاً لم یصح فی الاصح (قولہ قائماً) ای حقیقۃ وھو الانتصاب، اوحکماً وھو الانحناء القلیل بان لاتنال یداہ رکبتیہ ح (قولہ فی الاصح) ای بناء علی ظاہر الروایۃ: وافاد انہ کما لایصح اقتداءہ لایصیر شارعاً فی صلوٰۃ نفسہ ایضاً وھو الاصح کما فی النہر عن السراج (ردالمحتار ص۴۹۱ ج۱)

سیدھے کھڑے ہوکر تکبیر تحریمہ کہے اور ثناء پڑھے بغیر رکوع میں چلا جاتے۔ رکوع کے لئے الگ سے تکبیر تحریمہ کے کہنے کی حاجت نہیں۔ ہاں اگر امام کو سجدہ یا قعدہ میں پائے تو تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء پڑھے پھر تکبیر کہہ کر امام کے ساتھ شریک ہو مگر قعدہ اخیرہ میں اگر امام سلام پھیرنے کے قریب ہو تو تکبیر تحریمہ کہہ کر فوری بیٹھ جائے۔ اگر امام کو قرات میں پائے تو جہری نماز میں تکبیر کہہ کر خاموش کھڑا ہو جاتے اور سری نماز میں ثناء بھی پڑھ لے (فتاویٰ قاضی خان علیٰ ہامش الہندیہ ص ۸۸ ج ۱- فتح القدیر ص ۳۴۴ ج ۱) پہلی صورت میں یعنی جب امام کو رکوع میں پائے تو تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ نہ باندھے بلکہ فوری رکوع میں جھک جائے (کذا فی احسن الفتاویٰ ص ۲۲۸ ج ۳)

(۴۲) بعض لوگ بالکل آخر میں پہنچتے ہیں ان کی تکبیر تحریمہ ختم ہونے سے پہلے ہی امام سلام پھیر چکا ہوتا ہے (لفظ السلام کہہ دیتا ہے) مگر وہ جلدی سے تکبیر کہہ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اقتداء صحیح نہ ہونے کی وجہ سے ان کی نماز نہیں ہوتی۔ نئے سرے سے انہیں تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرنا ضروری ہے۔[1] اس کے برعکس بعض حضرات امام کو قعدہ اخیرہ میں بیٹھا ہوا دیکھ کر اپنی نماز الگ شروع کر دیتے ہیں یہ بھی جائز نہیں۔ جب تک امام سلام نہیں پھیرتا فوری اس کے ساتھ شریک ہو کر جماعت کا ثواب حاصل کر لینا چاہیئے۔

(۴۳) جو مسبوق قعدۂ اولیٰ میں آکر شریک ہوا اور اس کے بیٹھتے ہی امام تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا یا مسبوق قعدۂ اخیرہ میں شریک ہوا اور اس کے بیٹھتے ہی امام نے سلام پھیر دیا تو دونوں صورتوں میں مسبوق کو چاہیئے کہ وہ بیٹھا رہے اور تشہد پڑھ کر اٹھے۔ یہی حکم اس مقتدی کا ہے جس کے تشہد پورا ہونے سے پہلے امام کھڑا ہو جائے یا سلام پھیر دے۔ اگر امام قعدۂ اولیٰ سے اٹھنے کے بعد تیسری رکعت کے رکوع میں چلا گیا تب بھی مسبوق اور مقتدی تشہد پڑھ کر اٹھیں اور امام کے پیچھے

---

[1] قال فی التجنیس: الامام اذا فرغ من صلاته فلما قال السلام جاء رجل و اقتدی به قبل ان یقول علیکم لا یصیر داخلاً فی صلاته، لان هذا سلام۔ (رد المختار ص ۴۹۸ ج ۱ ومثله فی ص ۵۸۲ ج ۱)

پیچھے چلتے رہیں۔[1]

(۴۴) مسبوق قعدہ اخیرہ میں درود شریف اور دعا نہ پڑھے بلکہ تشہد سے فارغ ہو کر خاموش رہے یا کلمۂ شہادت یا تشہد کا تکرار کرے۔ سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ تشہد ٹھہر ٹھہر کر پڑھے تاکہ امام کے سلام کے ساتھ فارغ ہو۔

(ردالمحتار ص ۵۱۱ ج ۱ وعامۃ الکتب)

(۴۵) امام جب سلام پھیرے خواہ سجدہ سہو کے لئے خواہ نماز ختم کرنے کے لئے تو مسبوق

---

[1] قال فی التنویر وشرحہ: بخلاف سلامہ او قیامہ لثالثۃ قبل تمام المؤتم التشہد فانہ لا یتابعہ بل یتمہ لوجوبہ ولو لم یتم جاز ولو سلم والمؤتم فی ادعیۃ التشہد تابعہ لانہا سنۃ (قولہ فانہ لا یتابعہ الخ) ای ولو خاف ان تفوتہ سنۃ (قولہ فانہ لا یتابعہ الخ) ای ولو خاف ان تفوتہ الرکعۃ الثالثۃ مع الامام کما صرح بہ فی الظہیریۃ وشمل باطلاقہ ما لو اقتدی بہ فی اثناء التشہد الاول او الاخیر فحین قعد قام امامہ او سلم، ومقتضاہ انہ یتم التشہد ثم یقوم ولم ارہ صریحا، ثم رأیتہ فی الذخیرۃ ناقلا عن ابی اللیث: المختار عندی انہ یتم التشہد وان لم یفعل اجزأہ اھ وللہ الحمد (قولہ لوجوبہ) ای لوجوب التشہد کما فی الخانیۃ وغیرہا ومقتضاہ سقوط وجوب المتابعۃ کما سنذکرہ والا لم ینتج المطلوب فافہم (قولہ ولو لم یتم جاز) ای صح مع کراہۃ التحریم کما افادہ ح ونازعہ ط والرحمتی وہو مفاد ما فی شرح المنیۃ حیث قال: والحاصل ان متابعۃ الامام فی الفرائض والواجبات من غیر تاخیر واجبۃ فان عارضہا واجب لا ینبغی ان یفوتہ بل یأتی بہ ثم یتابعہ لان الاتیان بہ لا یفوت المتابعۃ بالکلیۃ وانما یوخرہا والمتابعۃ مع قطعہ تفوتہ بالکلیۃ فکان تاخیر احد الواجبین مع الاتیان بہما اولی من ترک احدہما بالکلیۃ بخلاف ما اذا عارضتہا سنۃ لان ترک السنۃ اولی من تاخیر الواجب اھ (ردالمحتار ص ۴۹۶ ج ۱)

غنیۃ المستملی ص ۴۹۱ عالمگیریہ ص ۹۰ ج ۱۔ قاضی خان علی ہامش العالمگیریۃ ص ۱۰۹ ج ۱۔ امداد الفتاوی ص ۳۲۹ ج ۱۔ احسن الفتاوی ص ۴۰۳ ج ۳ وعامۃ الفتاوی۔

اس کے ساتھ سلام نہ پھیرے اگر اسے اپنا مسبوق ہونا یاد تھا پھر بھی سلام پھیر دیا (اگرچہ جہالت کی وجہ سے پھیرا ہو) تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ ہاں بھول کر سلام پھیرا تو نماز ہو جائے گی۔ پہلی صورت میں (یعنی جب امام نے سجدہ سہو کے لئے سلام پھیرا تھا) بلا سجدہ سہو نماز ہو جائے گی اور دوسری صورت میں جب امام نے نماز ختم کرنے کے لئے سلام پھیرا تھا اسے آخر میں سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔

(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۵۳۔ امداد الاحکام ص ۵۴۴ ج ۱)

(۴۶) امام اگر قعدۂ اخیرہ کے بعد سہواً کھڑا ہو گیا تو مسبوق اس کا اتباع نہ کرے بلکہ خاموش بیٹھا انتظار کرے۔ اگر امام لوٹ آئے تو مسبوق اس کے ساتھ سجدہ سہو کرے اور اس کے سلام کے بعد اٹھ کر اپنی بقیہ نماز پوری کرے۔ اگر امام نہ لوٹے اور پانچویں رکعت کا سجدہ کرلے تو مسبوق اٹھ کر اپنی نماز پوری کرے۔ اگر امام قعدہ اخیرہ کئے بغیر کھڑا ہو گیا تب بھی مسبوق انتظار کرے۔ اگر پانچویں رکعت کے سجدہ سے پہلے لوٹ آئے تو حسب سابق مسبوق اس کے ساتھ سجدہ سہو کرے اور سلام کے بعد اٹھ کر بقیہ نماز ادا کرے۔ لیکن امام نے پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو امام کی نماز نفل ہو گئی۔ اگر مسبوق نے بھی اس کا اتباع کیا تو اس کی نماز نفل ہو جائے گی۔ اور امام کو چھوڑ کر اپنی بقیہ نماز شروع کر دی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ بہرکیف! اسے اب نئے سرے سے نماز پڑھنا ہو گی۔ اگر مسبوق بیٹھ کر انتظار کرنے کے بجائے امام کے ساتھ کھڑا ہو گیا تو پہلی صورت میں (جبکہ امام قعدہ کرنے کے بعد اٹھ گیا تھا) کھڑے ہوتے ہی مسبوق کی نماز فاسد ہو گئی۔ اور دوسری صورت میں (جبکہ امام قعدہ کئے بغیر اٹھ گیا تھا) اگر پانچویں رکعت کے سجدہ سے پہلے امام کے ساتھ لوٹ آیا تو دونوں کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ ورنہ پانچویں رکعت کا سجدہ کرتے ہی دونوں کی نماز نفل ہو جائے گی۔ کما مر

(البحر الرائق ص ۱۰۰ ج ۲ رد المحتار ص ۸۲ ج ۲ وغیرھا)

(۴۷) مسبوق یعنی جو بعد میں آکر امام کے ساتھ شریک ہوا اور اس کی نماز کا کچھ حصہ جماعت سے رہ گیا اپنی بقیہ رکعتیں کس طرح ادا کرے؟ اس مسئلہ سے بہت سے نمازی ناواقف ہیں اس کا مختصر حکم یہ ہے کہ بقیہ نماز قراءت کے حق میں ابتداء سے اور تشہد کے حق میں آخر سے ادا کرے۔ مثلاً کوئی شخص ظہر کی چوتھی رکعت میں آکر شامل ہوا تو بقیہ تین رکعت اس طرح ادا کرے کہ پہلی رکعت ثناء، تعوذ، تسمیہ اور فاتحہ وسورت کے ساتھ پوری کر کے قعدہ بیٹھے اور دوسری رکعت میں فاتحہ وسورت اور تیسری میں فقط فاتحہ پڑھ کر قعدہ اخیرہ بیٹھے۔ غرض قراءت منفرد کی مانند کرے۔ اگر ان بقیہ رکعات میں کوئی غلطی موجب سہو صادر ہو تو سجدہ سہو بھی واجب ہوگا۔ (عامۃ الکتب)

(۴۸) لاحق وہ مقتدی ہے جو شروع نماز سے امام کے ساتھ شریک ہو مگر درمیان یا آخر سے اس کی کچھ رکعتیں رہ گئی ہوں۔ مثلاً نماز میں سو گیا اور رکعت نکل گئی۔ یا جماعت میں کثرت ہجوم کی بنا پر رکوع سجدہ سے رہ گیا۔ یا کسی رکعت کا رکوع سجدہ امام سے پہلے کر لیا۔ لاحق کا حکم یہ ہے کہ پہلے وہ اپنی گئی ہوئی رکعات ادا کرے بعد ازاں بقیہ نماز ادا کرے اس میں اگر امام کو پالے تو ٹھیک۔ ورنہ اکیلے ہی نماز پوری کر لے۔ ان تمام رکعات میں آخر نماز تک وہ حکماً مقتدی ہی شمار ہوگا۔ یعنی قراءت نہ کرے گا۔ کوئی چیز موجب سہو صادر ہو گئی تو سجدہ سہو نہ کرے گا۔ اور یہ فوت شدہ رکعات پورے سنن و آداب کے ساتھ ادا کرے۔ قیام، رکوع سجود غرض ہر عمل امام کی رفتار سے اطمینان کے ساتھ ادا کرے۔ امام کو پہنچنے کی حرص میں جلد بازی نہ کرے (فتاویٰ عالمگیریہ ص ۹۲ ج ا و عامۃ الکتب)۔

(۴۹) بعض ائمہ رکوع کی تکبیر رکوع میں جھکنے کے بعد کہتے ہیں۔ اسی طرح سجدہ کی تکبیر بھی سجدہ کے قریب پہنچ کر یا سجدہ میں جا کر کہتے ہیں اور بعض دوسرے حضرات اس کے برعکس تکبیر پہلے ہی ختم کر لیتے ہیں پھر رکوع سجدہ بعد میں کرتے ہیں۔ قومہ جلسہ وغیرہ میں بھی یہ دونوں قسم کی غلطیاں کی جاتی ہیں حالانکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ جس رکن کے لئے تکبیر کہی جائے

اس رکن کی طرف انتقال اور تکبیر کی ابتداء و انتہا دونوں بیک وقت ہو۔ تمام تکبیراتِ انتقال میں اس کی رعایت کی جائے۔ (رد المحتار ص ۴۹۳ ص ۴۹۷، ج۱)

(۵۰) لفظِ اللہ میں مذہبیں صرف ایک الف کھینچنے کا حکم ہے۔ بعض ائمہ مساجد تکبیر تحریمہ میں لفظ اللہ کو بہت کھینچتے ہیں اس دوران مقتدی اپنی تکبیر تحریمہ امام سے پہلے ختم کر چکے ہوتے ہیں۔ ان مقتدیوں کی نماز نہیں ہوتی، نہ اقتداءً نہ ہی انفراداً[1]۔ اس کا وبال غلط خواں ائمہ کے سر ہوگا۔ اسی طرح بعض ائمہ سلام کو بھی بہت طول دیتے ہیں اور مقتدی پہلا سلام (لفظ اَلسَّلَامُ) ان سے پہلے ختم کر دیتے ہیں۔ جس سے ان کی نماز مکروہ ہوتی ہے۔ بہت سے مؤذن حضرات بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں اور اذان کے کلمات کو بہت طول دیدیتے ہیں البتہ جہاں لفظ اللہ پر وقف کیا جائے وہاں مدِ منفصل (یعنی تین الف کی مقدار کھینچنا) درست ہے۔ جیسے شہادتین کے آخر میں

(۵۱) فاسق آدمی (جو کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو یا صغیرہ پر اصرار کرے) کی اذان اقامت اور امامت مکروہ ہے۔ اس کی اذان کا اعادہ مستحب ہے، (عامۃ الکتب) اس کی اقتداء میں نماز مکروہ تحریمی ہے۔ اسے باختیارِ خود امام بنانا جائز نہیں اگر جبراً امام بن گیا یا مسجد کی منتظمہ کمیٹی نے اسے امام مقرر کر دیا اور عام نمازیوں کو اسے ہٹانے کی قدرت نہ ہو تو قریب کی کسی دوسری مسجد میں جا کر صالح امام کی اقتداء میں نماز ادا کریں۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو جماعت نہ چھوڑیں۔ فاسق کی اقتداء ہی میں نماز ادا کرتے

---

[1] فلو قال اللہ مع الامام واکبر قبلہ او ادرک الامام راکعًا فقال اللہ قائمًا واکبر راکعًا لم یصح فی الاصح کما لو فرغ من اللہ قبل الامام (قولہ فی الاصح) ای بناء علی ظاہر الروایۃ، وافاد انہ کما لا یصح اقتداءہ لا یصیر شارعًا فی صلاۃ نفسہ ایضًا وہو الاصح کما فی النہر عن السراج (قولہ قبل الامام) ای قبل شروعہ (رد المحتار ص۴۸۰ ج۱)

رہیں اس کا وبال منتظمین کے سر ہوگا۔ یہ حکم فرض نمازوں کا تھا۔ تراویح اس کی اقتداء میں کسی صورت جائز نہیں صالح حافظ میسر نہ ہو تو تراویح چھوٹی سورتوں سے پڑھی جائیں۔

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۸۹-ص ۲۹۲ ص ۲۹۶ - امداد الفتاویٰ ص ۲۷۰ ج ۱

عزیز الفتاویٰ ص ۱۹۴ - امداد المفتین ص ۳۲ - احسن الفتاویٰ ص ۲۰۰ -

ص ۱۸ ج ۳ وغیرھا)

داڑھی منڈانا یا مٹھی سے کم کرنا۔ انگریزی بال رکھنا۔ لنگی پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا بلا ضرورت دوسروں کے سامنے ستر کھولنا یا دوسرے کا ستر دیکھنا (جیسا کہ آجکل کے کھیلوں میں عام رواج ہے)۔ تصویر رکھنا، بنانا، بنوانا، ٹی وی دیکھنا، ناجائز عملیات کا استعمال۔ گانا، بجانا۔ ناجائز ذرائع معاش اختیار کرنا (جیسے بینک، انشورنس وغیرہ کی ملازمت) شرعی پردہ کا اہتمام نہ کرنا۔ سیاہ خضاب لگانا ایسے گناہ ہیں جن پر احادیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔ جو لوگ ان گناہوں میں مبتلا ہیں انہیں مؤذن، مکبر، امام مقرر کرنا جائز نہیں

(۵۲) بدعتی امام کا وہی حکم ہے جو فاسق کا گزرا۔ یعنی مجبوری کے درجے میں فرض اس کی اقتداء میں جائز ہے۔ مگر یہ حکم اس امام کا ہے جس کے عقائد صحیح ہوں اور عمل کی حد تک بدعتی ہو۔ آجکل اہل بدعت کے عقائد حد شرک تک پہنچے ہوئے ہیں اس لئے ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ (کذا فی احسن الفتاویٰ ص ۲۹۰ ج ۳) چونکہ اس مسئلہ میں ابتلاء عام ہے اس لئے اس کا آسان حل لکھا جاتا ہے وہ یہ کہ جہاں اس قسم کے امام سے واسطہ پڑے اور الگ ہو کر انفرادی نماز پڑھنے میں فتنہ کا اندیشہ ہو وہاں صورۃً بدعتی امام کی اقتداء اختیار کرلی جائے اور دل میں اپنی انفرادی نماز کی نیت کی جائے۔ ثناء کے بعد تعوذ تسمیہ پھر قراءت کی جاتے۔ غرض ظاہر کی حد تک رکوع سجدہ میں امام کے پیچھے پیچھے چلتا رہے مگر نماز اپنی ہی پڑھتا رہے۔ دوسرے فقہی مذاہب کے پیرو (مالکیہ شافعیہ، حنابلہ ائمہ کی اقتداء میں نماز بلا کراہت جائز ہے الا یہ کہ مقتدی کو یقین ہو جاتے کہ طہارت یا نماز

میں کوئی نماز کو فاسد کرنے والی پائی گئی ہے۔ یہی تفصیل غیر مقلد امام کی اقتداء کے بارے میں ہے بشرطیکہ وہ ائمہ مجتہدین کا احترام کرتا ہو اور تقلید شخصی کو گناہ نہ سمجھتا ہو، لیکن افسوس اس قسم کے اعتدال پسند لوگ اس جماعت میں خال خال ہی ملتے ہیں اس لئے ان کی اقتداء سے احتراز ہی بہتر ہے۔ شیعہ امام کی اقتداء میں نماز قطعاً نہیں ہوتی۔

قرارت

(۵۳) ہر فرض نماز کی دو رکعتوں میں کم از کم تین مختصر آیات یا ایک بڑی آیت (جس کی مقدار تیس حروف بنتی ہے) کی قرارت فرض ہے۔ باقی رہی قرارت کے لئے پہلی ہی دو رکعتوں کی تخصیص۔ نیز فاتحہ اور اس کے ساتھ سورت ملانے کی تعیین تو یہ چیزیں واجب ہیں۔ فرائض کی آخری دو رکعتوں اور مغرب کی تیسری رکعت میں قرارت ضروری نہیں صرف تین تسبیح (سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم یا سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی) کی مقدار قیام فرض ہے اور اس دوران سورۃ فاتحہ کا پڑھنا مستحب ہے۔ اگر فاتحہ کے ساتھ بھول کر سورت بھی ملادی تو سجدۂ سہو واجب نہیں[۱] یہ تفصیل امام اور منفرد نمازی کے لئے تھی۔ مقتدی پر قرارت نہیں۔ وہ صرف پہلی رکعت میں ثناء پڑھ کر خاموش ہو جائے بلکہ جہری نماز میں امام نے قرارت شروع کر دی تو ثناء بھی نہ پڑھے وتر، سنت اور نفل نمازوں کی تمام رکعات میں قرارت فرض ہے۔

(ہدایہ ص ۱۱۸، ص ۱۴۷ ج ۱ وعامۃ الکتب)

---

[۱] ولو کرر الفاتحۃ فی الاخریین لا سہو وفی الاولیین متوالیا علیہ السہو لان فصل بینہما بالسورۃ للزوم تاخیر الواجب وھو السورۃ فی الاول لا الثانی اذ لیس الرکوع واجبًا بأثر السورۃ فانہ لو جمع بین سور بعد الفاتحۃ لم یمتنع ولا یجب علیہ شیء بفعل مثل ذلک فی الاخریین لانہما محل القراءۃ مطلقًا واصلہ ان القراءۃ لیست واجبۃ فیہما فلا تتقدر بقدر یجب بعدہ الرکوع بل یسن ذلک۔
(فتح القدیر ص ۳۵۹ ج ۱۔ غنیۃ المستملی ص ۳۲۲)

(۵۴) آجکل ائمہ حضرات نمازوں میں کسی سورت کے درمیان سے کوئی رکوع یا چند آیات پڑھتے ہیں۔ اس میں ایک قباحت تو یہ ہے کہ نمازوں میں مفصل سورتیں پڑھنے کی سنت تقریباً مردہ ہو کر رہ گئی ہے۔ حالانکہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ اگر کوئی عذر نہ ہو تو بحالتِ اقامت نمازِ فجر و ظہر میں طوالِ مفصل (حجرات سے بروج تک) عصر و عشاء میں اوساطِ مفصّل (بروج سے لم یکن) اور نماز مغرب میں قصارِ مفصّل (لم یکن سے آخر تک کی سورتیں) دوسرے سورتوں کا اگر کوئی جزء پڑھا جائے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر ایک ہی سورت کے آخر سے دو رکعتوں میں قراءت کی تو بلاکراہت جائز ہے۔ باقی تمام مروجہ صورتیں مثلاً دونوں رکعتوں میں کسی سورت کا صرف شروع کا حصہ پڑھنا یا وسط سورت سے پڑھنا یا ایک رکعت میں ایک سورت کا آخر اور دوسری رکعت میں دوسری سورت کا آخر پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ بالخصوص اس کی عادت بنا لینا تو اور زیادہ مکروہ ہے۔ ائمہ کو یہ طرزِ عمل چھوڑ کر مسنون طریقہ سے قرارت کرنا چاہئے۔ جہری اور سری نمازوں میں اس کا یکساں اہتمام کرنا چاہئے۔

(رد المحتار ص ۵۴۰ ج ۱۔ ص ۵۴۶ ج ۱ وعامۃ الکتب)

(۵۵) نماز میں عمداً خلافِ ترتیب قرات کرنا مکروہ ہے سہواً ایسا کرنے میں کراہت بھی نہیں اور اس پر سجدہ سہو بھی نہیں آتا (فتاوٰی عالمگیریہ ص ۱۲۶ ج ۱) یہ حکم فرض نماز میں ہے نفل میں اگر ایک رکعت میں کہیں ایک جگہ سے قرآن مجید پڑھا اور دوسری رکعت میں اس سے اوپر پڑھا تو کراہت نہیں۔ ہاں ایک ہی رکعت میں ایسا کرنا مکروہ ہے۔ فرض نماز میں بھی اگر دوسری رکعت میں خلافِ ترتیب اوپر کی سورت شروع کر دی یا وہی سورت دوبارہ شروع کر دی تو اب اسے چھوڑنا جائز نہیں گو کہ ایک ہی کلمہ پڑھا ہو (رد المختار ص ۵۴۶ ج ۱ وغیرہ)

(۵۶) تجوید کی اتنی تعلیم حاصل کرنا فرض ہے جس سے حروف متشابہ ظاء، ضاد

ذال، زا وغیرہ میں فرق کرسکے۔ تجوید کے دوسرے قواعد اخفاء واظہار وغیرہ کا سیکھنا مستحب ہے۔

قراءت میں اعراب کی غلطی نماز کے لئے مفسد نہیں خواہ معنی میں کیسا ہی تغیر پیدا ہو۔ یہی حکم حروف متشابہ کو ایک دوسرے سے تبدیل کرنے کا ہے۔ یہ مسئلہ نماز کی صحت کے متعلق ہے ورنہ تجوید سے غفلت وبے اعتنائی برت کر قرآن مجید غلط پڑھنا سخت گناہ ہے، حتی الامکان ایسے غلط خواں کو امام نہ بنایا جائے۔ اور حروفِ غیر متشابہ کی تبدیلی سے اگر معنی میں تغیر فاحش پیدا ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی ورنہ نہیں۔ باقی مختلف قرآنی کلمات، جملے یا آیات ایک دوسرے سے تبدیل کرنے میں اگر تغیر فاحش پیدا ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ الّا یہ کہ دونوں میں وقف کردے، وقف تام (یعنی صحیح پڑھ کر خاموش ہو، پھر غلط پڑھے)

غلطی کرنے کے بعد اگر درست کرلی تو نماز صحیح ہو جائے گی، ان مسائل کی مزید تفصیل فتاویٰ قاضی خان برحاشیہ عالمگیریہ ص ۱۳۹ ج ۱۔ اور امداد الفتاویٰ ص ۱۶۰ ج ۱ وغیرہ میں دیکھی جائے۔

(۵۷) نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس میں یہ شرط ہے کہ الفاظ زبان سے صحیح ادا کئے جائیں بعض لوگ جو ہونٹ ہلائے بغیر خاموش کھڑے رہتے ہیں ان کی نماز صحیح نہیں ہوتی خواہ دل میں وہ پڑھتے ہی رہیں۔ اس کے برعکس بعض وہم کے مریض سری نماز میں بھی اتنی آواز سے پڑھتے ہیں کہ پاس والا نمازی بھی بہ آسانی سنتا رہتا ہے یوں بلاوجہ اپنی نماز خراب کرتے ہیں (ایک قول کے مطابق ان کی نماز واجب الاعادہ ہے) قراءت کے لئے بس صحیح تلفظ کافی ہے۔

(کذا فی احسن الفتاویٰ ص ۵، ج ۳ وعامۃ الکتب)

(۵۸) اگر کوئی شخص بھولے سے سورت چھوڑ کر رکوع میں چلا گیا پھر رکوع یا قومہ

کے دوران یاد آگیا تو اس پر واجب ہے کہ قیام کی طرف لوٹ آئے اور سورت پڑھ کر دوبارہ رکوع کرے پھر آخر میں سجدہ سہو بھی کرے۔ یاد آنے کے باوجود لوٹ کر سورت نہ پڑھی تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ اس کے برعکس وتر پڑھتے ہوئے قنوت بھول گیا اور رکوع میں چلا گیا تو اب قنوت کی خاطر رکوع چھوڑنا جائز نہیں صرف آخر میں سجدہ سہو کر لینا کافی ہے۔ اگر جہالت کی بناء پر قنوت کے لئے بھی لوٹ آیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ مگر اس صورت میں دوبارہ رکوع نہ کرے قنوت پڑھ کر سجدہ میں چلا جائے اور آخر میں سجدہ سہو کر لے۔
(فتاویٰ عالمگیریہ ص ۱۲۶ ج ۱۔ رد المحتار ص ۸۰ ج ۲)

سجدۂ سہو و سجدۂ تلاوت

(۵۹) کسی نماز میں سجدہ سہو اس وقت واجب ہوتا ہے جب اس میں بھولے سے کوئی ایک یا ایک سے زائد واجب چھوٹ جائیں۔ مثلاً فاتحہ، سورت، قعدہ اولیٰ، تشہد، دعاء قنوت یا تعدیلِ ارکان وغیرہ۔ کسی فرض یا سنت کے چھوٹنے پر سجدہ سہو کرنا بے معنی ہے۔ (عامۃ الکتب) کئی لوگ نماز میں ہر قسم کی چھوٹی بڑی غلطی کرنے پر سجدۂ سہو کر لیتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ جہالت و ناواقفیت کو سہو سمجھ کر سجدہ سہو کر لیتے ہیں۔ حالانکہ مسئلہ سے جہالت کی بناء پر واجب چھوڑ دینے سے نماز کا اعادہ واجب ہوتا ہے، نہ کہ سجدۂ سہو۔
لان الجھل عمد۔

(۶۰) نماز میں واجب چھوٹ گیا مگر سجدۂ سہو کئے بغیر بھول کر دونوں طرف سلام پھیر دیا تب بھی یاد آتے ہی فوری سجدہ کرلے پھر حسب قاعدہ قعدہ کر کے سلام پھیرے۔ سہواً سلام پھیرنے کے بعد آیۃ الکرسی پڑھ لی یا کسی دوسرے ذکر و دعاء میں لگ گیا

بلکہ مسجد میں بیٹھے ہوئے سینہ قبلہ سے پھیر دیا تب بھی یاد آتے ہی سجدہ سہو کرے۔ ہاں اگر سلام پھیر کر کوئی ایسا عمل کر لیا جو نماز کے منافی ہے۔ مثلاً بات کر لی یا آواز سے ہنس پڑا یا وضو توڑ دیا یا مسجد سے نکل گیا تو اب سجدہ سہو کا موقع نہ رہا۔ اب نماز کا اعادہ واجب ہے۔

(شرح العنایہ علی فتح القدیر ص۳۶۸ ج ۱۔ رد المحتار ص۹۱ ج ۲)

(۶۱) قعدۂ اولیٰ چھوڑ کر سہواً کھڑا ہو گیا تو اب یاد آنے پر پھر سے قعود کی طرف لوٹنا جائز نہیں آخر میں سجدہ سہو سے نماز ہو جائے گی۔ تاہم کوئی ناواقف پھر لوٹ آیا تو اسے چاہیئے کہ قعدہ چھوڑ کر اٹھ جائے اور آخر میں سجدہ سہو کرے۔ اگر تشہد پڑھ کر اٹھا تب بھی نماز ہو جائے گی اور سجدۂ سہو اس صورت میں بھی واجب ہے۔

(غنیۃ المستملی ص ۴۳۲۔ البحر الرائق ص ۱۰۱ ج ۲۔ رد المحتار ص ۸۴ ج ۲)

(۶۲) امام اگر سرّی نماز میں بھول کر فرض قراءت کی مقدار (جو تیس حروف بنتے ہیں) آواز سے پڑھ گیا یا جہری نماز میں اتنی ہی مقدار آہستگی سے پڑھی تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہے واضح رہے کہ سورۂ فاتحہ میں الرحمٰن کی نون تک (بشمول حروف محذوفہ) انتیس حروف بنتے ہیں۔ اس سے ایک حرف بھی بڑھ گیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔ بعض ائمہ جب یہ غلطی کرتے ہیں تو احساس ہونے پر سورۂ فاتحہ شروع سے دوبارہ پڑھنا شروع کر دیتے ہیں ایسا کرنا مکروہ ہے۔ سجدۂ سہو جو واجب ہو گیا وہ دوبارہ فاتحہ شروع کرنے سے ساقط نہ ہوگا۔ یہ مسئلہ امام کے لئے تھا۔ منفرد کو جہری نماز میں تو اختیار ہوتا ہے چاہے جہراً پڑھے چاہے سرّاً۔ اور سرّی نماز میں اسے جہر کرنا جائز نہیں تاہم اگر مذکورہ بالا مقدار میں بھولے سے قراءت جہراً کر گیا تو سجدہ سہو اس پر واجب نہیں قصداً ایسا کرے تو نماز میں کراہت آئے گی۔ یہ حکم اس کے فرائض و نوافل میں یکساں ہے۔

(غنیۃ المستملی ص ۴۵۷۔ الدر المختار مع رد المحتار ص ۸۱ ج ۲)

(۶۳) مقتدی نے سہواً نماز کا کوئی واجب ترک کر دیا تو اس پر سجدہ سہو نہیں، نہ ہی

نماز کا اعادہ واجب ہے۔ (عامۃ الکتب) یہی حکم اس کے عمداً واجب ترک کرنے کا ہے مگر اس صورت میں بر بنائے احتیاط نماز لوٹا لے تو بہتر ہے۔
(احسن الفتاویٰ ص ۱۹۱ ج ۴)

(۶۴) جس نے آیت سجدہ خود پڑھی یا کسی سے سُنی تو سجدہ اس پر واجب ہو گیا، خواہ باوضو ہو یا بے وضو بلکہ جنبی البتہ کافر، نابالغ، بچے اور حیض و نفاس والی عورت پر سجدہ تلاوت نہیں خواہ خود پڑھیں، خواہ کسی سے سُنیں، اور نائم (نیند میں پڑھنے والے) پر بھی سجدہ نہیں ہاں! ان سے سُننے والوں پر سجدہ واجب ہے۔ بلکہ مجنون اور بیہوشی کی حالت میں پڑھنے والے کی تلاوت سُننے پر بھی سجدہ واجب ہے (گو کہ مجنون کے حکم میں اختلاف ہے مگر احتیاط سجدہ کرنے میں ہے) البتہ کوئی شخص رواں پڑھنے کی بجائے، الگ الگ حروف پڑھ رہا ہے یا صرف ہجے کر رہا ہے تو یہ تلاوت کا حکم نہیں رکھتا۔ مقتدی نے اگر تلاوت کی اور آیتِ سجدہ پڑھی تو نہ اُس پر سجدہ واجب ہوگا، نہ شرکاءِ نماز میں سے سامعین پر۔ ہاں! جو اس نماز میں شریک نہیں (خواہ اپنی نماز میں ہے خواہ نماز سے باہر) وہ اگر اس مقتدی کی آواز سُن لے تو اس پر سجدہ واجب ہوگا ٹیپ ریکارڈر سے آیتِ سجدہ سننے پر سجدہ نہیں۔ اور ریڈیو، ٹی وی کی تلاوت بھی اگر ٹیپ شدہ ہو تو سجدہ واجب نہیں۔ ہاں! براہِ راست قاری کی آواز نشر ہو رہی ہو تو سجدہ واجب ہوگا اگر معلوم نہ ہو کہ یہ آواز براہِ راست ہے یا ٹیپ شدہ تو احتیاطاً سجدہ کر لیا جائے۔ یہ الگ بات ہے کہ ٹی وی ایسے آلہ لہو و معصیت پر تلاوت کرنا یا تلاوت سُننا ناجائز اور قرآن مجید کی بے حرمتی ہے۔ (فتح القدیر ص ۳۸۴ ج ۱۔ البحر الرائق ص ۱۲۰ ج ۲)

(۶۵) اگر ایک آیت ایک ہی مجلس میں بار بار پڑھی یا سُنی۔ یا پڑھی بھی، سنی بھی (خواہ ایک آدمی سے سُنی خواہ متعدد لوگوں سے) تو ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔ متعدد سجدے اس صورت میں واجب ہوتے ہیں کہ سبب متعدّد ہوں۔ یعنی مختلف آیاتِ سجدہ پڑھی جائیں۔ یا

آیت تو ایک ہو مگر تلاوت کی مجلسیں تبدیل ہوتی رہیں۔ سامع یا قاری میں سے جس کی جگہ تبدیل ہوگی اس پر متعدد سجدے واجب ہوں گے۔ مثلاً پڑھنے والا ایک جگہ بیٹھا آیتِ تلاوت کو بار بار دُہرا رہا ہے مگر سامع گھوم پھر رہا ہے تو پڑھنے والے پر ایک سجدہ اور سامع پر متعدد سجدے آئیں گے۔ اس کے برعکس سامع پر ایک اور پڑھنے والے پر متعدد سجدے آئیں گے۔ (ہدایہ ص ۱۶۵ ج ۱ وعامۃ الکتب)

سواری پر آیتِ سجدہ کے تکرار میں یہ تفصیل ہے کہ خشکی کی سواری (خواہ جاندار ہو یا بے جان) پر نماز کے اندر اگر ایک ہی آیت بار بار پڑھی جائے تو ایک ہی سجدہ واجب ہے اور نماز سے باہر جتنی بار آیت پڑھی جائے اتنے ہی سجدے واجب ہوں گے۔ اور کشتی میں آیتِ سجدہ دہرانے سے بہرصورت ایک ہی سجدہ واجب ہے خواہ نماز میں اسے دُہرائے یا نماز سے باہر، بظاہر بحری جہاز اور ہوائی جہاز کا حکم بھی کشتی کی طرح ہے، تاہم ان میں (نماز سے باہر آیت کے تکرار کی صورت میں) تکرارِ سجدہ تقاضائے احتیاط ہے۔

(احسن الفتاویٰ ص ۶۷ ج ۴ - رد المحتار ص ۱۱۹ ج ۲)

(۶۶) جیسے آیتِ سجدہ پڑھنے سننے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے ایسے ہی اس کا ترجمہ (خواہ کسی زبان میں ہو) پڑھنے سننے سے بھی سجدہ واجب ہو جاتا ہے بشرطیکہ لفظ بہ لفظ ترجمہ کیا جائے۔ صرف تفسیر پڑھنے سننے سے کچھ واجب نہیں ہوتا۔

(فتاویٰ عالمگیریہ ص ۱۳۳ ج ۱ - رد المحتار ص ۱۰۵ ج ۲)

البتہ قرآن مجید یا ترجمہ پڑھے بغیر صرف لکھنے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا (البحر الرائق ص ۱۱۸ ج ۲)

(۶۷) نماز میں آیتِ سجدہ پڑھنے کے بعد فوری سجدہ میں چلا جانا چاہئے۔ ہاں! اگر بعد والی آیت کا بھی آیتِ سجدہ سے تعلق ہو تو دونوں آیتوں کے بعد سجدہ کیا جائے۔ غرض قرآن مجید میں جس جس جگہ سجدہ کا نشان لکھا ہے وہاں پہنچ کر بلا تاخیر سجدہ کر لینا چاہئے۔ اگر

قصداً تین آیات مزید پڑھ گیا تو گنہگار رہوگا۔ ہاں آیتِ سجدہ کسی سورت کے آخر میں ہے تو ختمِ سورت تک تاخیر کی گنجائش ہے۔ اور اگر سہواً وسطِ سورت میں سجدہ مؤخر کردیا یعنی تین آیات مزید پڑھ گیا تو یاد آنے پر سجدۂ تلاوت کرے اور آخر میں سجدۂ سہو بھی۔ اگر سجدۂ تلاوت بالکل بھول گیا حتیٰ کہ نماز سے سلام پھیر دیا اب بھی یاد آنے پر فوری سجدۂ تلاوت کرے پھر تشہد پڑھ کر سجدۂ سہو کرے۔ بعد ازاں تشہد پڑھ کر قاعدے کے مطابق نماز پوری کرے۔ اور جان بوجھ کر چھوڑ دیا تو سخت گنہگار رہوا، اب سوائے توبہ استغفار کے اس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں۔ (رد المحتار ص ۱۰۹ ج ۲ وغیرہ)

(۶۸) فرض نماز کے متصل بعد ہر قسم کا سجدہ خواہ وہ سجدۂ تلاوت ہو خواہ سجدہ دعاء یا سجدۂ شکر مکروہ ہے۔ سلام پھیرنے کے بعد جب تک نمازی اسی جگہ نماز کی ہیئت پر بیٹھا ہے یہی حکم ہے۔ نماز کے بعد کوئی شخص سجدہ کرنا چاہے تو ان شرطوں سے کرسکتا ہے: خلوت میں ہو اور عام لوگ نہ دیکھتے ہوں۔ گاہ بگاہ کرے مستقل عادت نہ بنائے۔ اسے سنت یا مستحب نہ جانے نہ ہی دوسرے اوقات کی بنسبت اس میں زیادہ فضیلت سمجھے۔ سجدۂ دعاء میں لوگ عموماً ہتھیلیاں اوپر رکھتے ہیں۔ یہ بے اصل ہے۔ سجدہ نماز کی طرح یہاں بھی، ہتھیلیاں زمین کی طرف رکھنی چاہئیں۔

(غنیۃ المستملی ص ۲، ۵۔ رد المحتار ص ۱۲۰ ج ۲ - احسن الفتاویٰ ص۲۶-۲۷ ج ۳)

سُنن ونوافل

(۶۹) نماز سے پہلے سنت شروع کرنے والے حضرات کو وقت دیکھ لینا چاہئے۔ اگر جماعت قریب ہو تو صفوں سے ہٹ کر سنت شروع کریں۔ بلکہ جماعت کی پہلی رکعت نکل جانے کا اندیشہ ہو تو سنت شروع ہی نہ کریں۔ اگر سنت پڑھتے ہوئے جماعت کھڑی ہوگئی تو مختصر دوگانہ پورا کرکے جماعت میں شامل ہوجائیں۔ ہاں! اگر تیسری رکعت کے لئے کھڑے

ہو چکے ہوں تو چار رکعت پوری کرلیں۔ جمعہ کی سنتوں کے دوران خطبہ شروع ہو جائے تو ان میں بھی یہی تفصیل ہے پھر ظہر یا جمعہ کی سنتیں شروع کرنے کے بعد دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو یہ دوگانہ نفل ہو گیا۔ لہٰذا فرض پڑھنے کے بعد چار رکعت سنت مؤکدہ دوبارہ پڑھیں (کہ جب تک نماز کا وقت باقی ہے یہ سنّت مؤکدہ ہی ہیں) اگر کسی نے بے احتیاطی میں صفوں میں کھڑے سنت شروع کر دی اور جماعت کھڑی ہو گئی تو صف پر کرنے کے لئے اس کے آگے سے گزرنا جائز ہے۔ سنتِ فجر میں لوگ عموماً ایسی بے احتیاطی کرتے ہیں حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ نماز شروع ہونے کے بعد یہ سنت مسجد سے باہر یا کسی آڑ (ستون وغیرہ) کے پیچھے پڑھی جائیں ایسا ممکن نہ ہو تو چھوڑ دی جائیں۔ حتی الامکان انہیں قضا نہ کیا جائے۔ جماعتِ فجر کی دوسری رکعت بلکہ بعض علماء کے نزدیک صرف التحیات میں ملنے کی امید ہو تب بھی سنّت پڑھ کر شریکِ جماعت ہوں اور یہ حکم فقط سنّتِ فجر کا ہے بقیہ سنّتوں کا حکم اوپر لکھ دیا گیا۔ (غنیۃ المستملی ص ۴۰۴، ص ۳۷۹ - رد المحتار ص ۵۶ ج ۲)

(۷۰) یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے کہ قعدۂ اولیٰ سے کوئی بھول کر اٹھ گیا تو لوٹنا جائز نہیں یہ حکم فرض اور سنت مؤکدہ کا تھا۔ نفل نمازوں میں چونکہ ہر دوگانہ مستقل نماز ہے اور شروع کرنے پر صرف دو رکعت کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے (نیت خواہ چار رکعت کی ہو یا اس سے بھی زائد کی) اس لئے ان میں ہر دو رکعت پر قعدہ فرض ہوتا ہے۔ لہٰذا چار رکعت نفل پڑھتے ہوئے اگر قعدۂ اولیٰ بھول گیا تو لوٹنا چاہئے۔ اگر تیسری رکعت کا سجدہ کرلیا تو سلام نہ پھیرے ورنہ یہ دوگانہ فاسد ہو جائے گا اور دوبارہ ادا کرنا واجب ہوگا۔ لہٰذا ایک رکعت مزید ملا کر آخر میں سجدہ سہو کرلے۔ اس طرح چاروں رکعت صحیح ہو جائیں گی۔

(غنیۃ المستملی ص ۳۷۷ - احسن الفتاویٰ ص ۴۶۲ - ج ۳)

(۷۱) اگر تراویح میں قعدہ کرنا بھول گیا تو تیسری رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے پہلے یاد آنے پر لوٹ آئے۔ اس صورت میں سجدۂ سہو کرنے سے تراویح صحیح ہو جائے گی۔ اگر تیسری رکعت

پڑھ کر قعدہ کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی گو کہ سجدہ سہو بھی کرلے۔ اگر چار رکعت پوری کر کے قعدہ کیا تو نماز صحیح ہو جائے گی بشرطیکہ سجدہ سہو بھی کرے۔ اس صورت میں بھی دوسرا دوگانہ، تراویح اور پہلا دوگانہ نفل ہو گا۔ لہٰذا پہلا دوگانہ اور اس میں پڑھا ہوا قرآن مجید لوٹائے۔ اگر دو رکعت پر قعدہ کرنے کے بعد سہوًا کھڑا ہو گیا اور چار رکعت پوری کرلیں تو چاروں رکعت تراویح ہوں گی۔ اس صورت میں سجدۂ سہو کی بھی ضرورت نہیں۔ ہاں تیسری رکعت کی طرف کھڑے ہونے کے بعد بیٹھ گیا تو سجدۂ سہو کرنا ضروری ہو گا۔ (فتاویٰ قاضی خان برحاشیہ عالمگیری ص ۲۳۹ ج ۱۔ احسن الفتاویٰ ص ۵۱۱، ص ۵۱۲ ج ۳)

(۷۲) ہر چار رکعت تراویح کے بعد کچھ دیر بیٹھنا مستحب ہے۔ اس دوران پڑھنے کے لئے کوئی چیز متعین نہیں۔ ہر نمازی کو اختیار ہے کہ اس وقت بیٹھ کر تسبیح یا تلاوت کرے۔ وقفہ طویل ہو تو چاہے نفل پڑھے یا چاہے تو خاموش بیٹھا رہے۔ (رد المحتار ص ۴۶ ج ۲)

لوگ عموماً یہ دعا پڑھتے ہیں: سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوتِ .... یہ دعا بعض کتابوں میں درج ہے مگر کسی حدیث سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ معنی و مطلب کے لحاظ سے صحیح ہے اس لئے پڑھنے میں مضائقہ بھی نہیں۔ مگر اسے سنّت نہ سمجھا جائے۔ بعض لوگ اسے بلند آواز سے پڑھتے ہیں یہ طریقہ غلط ہے۔ نیز کئی جگہوں پر یہ مختصر سی دعا پڑھ کر فوری کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی مناسب نہیں، وقفہ اس سے کچھ زیادہ رکھنا چاہئے۔

(۷۳) تین آدمی نفل کی جماعت کریں (ایک امام، دو مقتدی) تو بلاکراہت جائز ہے چار آدمیوں کی جماعت کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔ پانچ آدمیوں کی جماعت بالاتفاق مکروہ ہے۔ اور یہ حکم رمضان ہو یا غیر رمضان سب میں یکساں ہے۔

(اعلاء السنن ص ۷۷ ج ۷، وعامۃ الکتب)

رمضان المبارک میں لوگ صلوٰۃ التسبیح اور بعض دوسرے نوافل جماعت سے ادا کرتے ہیں یہ دستور غلط ہے۔ مسنون طریقہ یہی ہے کہ تمام نوافل گھروں میں الگ

الگ پڑھے جائیں۔ شبینہ کی جماعت میں اور بھی کئی قباحتیں ہیں۔ مثلاً بلاضرورت لاؤڈ اسپیکر کھول کر پورے محلّہ کا آرام وراحت اور انفرادی عبادات و معمولات کو غارت کر دیا جاتا ہے۔ مسجد میں شور وغل، ضرورت سے درجہا بڑھ کر روشنی اور دیگر کئی خرافات کا مظاہرہ پھر جماعت بھی اس انداز سے ہوتی ہے کہ بعض لوگ نماز میں کھڑے ہوتے ہیں، بعض بیٹھے اونگھتے ہیں، بعض توباتوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور بعض ائمہ قرآن ایسی تیز رفتاری سے پڑھتے ہیں کہ سوائے یعلمون، تعلمون کے کچھ پلے نہیں پڑتا، اور دوسرے ارکان رکوع، سجدہ وغیرہ بھی اسی رفتار سے ادا کرتے ہیں۔ اس کے برعکس تنہائی کی عبادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب سنت، ریاء وسمعت سے دُور اور اقرب الی القبول ہے۔

مذکورۃ الصدر مفاسد کی بناء پر علماء نے مروجہ شبینہ کو ناجائز قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو احسن الفتاوٰی ص ۵۲۱ ج ۳، فتاوٰی محمودیہ ص ۱۰۵ ج ۹۔ اور "ماہ مبارک کا منکرِ عظیم رسم شبینہ" مفتی عبدالرؤف صاحب۔

(۴۳) ختم تراویح کی شب بہت سے منکرات کا ارتکاب کیا جاتا ہے مٹھائی کی تقسیم کا فرض وواجب کی مانند التزام، بچوں اور بڑوں کا شور وشغب، رنگ برنگی روشنیوں، مصنوعی پھولوں اور فضول قسم کی جھنڈیوں کی ایسی بہتات جس سے مسجد میں میلے کا سماں ہوتا ہے۔ ان خرافات کا ایسا اہتمام کرنے کے لئے مسجد میں بلکہ گھروں پر دستک دے دے کر چندہ کیا جاتا ہے۔ یہ بھی مشاہدہ ہے کہ ایسے مواقع پر چندہ دہندگان میں ناجائز ذرائع آمدن والے افراد (بینک و انشورنس کے ملازمین، رشوت خور، تصویر ساز وغیرہ) پیش پیش ہوتے ہیں۔ یہ ختم قرآن کی سنت حضرات صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ مجتہدین کے عہد میں بھی جاری تھی۔ مگر ان کھیل تماشوں کا وہاں دور دور تک کوئی گزر نہ تھا۔ آخر کیا وجہ ہے؟ کیا ان حضرات کو قرآن سے شغف نہ تھا؟ یا وہ دین کے عشق میں ہم سے پیچھے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان نمائشی کاموں میں رائی بھر بھی خیر وبرکت ہوتی تو اسلاف ضرور ان کا اہتمام کرتے اور ہم

سے بڑھ کر کرتے۔ اسی لئے فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان مواقع پر تو کسی قسم کے اجتماع، حتیٰ کہ مل کر اجتماعی دعاء میں بھی کلام کیا ہے[۱]

اس موقع کا ایک بڑا منکر تراویح سنانے والے حفاظ کو لینے دینے کی رسم ہے جو ملک بھر میں رائج اور سال بہ سال ترقی پذیر ہے۔ اس رسم بد کا نتیجہ ہے کہ حفاظ اپنی مساجد کو ویران چھوڑ کر دور دراز بڑے شہروں میں ہی جاکر تراویح سناتے ہیں۔ دیہی علاقوں میں بے چارے غریب دیندار نمازی قرآن سننے کے لئے حفاظ کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں مگر ڈھونڈے سے کوئی حافظ نہیں ملتا۔ گویا ختم تراویح کی یہ نیکی مہنگی ترین نیکی بن چکی ہے جس کا ثواب صرف مالدار لوگ ہی لے سکتے ہیں۔ یاد رکھئے یہ لینے دینے کی رسم شریعت کی رو سے قطعی حرام ہے۔ یہ خالص قرآن سنانے کی اجرت ہے خواہ اسے کوئی سا عنوان دیا جائے بعض حفاظ رسمی طور پر کہہ دیتے ہیں صاحب: ہم تو بے مزد و معاوضہ قرآن سناتے ہیں پھر لوگ مجبور کر کے کچھ نہ کچھ دیدیتے ہیں۔ دینے والے بھی زبانی کلامی یہی کہتے ہیں کہ ہم تو للہ فی اللہ حافظ صاحب کی خدمت کرتے ہیں۔ اگر ان کے دعووں میں صداقت ہے تو ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ جو حافظ آپ کی مسجد میں قرآن نہ سنائے اسے استحقاق کے باوجود آپ کچھ دینے کو تیار نہیں۔ دوسری طرف اگر مسجد والے حافظ صاحب کو کچھ نہ دیں یا خاطر خواہ ان کی خدمت نہ ہو تو آئندہ وہ کبھی اس مسجد کا رخ نہیں کرتے۔ آخر یہ کیسا اخلاص اور کیسی للّٰہیت ہے؟ اسی نوع کی کچھ اور رکیک تاویلیں بھی پیش کی جاتی ہیں۔ مگر انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہزار تاویلوں سے بھی ایک قطعی حرام کو حلال نہیں ثابت کیا جا سکتا۔ تمام اکابر علماء اور ارباب فتویٰ اس

---

[۱] یکرہ الدعاء عند ختم القرآن بجماعة لان ھٰذا لم ینقل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم (عالمگیریہ ص۳۱۸ ج ۵) ویکرہ الدعاء عند ختم القرآن فی رمضان او بجماعة خارجة لانہ لم ینقل عن الصحابة (فتاویٰ بزازیہ برھامش عالمگیریہ ص۳۸۰ ج ۶)

کے ناجائز ہونے پر یک زبان ہیں۔ اختصار کے پیش نظر ہم صرف چند اردو فتاویٰ کے نام گنا دیتے ہیں۔ (امداد الفتاویٰ ص ۳۱۱-ج ۱۔ فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۲۴۔ عزیز الفتاویٰ ص ۶۶۳۔ امداد المفتیین ص ۳۶۳۔ فتاویٰ مظاہر علوم ص ۱۲۲۔ج ۱ امداد الاحکام ص ۵۶۳ ج ۱۔ احسن الفتاویٰ ص ۵۱۴ ج ۳۔ فتاویٰ محمودیہ ص ۳۶۰۔ ج ۲ وغیرھا)

احکامِ سفر

(۷۵) سفر میں لوگ بہت کوتاہیاں کرتے ہیں، مثلاً اچھے خاصے دیندار آدمی بھی نماز ترک کر دیتے ہیں۔ اور جو بعض حضرات پڑھتے ہیں وہ بھی عموماً اس کیفیت سے کہ طہارت استقبالِ قبلہ اور قیام ایسے اہم فرائض کو ترک کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ریل میں بھی جب تک پانی کا حصول ممکن ہو مثلاً بیت الخلاء کے نل سے یا اسٹیشن پر اتر کر، یا کسی سے مانگ کر اگر وہ بلا قیمت نہ دے تو قیمتاً لے کر (بشرطیکہ قیمت زیادہ گراں نہ ہو) وضو کر سکتا ہو تو تیمم جائز نہیں۔ پانی ملنے کی کوئی صورت بھی نہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھنا فرض ہے۔ لیکن ریل کے تختوں یا سیٹوں پر تیمم کرنا جائز نہیں۔ ہاں! ان پر غبار ہو تو جائز ہے نماز میں قبلہ رخ ہونا جیسے عام حالات میں فرض ہے ایسے ریل، بس، کشتی وغیرہ میں بھی فرض ہے۔ اگر سمت قبلہ کا علم نہ ہو تو لوگوں سے دریافت کرے یا قبلہ نما سے سمت متعین کرے، پھر نماز کے دوران ریل وغیرہ گھوم جائے تو نمازی بھی فوراً قبلہ کی طرف گھوم جائے۔ اسی طرح نماز میں قیام ریل وغیرہ میں بھی فرض ہے۔ البتہ کھڑے ہونے میں کسی کا سر گھومتا ہو چکر آتے ہوں یا چوٹ لگنے کا اندیشہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ (عامۃ الکتب)

ایک کوتاہی اذان کا ترک کر دینا ہے۔ حالانکہ ریل میں نماز باجماعت ادا کی جائے یا بلا جماعت، بہر کیف اذان مستحب اور اقامت سنتِ مؤکدہ ہے اور ریل کے ہر ڈبہ

میں اذان واقامت مستقل کہی جائے (کذا فی احسن الفتاوی ص ۲۹۴ ج ۲)

ایک اور کوتاہی سنتوں کا ترک کردینا ہے، حالانکہ سفر اطمینان کا ہو تو سنن مؤکدہ ترک نہ کی جائیں، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر میں سنتوں کا پڑھنا ثابت ہے (اعلاء السنن ۲۸۸ ج ۷، وغیرہ) ہاں عجلت ہو تو فجر کے سوا تمام نمازوں کی سنتیں ترک کرسکتے ہیں اور بعض علماء نے مغرب کی دو سنتوں کا بھی استثناء کیا ہے۔ (البحر الرائق ص ۱۳۰۔ ج ۲ وغیرہ) بعض ناواقف سنتوں کا ناغہ کسی قیمت پر گوارا نہیں کرتے، بلکہ نفل بھی پڑھتے رہتے ہیں، خواہ ساتھ بیٹھے مسافروں کو کتنی ہی ایذاء پہنچ رہی ہو۔ یہ بھی سراسر غلو اور شریعت پر زیادتی ہے۔ کسی انسان کی ایذاء رسانی حرام ہے۔ نفل عبادت کی خاطر حرام کا ارتکاب کہاں کی دانشمندی ہے؟

(۷۶) مسافر پر قصر واجب ہے قصداً چار رکعت پڑھی تو توبہ واستغفار کے ساتھ ساتھ نماز کا اعادہ بھی واجب ہے، اگر بھولے سے چار پڑھیں تو نماز ہوگئی، بشرطیکہ قعدۂ اولیٰ کیا ہو، اور آخر میں سجدہ سہو بھی واجب ہے۔ اس صورت میں دو رکعت فرض اور دو رکعت نفل ہوں گی۔ اور قعدہ اولیٰ نہیں کیا تو چاروں نفل ہو جائیں گی۔ بھول کر کھڑے ہونے کی صورت میں تیسری رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے پہلے یاد آنے پر لوٹ آئے، ورنہ نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔ (ردالمحتار ص ۱۲۸ ج ۲، احسن الفتاوی ص ۷۷ ج ۴)

(۷۷) اگر سسرال میں کسی شخص نے مستقل رہائش اختیار کرلی تو یہ اس کا وطن قرار پائے گا، لہٰذا اس میں پوری نماز پڑھے گا خواہ دو چار دن کے لئے ہی آئے اور اپنے والدین کے ہاں جائے تو قصر کرے گا، جبکہ دونوں مقامات کے درمیان سفر کی مسافت ہو (یعنی اڑتالیس انگریزی میل جن کے سوا ستتر کلومیٹر بنتے ہیں) اور اگر مستقل

رہائش سسرال کے ہاں نہیں صرف ملنے آئے ہیں تو میاں بیوی دونوں قصر کریں گے، الّا یہ کہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرلیں۔ غرض صرف شادی بیاہ سے کوئی جگہ مستقل وطن نہیں قرار پاتی جب تک کہ اس میں مستقل سکونت اختیار کی جائے۔

(البحر الرائق ص ۱۳۶ ج ۲ - امداد الاحکام ص ۶۲ ج ۱)

(۷۸) مسافر امام کے ساتھ مقیم مقتدی آکر پہلی رکعت میں شریک ہوا تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد اٹھ کر بقیہ دو رکعت بلا قراءت خاموشی سے ادا کرے اگر امام کو دوسری رکعت میں ملا تو سلام کے بعد اٹھ کر پہلی رکعت میں ثناء تعوذ تسمیہ اور فاتحہ وسورت پڑھ کر قعدہ کرے۔ پھر دوسری رکعت میں فاتحہ وسورت اور تیسری میں صرف فاتحہ پڑھ کر نماز پوری کرے۔ ان آخری دو رکعتوں کے درمیان قعدہ نہ کرے۔ اگر تشہد میں آکر شریک ہوا تو سلام کے بعد پوری نماز منفرد بن کر ادا کرے۔ یعنی پہلی دو رکعت میں قراءت کرکے قعدہ کرے۔ اور آخری دو رکعت میں صرف فاتحہ پڑھ کر نماز پوری کرے (فتاوی مظاہر علوم معروف بہ فتاوٰی خلیلیہ ص ۱۰ ج ۱ بحوالہ بدائع الصنائع۔ فتح القدیر۔ رد المحتار وغیرہ)

(۷۹) مسافر امام اگر دو رکعت کے بعد بھولے سے کھڑا ہو گیا تو مقیم مقتدی اس کی اقتداء میں کھڑا نہ ہو۔ بلکہ بیٹھ کر انتظار کرے اگر امام تیسری رکعت کے سجدہ سے پہلے لوٹ آئے تو یہ مقتدی اس کے ساتھ سجدہ سہو کرے، اور اس کے سلام کے بعد اٹھ کر بقیہ نماز حسب قاعدہ پوری کرے۔ اگر امام نہ لوٹے تو یہ مقتدی اپنے طور پر کھڑے ہو کر نماز پوری کرلے۔ (رد المحتار ص ۵۸۱ ج ۱ ص ۱۳۰ ج ۲)

(۸۰) مسافر نے مقیم امام کے پیچھے ۴ رکعت نماز پڑھی مگر کسی سبب سے اس کی نماز فاسد ہوئی اور لوٹانا پڑی تو اب دو ہی پڑھے گا۔ (فتاوی عالمگیریہ ص ۱۴۲ ج ۱)

متفرق مسائل

(۸۱) نیت نماز کی ہو یا کسی اور عبادت کی اس کا تعلق دل سے ہے، زبان سے

کہنا کچھ ضروری نہیں۔ دل کی نیت کے ساتھ ساتھ اطمینان کے لئے کوئی زبان سے بھی مختصر الفاظ کہہ دے تو مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ جو عوام میں نماز کی لمبی چوڑی نیت مشہور ہے اس کی کچھ اصل نہیں، بلکہ اسے ضروری سمجھنا بدعت ہے۔ فرض اور واجب نماز کے لئے اتنی نیت کافی ہے کہ فلاں نماز مثلاً ظہر یا عصر یا وتر پڑھتا ہوں، سنن و نوافل میں یہ بھی ضروری نہیں۔ بس مطلق نماز کی نیت کافی ہے، البتہ سنن مؤکدہ اور تراویح میں سنت کی نیت کرلینا تقاضائے احتیاط ہے۔ اور مقتدی کے لئے اصل نماز کی نیت کے ساتھ نیتِ اقتداء بھی ضروری ہے (کہ امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں) غرض اصل چیز دل کی نیّت ہے۔ نماز شروع کرتے ہوئے اگر دل میں نیت نہ تھی یا غلطی سے دوسری نماز کا تصور کرلیا تو نماز نہ ہوگی۔ اگرچہ زبان سے صحیح الفاظ ادا کر دیئے ہوں، اس کے برعکس دل سے صحیح نیت کی مگر زبان سے الفاظ غلط نکل گئے (مثلاً ظہر کی نیت کرکے زبان سے عصر کا نام لے دیا) تو نماز بلا کراہت ادا ہو جائے گی

(ہدایہ ص ۹۶ ج ۱ وعامۃ الکتب)

(۸۲) جو عورتیں بلا کسی معقول عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھتی ہیں یا کھڑے شروع کرکے درمیان میں بیٹھ جاتی ہیں ان کی نماز نہیں ہوتی۔ فرض و واجب نمازوں میں قیام مرد و عورت پر یکساں فرض ہے اور بعض علماء کے نزدیک سنتِ فجر اور تراویح میں بھی قیام واجب ہے۔ (رد المحتار ص ۴۴۴ ج ۱ وعامۃ الکتب) عورتوں کی اس جہالت کا علاج اور ان میں صحیح مسئلہ کی اشاعت مَردوں پر فرض ہے۔ ورنہ نماز صحیح نہ ہونے کے عذاب میں یہ بھی شریک ہوں گے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۳۲ ج ۳)

(۸۳) بہت سے نمازیوں کے پاجامے لنگیاں ٹخنوں سے نیچے رہتی ہیں۔ ٹخنے ڈھانکنے پر حدیث میں عذابِ جہنم کی وعید آئی ہے (صحیح بخاری) ٹخنوں کو کھلا رکھنا یوں تو ہر حال میں واجب ہے، مگر نماز میں اس کا خاص اہتمام ضروری ہے، ورنہ نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ ایک صحابیؓ وضو کرکے نماز کے لئے ایسی حالت میں آئے کہ ان کے ٹخنے ڈھکے ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

زجراً انہیں مسجد سے واپس فرماکر وضو کا اعادہ کرایا۔ (مشکوٰۃ۔ سنن ابی داؤد)

(۸۴) عورتوں کے لئے ایسا باریک لباس جس میں بدن کی رنگت جھلکتی ہو جیسے باریک قمیص دوپٹہ وغیرہ پہننا حرام ہے۔ ایسے لباس میں نماز بھی نہیں ہوتی، اسی طرح ایسا چُست لباس پہننا جس سے مخفی اعضاء کا حجم دِکھتا ہو مرد و عورت دونوں کے لئے حرام ہے اور ایسے لباس میں نماز بھی مکروہ تحریمی ہے۔ مَردوں کے لئے باریک کپڑے کی شلوار بھی ممنوع ہے۔ جو اس قسم کا لباس پہنے ہوئے ہو اس کے مخفی اعضاء کو دیکھنا بھی حرام ہے (رد المحتار ص ۴۱۰ ج ۱ وغیرہ)

(۸۵) نماز میں قیام کے دوران پاؤں کا بالکل سیدھا اور قبلہ رُخ رکھنا سنت ہے، اکثر نمازی ایڑیوں کے درمیان فاصلہ تنگ اور پنجوں کے درمیان فاصلہ زیادہ رکھتے ہیں، یہ طریقہ سراسر خلافِ سنت ہے، ایڑیوں اور پنجوں کے درمیان فاصلہ بالکل برابر رکھنا چاہئے۔ مثلاً چار انگل کی مقدار۔ (رد المحتار ص ۴۴۴ ج ۱)

(۸۶) مرد کے لئے رکوع کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جھکنے کے بعد ہاتھوں کی انگلیاں کُشادہ کر کے گھٹنے مضبوطی سے پکڑ لے اور رکوع میں سر، سرین، پُشت تینوں برابر رہیں، حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رکوع کی یہ کیفیت بیان کی گئی ہے کہ پشت مبارک پر بالفرض پانی کا پیالہ بھی رکھ دیا جاتا تو چھلکنے نہ پاتا۔ (احمد طبرانی) اور سجدہ میں جانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ زمین کی طرف جھکتے ہوئے کمر بالکل سیدھی رہے۔ گھٹنے جب تک زمین پر نہ آئیں کمر میں خم نہ آنے پائے۔ اگر جھکتے ہوئے سجدہ کیا تو یہ دو رکوع ہو جائیں گے۔ (رد المحتار ص ۴۹۷ ج ۱) زمین پر پہلے گھٹنے، پھر دونوں ہاتھ، پھر چہرہ رکھے۔ اور اٹھتے ہوئے پہلے چہرہ، پھر ہاتھ، پھر گھٹنے اٹھائے۔ سجدہ میں عموماً لوگ کہنیاں زمین پر بچھا دیتے ہیں یا رانوں سے لگا دیتے ہیں یا پیٹ رانوں پر چپکا دیتے ہیں یہ تمام باتیں خلافِ سنت ہیں۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ کہنیاں زمین سے اوپر اور رانوں سے علحدہ

رکھی جائیں - نیز دونوں بازو کشادہ کر کے رکھے جائیں - آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کی کیفیت ایسی ہوتی تھی کہ اگر بکری کا چھوٹا بچہ چاہتا تو بازو مبارک کے درمیان سے بہ آسانی گزر سکتا (صحیح مسلم) مگر نماز باجماعت میں دوسرے نمازیوں کی رعایت ضروری ہے بازو اتنے نہ کھولے کہ پاس والے نمازی کو سجدہ میں دشواری ہو۔ سجدہ میں ناک اور پیشانی کا اکثر حصہ زمین پر رکھنا واجب ہے -

(البحر الرائق ص ۳۱۸ ج ۱، رد المحتار ص ۴۹۸ ج ۱)

(۸۷) تعدیلِ ارکان یعنی نماز کے تمام افعال کو سکون و اطمینان سے ادا کرنا اور کم از کم ایک تسبیح (سبحان ربی العظیم) کی مقدار توقف کرنا واجب ہے۔ عمداً اس کی خلاف ورزی پر نماز کا اعادہ اور سہواً خلاف ورزی پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے -

(عامۃ الکتب) احادیث میں اس کی بہت تاکید آئی ہے - رکوع سجدے میں عجلت بازی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدترین چوری سے تعبیر فرمایا۔ (احمد، ابن خزیمہ) ایک صحابی نے تعدیلِ ارکان کی رعایت کئے بغیر عجلت میں نماز ادا کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت تنبیہ کے ساتھ ساتھ ان سے تین بار نماز کا اعادہ کرایا۔ آخر ان کی درخواست پر چوتھی بار نماز ادا کرنے کا مسنون طریقہ انہیں تفصیل سے تلقین فرمایا -

(مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)

افسوس! آج ہم میں اکثر نمازی اس مؤکد ترین واجب کو یکسر ترک کر چکے ہیں - جس سے ہماری نمازیں اپنی تاثیر کھو چکی ہیں -

(۸۸) نماز میں بلاوجہ ہاتھ ہلانے کھجلانے اور حرکت کرنے کا مرض عام ہو گیا ہے، حالانکہ بلا ضرورت ایک بار ہاتھ ہلانے سے بھی نماز مکروہ تحریمی ہو جاتی ہے ضرورت کی وجہ سے ایک دو بار کھجلانا جائز ہے - اور تین بار اس طرح کھجلانا کہ درمیان میں ایک رکن کی مقدار بھی توقف نہ ہو یعنی دوبارہ کھجلانے میں اتنا فاصلہ نہ ہو جس میں تین بار

سبحان ربی الاعلیٰ یا سبحان ربی العظیم کہا جاسکے تو نماز فاسد ہوجائے گی، اگرچہ ضرورت سے ہی کھجلائے۔ ہاں! اتنے توقف سے کھجلایا تو تین بار بھی مفسد نہیں، اسی طرح اگر ہر بار ہاتھ نہیں اٹھایا بلکہ ایک ہی دفعہ ہاتھ اٹھاکر تین بار کھجلایا تب بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ (کذا فی احسن الفتاویٰ ص ۴۱۶ ج ۳ بحوالہ فتح القدیر، طحطاوی، رد المحتار)

بعض لوگ نماز میں اعضاء تو نہیں ہلاتے مگر لاپرواہی میں کھڑے کھڑے جمائی لیتے ہیں یا بلا عذر کھنکارتے ہیں جس سے بسا اوقات حروف (مثلاً اح) ظاہر ہوجاتے ہیں اس صورت میں نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حروف ظاہر نہ ہوں تب بھی مطلق آواز نکلنے سے نماز مکروہ ہوجاتی ہے (ہدایہ ص ۱۳۵ ج ۱ و عامۃ الکتب) جمائی، ڈکار وغیرہ کو حتی الامکان نماز میں روکنے کی کوشش کی جائے، اگر بے اختیار جمائی آجائے تو منہ پر بائیں ہتھیلی کی پشت رکھ دے البتہ نماز میں بحالتِ قیام ہو تو دائیں ہتھیلی کی پشت رکھے۔

(۸۹) عملِ کثیر یعنی نماز میں کوئی ایسا عمل کرنا جس سے دیکھنے والوں کو یہ یقین ہوجائے کہ یہ شخص نماز میں نہیں اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، پس دونوں ہاتھوں سے رومال پگڑی باندھنا، ازار باندھنا، اس قسم کی ٹوپی سر پر رکھنا جس میں عادۃً دونوں ہاتھ استعمال کرنے پڑتے ہوں یا اس قسم کا کوئی اور عمل نماز کو توڑ دے گا۔ مجبوری سے کوئی اس قسم کا کام کرنا پڑے تو حتی الامکان اس کے لئے حرکت کم سے کم کرے، مثلاً کرتہ، کمربند کے اوپر یا سرین میں اٹک گیا تو ایک ہاتھ کے ساتھ آہستگی سے کھینچ کر درست کرلے، تہبند کھلنے کا اندیشہ ہو تو پہلے ایک ہاتھ سے ایک جانب کس لے پھر تین تسبیح کی مقدار وقفہ کرکے دوسری جانب کس لے۔ آستینیں چڑھی ہوئی ہوں تو نماز شروع کرنے سے پہلے ہی اتار لے، اگر اسی حال میں نماز شروع کردی تو مذکورہ بالا طریقے سے دونوں ہاتھ بیک وقت ہلائے بغیر آہستگی سے آستینیں کھول دے (رد المحتار ص ۶۲۴ ج ۱۔ احسن الفتاویٰ ص ۴۲۷ ج ۳)

(۹۰) ایسے کمرے میں نماز ادا کرنا جس میں جاندار کی تصویر ہو مکروہ تحریمی ہے خواہ تصویر

نمازی کے اوپر ہو یا نیچے، دائیں ہو یا بائیں، آگے ہو یا پیچھے۔ ہاں! اگر تصویر کا سر کٹا ہوا ہو یا تصویر اتنی چھوٹی ہو کہ بحالتِ قیام نمایاں طور پر نظر بھی نہ آئے تو کراہت نہ ہوگی۔ اور یہی حکم تصویر والے کپڑے میں نماز ادا کرنے کا ہے (عامۃ الکتب) اسی طرح ٹخنے ڈھانک کر نماز ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

(احسن الفتاویٰ ص ۴۰۴ ج ۳ بحوالہ طحطاوی)

پیشاب پاخانہ یا ریح کا شدید تقاضہ ہو تو نماز شروع کرنا جائز نہیں۔ بلکہ نماز کے دوران ایسا تقاضا پیش آئے تب بھی نماز توڑ دینا واجب ہے، اطمینان سے فارغ ہو کر نماز ادا کرے۔ اسی حال میں ادا کی تو نماز مکروہ تحریمی ہوئی، ہاں! وقت تنگ ہو نماز قضا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اسی حال میں ادا کرلے۔ جس کو اس قسم کی تکلیف لاحق ہو اگر وہ اطمینان سے مختصر کرکے انفرادی نماز ادا کر سکتا ہو تو جماعت ترک کردے۔

(غنیۃ المستملی ص ۳۵۲ وعامۃ الکتب)

کراہتِ تحریمیہ کے ساتھ ادا کی گئی نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے۔ (ہدایہ ص ۱۴۳ ج ۱ وعامۃ الکتب) مکروہات کی فہرست بڑی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(۹) محلِ نجاست (جس سے نمازی کو بچنا ضروری ہے) کی تین قسمیں ہیں: (۱) مبسوط (جس پر نماز ادا کی جائے) (۲) ملبوس (جو نماز کے دوران پہنا جائے) (۳) محمول (جو دورانِ نماز اٹھایا جائے) مبسوط خواہ مصلّٰی ہو خواہ دری، چٹائی یا خالی زمین۔ اس میں سے اتنا حصہ پاک ہونا شرط ہے جہاں نمازی کے دونوں پاؤں، گھٹنے ہاتھ اور پیشانی پڑے۔ باقی حصہ اگر ناپاک بھی ہے تو نماز ہو جائے گی۔ اسی طرح سجدہ یا قعدہ کے دوران اگر کپڑے کا کوئی کنارہ اس ناپاک حصے پر جا پڑے تب بھی نماز ہو جائے گی بشرطیکہ نجاست تر نہ ہو جو کپڑے کو لگ جائے۔ ملبوس یعنی نمازی کا لباس پورے کا پورا پاک ہونا شرط ہے خواہ وہ نمازی کے بدن سے لگ رہا ہو جیسے بنیان، ٹوپی وغیرہ یا اس سے

الگ ہو جیسے پگڑی کے بل، ازاربند وغیرہ۔ ہاں! اگر کسی نمازی نے ایسی لمبی چادر یا دری وغیرہ لپیٹ رکھی ہے جو دور تک بچھی ہوئی ہے تو اس کا نمازی کے بدن سے متصل حصہ کے علاوہ وہ حصہ بھی پاک ہونا شرط ہے جو نمازی کی حرکات (رکوع، سجدہ، قیام وغیرہ) کے دوران حرکت میں آئے، باقی بچھا ہوا حصہ ناپاک بھی ہو تو نماز میں خلل نہ آئے گا۔ محمول یعنی جسے نمازی اٹھائے ہوئے ہے اگر اپنے آپ کو خود تھامے ہوئے ہے تو اس کی نجاست نماز کے جواز میں مانع نہیں مثلاً نمازی کے کندھے پر بچہ سوار ہے جس کے جسم یا کپڑے پر نجاست لگی ہے یا کوئی جانور (مثلاً بلی، مرغی وغیرہ) سوار ہو گیا جس پر نجاست لگی ہے تو نماز ہو جائے گی۔ اور اگر نجاست اس نوعیت کی ہے جسے نمازی نے ہی اٹھا رکھا ہے تو دیکھا جائے گا کہ یہ نجاست اپنے معدن (اصل مقام) میں ہے یا اس سے باہر ہے۔ اگر معدن میں ہے تب بھی نماز جائز ہے جیسے نمازی کی جیب میں گندا انڈا ہو جس میں خون بھرا ہوا ہو۔ اور اگر غیر معدن میں ہے تو نماز نہ ہوگی جیسے اس کی جیب میں شراب یا خون کی بوتل ہو۔ (البحر الرائق ص ۲۶۷ ج ۱۔ رد المحتار ص ۴۰۲ ج ۱ وغیرہ)

(۹۲) یہ جو مشہور ہے کہ سجدہ میں کسی نے پاؤں زمین سے اٹھا لئے تو اس کی نماز نہ ہوگی یہ علی الاطلاق درست نہیں، اس میں یہ تفصیل ہے کہ ایک تسبیح کی مقدار کسی ایک پاؤں کا کچھ حصہ زمین پر رکھنا اداء واجب کے لئے کافی ہے پس اگر دونوں پاؤں پورے سجدہ میں اُٹھے رہے تو ترکِ واجب کی بناء پر نماز واجب الاعادہ ہوگی یوں دونوں پاؤں زمین پر رکھنا اور ان کی انگلیاں قبلہ رُخ رکھنا سنتِ مؤکدہ ہے، اس کے بغیر نماز مکروہ ہوگی۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۲۶۔ رد المحتار ص ۴۹۹ ج ۱)

(۹۳) تشہد میں انگلی کا اشارہ مستحب ہے۔ اس کی کیفیت میں بہت سے لوگ غلطی کرتے ہیں صحیح طریقہ یہ ہے کہ ابتداء میں انگلیاں سیدھی رکھی جائیں جب کلمۂ شہادت اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پر پہنچے تو چھنگلیا اور اس کے ساتھ کی انگلی کو بند کرلے اور

درمیان کی انگلی اور انگوٹھے کے سروں کو ملا کر حلقہ بنالے پھر لا پر شہادت کی انگلی اٹھائے اور اِلَّا اللہ پر قدرے جھکائے (السعایہ ص ۲۳۰ ج ۲ وعامۃ الشروح) اس موقع پر عام لوگ انگلی بالکل گرادیتے ہیں یہ طریقہ صحیح نہیں، انگلی گرانے کے بجائے قدرے جھکادی جائے۔ (امداد الفتاوٰی ص ۱۴۲ ج ۱ و احسن الفتاوٰی ص ۳۰ ج ۳ بحوالہ تزیین العبارۃ بتحسین الاشارۃ لعلی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ)

(۹۴) بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ امام جب سورۃ فاتحہ ختم کرے تو صرف مقتدی آمین کہیں۔ فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ نہ پڑھی جائے۔ امام صرف سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اور مقتدی رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہے۔ یہ تینوں باتیں مرجوح ہیں۔ صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ آمین کہنا منفرد اور مقتدی کی مانند امام کے لئے بھی مسنون ہے (کنز مع شرحہ البحر ص ۳۱۳ ج ۱۔ غنیۃ المستملی ص ۳۰۱ وغیرہ) اسی طرح فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا بھی امام و منفرد کے لئے مسنون ہے (البحر الرائق ص ۳۱۲ ج ۱۔ فتح القدیر ص ۲۰۵ وغیرہ) اور تحمید (ربنا لک الحمد کہنا) امام کے لئے بھی افضل ہے اور بہتر یہ ہے کہ تحمید میں اللّٰھم ربّنا ولک الحمد کہا جائے (مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص ۱۵۴ ورد المحتار ص ۴۹۷ ج ۱ وغیرہ)

(۹۵) صاحبِ ترتیب جس کے ذمہ چھ یا چھ سے زائد نمازوں کی قضاء نہ ہو۔ پر قضا شدہ نمازوں کو بالترتیب ادا کرنا ضروری ہے۔ اور جس کے ذمہ زیادہ نمازیں ہوں اسے نیت کرتے ہوئے ہر نماز کی تعیین بھی ضروری ہے مثلاً فلاں سن فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ کی فجر پڑھتا ہوں، اگر اس طور سے تعیین دشوار ہو تو اس طرح نیت کرے کہ مثلاً میرے ذمہ جتنی فجر کی نمازیں ہیں ان میں سے پہلی فجر پڑھتا ہوں۔ ایسے ہی ظہر وغیرہ کی نیت کرے (عامۃ الکتب) اگر اس طرح نیت کئے بغیر کسی نے قضا نمازیں پڑھ لیں تب بھی ہو گئیں کہ یہ مسئلہ علماء میں مختلف فیہ ہے۔ مگر آئندہ کے لئے احتیاط لازم ہے۔ (کذا فی امداد الفتاوٰی ص ۳۳۶ ج ۱)

نیز اگر کسی جہری نماز کی قضا باجماعت پڑھی جائے تو اس میں جہر واجب ہے خواہ دن میں ہی پڑھی جائے ۔ یونہی سری نماز کی قضا باجماعت میں آہستگی سے پڑھنا واجب ہے خواہ رات میں ہی پڑھی جائے (عامۃ الکتب) اور سفر و حضر کی قضا نمازوں کا وہی حکم ہے جو ان کی ادا کا ، یعنی سفر کی فوت شدہ نماز میں بھی قصر واجب ہے خواہ گھر ہی میں پڑھی جائے ، اور حالتِ اقامت کی نماز کو پورا پڑھنا واجب ہے خواہ سفر ہی میں پڑھی جائے (عامۃ الکتب) بعض ناواقف سمجھتے ہیں کہ قضاء نماز کو اسی نماز کے وقت ادا میں پڑھنا ضروری ہے ۔ مثلاً ظہر کو ظہر کے ساتھ ، عصر کو عصر کے ساتھ پڑھا جائے یہ جہالت کی بات ہے ۔ قضاء نماز کو حتی الامکان جلد سے جلد پڑھنا چاہئے ، اوقاتِ مکروہہ کو چھوڑ کر ہر وقت اسے پڑھ سکتے ہیں ۔ بلکہ صاحبِ ترتیب کی قضاء نمازیں پانچ یا ان سے کم ہوں تو وقتی نماز سے پہلے پہلے انہیں پڑھنا ضروری ہے ورنہ وقتی نماز نہ ہوگی اور قضا شدہ وتروں کا بھی وہی حکم ہے جو فرضوں کا ہے ۔ یعنی صاحبِ ترتیب کے وتر قضاء ہو گئے تو نمازِ فجر سے پہلے انہیں پڑھنا ضروری ہے ورنہ فجر جائز نہ ہوگی نیز یہ آدمی وتر علانیہ پڑھ رہا ہو تو قنوت کے لئے صرف تکبیر کہے ہاتھ نہ اٹھائے کہ اس میں اپنی تقصیر و کوتاہی کا اظہار ہے ۔ (رد المحتار ص ۶ ج ۲)

(۹۶) نماز باجماعت میں صفوں کی درستگی کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا جاتا ، حالانکہ شریعتِ مطہرہ میں اس کی سخت تاکید آئی ہے ۔ صف بندی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کا امتیاز ارشاد فرمایا ۔ (صحیح مسلم)

صفوں کو ٹیڑھا رکھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دلوں میں ٹیڑھ پن آنے کی وعید سنائی (صحیح مسلم) ایک اور حدیث میں صفوں کی درستگی کو نماز کا حصہ ارشاد فرمایا (بخاری و مسلم) ائمہ حضرات کو نماز شروع کرنے سے پہلے اس کا اطمینان کر لینا چاہئے کہ تمام صفیں درست ہو گئیں ۔ ضروری ہے کہ تمام مقتدی مل کر کھڑے ہوں انگلیوں

کے بجائے سب کے ٹخنے اور ایڑیاں برابر ہوں۔ صف بندی کا طریقہ یہ ہے کہ پہلا آدمی وسطِ صف میں یعنی امام کے پیچھے کھڑا ہو کہ یہی سب سے افضل جگہ ہے، دوسرا آدمی اس کے دائیں طرف، تیسرا بائیں طرف اسی طرح دائیں بائیں یکساں صف پُر کی جائے پہلی کے بعد دوسری صف، دوسری کے بعد تیسری صف۔ غرض اسی ترتیب کے ساتھ تمام صفیں آخر تک پُر کی جائیں۔ جماعت قائم ہونے کے بعد جو لوگ پہنچتے ہیں وہ عجلت میں آکر خالی صف کے ایک کنارے کھڑے ہونا شروع کرتے ہیں۔ یہ طریقہ غلط ہے۔ صف بندی کا وہی طریقہ اختیار کرنا ضروری ہے جو ابھی بتایا گیا۔ ایک اور غلطی یہ کی جاتی ہے کہ اگلی صف میں کسی ایک جانب جگہ خالی ہوتی ہے مگر بعد میں آنے والے نمازی اسے چھوڑ کر پچھلی صف بھر دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگلی صف کا خلا پُر کرنا ضروری ہے گو کہ پچھلی صف میں کھڑے نمازیوں کے آگے سے گزرنا پڑے۔

(عامۃ الکتب)

اگر صفیں پُر کرنے کے بعد دورانِ نماز کسی صف میں خلا پیدا ہو گیا (مثلاً کوئی نمازی درمیان سے ہٹ گیا) تو بعد میں آنے والا نمازی اس خلاء کو بھی پُر کردے گو کہ نمازیوں کے سامنے سے گزرنا پڑے (کذا فی امداد الفتاویٰ ص ۲۵۵ ج ۱)

صفیں پُر ہونے کے بعد کوئی شخص پہنچا تو خالی صف میں اکیلے کھڑے ہونے کے بجائے اگلی صف سے ایک مقتدی کو پیچھے کھینچ لے اور دونوں صف میں کھڑے ہوں۔

(عامۃ الکتب)

اصل مسئلہ تو یہی ہے مگر چونکہ عوام میں جہالت کا غلبہ ہے اس لئے بعد میں پہنچنے والا قدرے انتظار کر کے اکیلا ہی پچھلی صف میں کھڑا ہو جائے۔ کھینچنے کی صورت میں عین ممکن ہے وہ نمازی اپنی نماز توڑ دے۔ (کذا فی رد المحتار ص ۵۶۸ ج ۱ و امداد الفتاویٰ ص ۲۵۵ ج ۱)

(۹۷) آجکل مساجد میں جماعتِ ثانیہ کا عام دستور ہوگیا ہے جو لوگ کسی عذر سے یا بلا عذر تاخیر سے مسجد پہنچتے ہیں وہ محراب سے قدرے ہٹ کر دوسری جماعت کرلیتے ہیں حالانکہ دوسری جماعت کی گنجائش صرف ایسی مساجد میں ہے جہاں نمازی متعین نہ ہوں یا ان میں امام و مؤذن متعین نہ ہوں جیسے اسٹیشن، بس اسٹاپ اور عام راستوں کی مسجدیں، محلّہ کی مسجد میں جب اہلِ محلّہ نے اذان و اقامت کے ساتھ جماعت کرلی تو اس مسجد کے احاطہ میں اب دوسری جماعت مکروہ تحریمی ہے۔ جماعت کرنے والوں کو اس کا کوئی ثواب نہیں۔ بلکہ یہ درپردہ اپنے گناہ کا اظہار ہے۔ مزید اس میں ایک بڑا مفسدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے اصل جماعت کی تعداد گھٹتی جارہی ہے اور لوگوں میں جماعت کے معاملہ میں غفلت و سستی روز افزوں بڑھتی جارہی ہے۔ اس غلط روش کو روکنے کے لئے علماء نے مستقل رسائل اور مفصل فتوے تحریر کئے ہیں ملاحظہ ہو: القطوف الدانیۃ فی تحقیق الجماعۃ الثانیۃ (حضرت گنگوہی قدس سرہ) الوصیۃ الاخوانیۃ فی حکم الجماعۃ الثانیۃ (حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی)

امداد الفتاویٰ ص ۲۴۰ تا ص ۲۴۷ ج ۱ (حضرت تھانوی قدس سرہ)

(۹۸) محلہ کی مسجد سے جمعہ کی پہلی اذان سنتے ہی دین و دنیا کے تمام کام چھوڑ کر جمعہ کی تیاری میں لگ جانا واجب ہے (رد المحتار ص ۱۶۱ ج ۲ و عامۃ الکتب) لیکن آجکل چونکہ خطبۂ جمعہ سے پہلے طویل تقریروں کا عام دستور ہوگیا ہے اس لئے جمعہ کی پہلی اذان بہت پہلے دی جاتی ہے، بلکہ بعض ایام میں وقت سے بھی پہلے دے دی جاتی ہے اور عام لوگ اذان سن کر بے فکر گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ ان کے اس گناہ میں مؤذن اور مساجد کے منتظمین بھی برابر شریک ہیں۔ یا تو اذان اول و ثانی کے درمیان مختصر سا وقفہ رکھا جائے کہ لوگ اذان سنتے ہی فوری مسجد میں پہنچ جائیں یا لوگوں کو ترغیب دے کر اس کا عادی بنایا جائے کہ اذان اول کے بعد بلا تاخیر جمعہ کی تیاری میں لگ

جائیں اور تاخیر کے گناہ سے محفوظ رہیں پھر تقریر کے لئے اذان لازمی تو نہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ بلا اذان تقریر کی جائے جن کو شوق ہو وہ آکر سنتے رہیں۔ اور اذان اتنے وقفہ سے دی جائے کہ لوگ بلا تاخیر مسجد میں پہنچ جائیں۔

(۹۹) مصافحہ یا معانقہ کا مسنون موقع وہ ہے جب دو مسلمانوں کی ملاقات ہو (یعنی باہر سے آکر ملیں) یا بعض علماء کے نزدیک بوقتِ وداع و رخصتی بھی۔ باقی عیدین، جمعہ یا نمازوں کے بعد جو لوگوں میں مصافحہ کا رواج چل پڑا ہے اس کی کوئی اصل نہیں، یہ مصافحہ نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے، نہ ہی بعد کے اسلاف سے، بلکہ یہ روافض کی ایجاد ہے۔ اس لئے اس بدعت سے احتراز واجب ہے۔ فان محل المصافحۃ المشروعۃ اول الملاقات ... ثم اذا اصلوا یتصافحون فاین ھٰذا من السنۃ المشروعۃ؟ ولھٰذا اصرح بعض علمائنا بانھا مکروھۃ حینئذ فانھا من البدع المذمومۃ۔ (مرقاۃ المفاتیح ص ۴، ج ۹) تکرہ المصافحۃ بعد اداء الصلاۃ بکل حال لان الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم ما صافحوا بعد اداء الصلاۃ ولانھا من سنن الروافض (ردالمحتار ص ۳۸۱ ج ۶) فتاوی رشیدیہ ص ۱۳۸، امداد الفتاوی ص ۸۱، ۴ ج ۱ کفایت المفتی ص ۲۲ ج ۹ - امداد المفتین ص ۲۰۲، فتاوی محمودیہ ص ۳، ۲ ج ۱- فتاوی رحیمیہ ص ۷۲ ج ۳ وغیرھا من کتب کثیرۃ شھیرۃ۔

خود نمازِ عید کے بعد کسی سے معانقہ و مصافحہ نہ کرے۔ ہاں اگر کسی سے ملاقات ہی بعد نماز کے ہوتی ہو تو اس سے جائز ہے مگر تشبہ بالبدعۃ اور اس کی تائید کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے اس سے بھی اجتناب کرنا چاہئے (احسن الفتاوٰی ص ۳۵۴ ج ۱)

ایک اہم مسئلہ

(۱۰۰) ہماری مساجد میں فرض نمازوں کے بعد دعاء عموماً اجتماعی شکل میں ہوتی ہے

جس میں امام مسجد سلام پھیرتے ہی چند رٹی رٹائی عربی دعائیں بلند آواز سے پڑھ دیتا ہے۔ پیچھے سے ان کے مقتدی آمین آمین پکارتے ہیں۔ یا خاموش بیٹھے سُنتے رہتے ہیں۔ لیکن ان عربی کلمات کے معانی و مطالب کیا ہیں؟ کیا ان کے پڑھنے یا سننے سے دعاء کا مقصد حاصل ہو گیا؟ ان باتوں سے نہ امام کو کوئی غرض! نہ مقتدیوں کو کوئی سروکار! اس غلط طرز عمل کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عوام اس دعاء کو بھی نماز کی مانند ایک اجتماعی عبادت تصوّر کرتے ہیں حالانکہ یہ مفروضہ بے بنیاد ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ اذکار اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طرز عمل کو سامنے رکھیں تو اس حقیقت کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں رہتا کہ یہ اجتماعی دعاء کا کوئی موقع ہی نہیں، بلکہ ہر شخص کے لئے انفرادی ذکر و دعاء کا وقت ہے۔

اس لئے کہ سلام پھیرتے ہی امام و مقتدی کا ربط ٹوٹ گیا اب ہر نمازی کو اختیار ہے کہ وہ بیٹھ کر ذکر کرے (احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے) چاہے تو اپنے طور پر دعاء کرے۔ بلکہ دعاء کئے بغیر بھی اٹھ جانا کوئی گناہ نہیں، مگر اٹھ جانے کی مستقل عادت بنا لینا بھی اچھا نہیں۔ حدیث کی رو سے یہ قبولیت کا وقت ہے لہٰذا ایسی عادت کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت سے کچھ حاصل کئے بغیر اٹھ کر چل دے ایک قسم کا اعراض اور حرمان نصیبی ہے۔ لیکن رائج طریقہ دعاء میں کئی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ ایک تو اس کا اس درجہ التزام کہ کبھی کسی حال میں بھی اس کا ناغہ گوارا نہ کیا جائے۔ دوسرے اس میں اجتماع کا اہتمام کہ امام اور مقتدی بیک وقت ہاتھ اٹھائیں بیک وقت ہی منہ پر پھیریں۔ امام سے پہلے کوئی فرد اٹھنے نہ پائے۔ تیسرے جہر و اعلان کی پابندی کہ امام صاحب پوری دعاء بلند آواز سے کریں یا کم از کم اول و آخر کے جملے آواز سے کہیں تاکہ مقتدی حضرات کو اطمینان رہے کہ امام صاحب ان کی نیابت کر رہے ہیں۔ نیز پوری جماعت کی دعاء کی ابتداء و انتہاء بھی ان کے ساتھ ہو

اور اجتماعیت کسی صورت ٹوٹنے نہ پائے۔ اس ہیئتِ کذائیہ سے دعاء نہ کسی حدیث سے ثابت ہے نہ ہی صحابہ وتابعین یا اسلاف سے منقول ہے۔ بلکہ انہی قیود نے اسے سنت کے بجائے رسم کی شکل دیدی ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرّہ اس رسم کا تجزیہ فرماتے ہیں۔

"آجکل عام مساجد میں اماموں کا معمول ہوگیا ہے کہ کچھ عربی زبان کے کلمات دعائیہ انہیں یاد ہوتے ہیں ختم نماز پر انہیں پڑھ دیتے ہیں۔ اکثر تو خود اماموں کو بھی ان کلمات کا مطلب ومفہوم معلوم نہیں ہوتا اور اگر ان کو معلوم ہو تو کم ازکم جاہل مقتدی تو اس سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں وہ بے سمجھے بوجھے امام کے پڑھے ہوئے کلمات کے پیچھے آمین آمین کہتے ہیں۔ اس سارے تماشہ کا حاصل چند کلمات کا پڑھنا ہوتا ہے۔ دعاء مانگنے کی جو حقیقت ہے یہاں پائی ہی نہیں جاتی (معارف القرآن ص ۵۷۷ ج ۳) "حضرت مفتی فیض اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (مفتی اعظم بنگلہ دیش) کا فتویٰ ملاحظہ ہو:

"لیکن در ہیچ حدیثِ صحیح یا ضعیف بلکہ در ہیچ حدیث موضوع ہم بدین ہیئتِ اجتماعیہ مروجہ مناجات کردن از روے صلی اللہ علیہ وسلم نیامدہ بلکہ از صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین ہم این چنین مناجات اصلاً ثابت نہ شدہ" (احکام الدعوات المروجہ ص ۲۷)

ترجمہ: لیکن صحیح اور ضعیف بلکہ کسی موضوع حدیث میں بھی اس مروجہ اجتماعی ہیئت سے مناجات کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ بلکہ صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین سے بھی ایسی مناجات قطعاً ثابت نہیں ہے۔

فرائض کے بعد جس قدر اذکار وادعیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں وہ انفرادی طرز کے ہیں۔ اس لئے کہ اس موقع پر مختلف اذکار کے فضائل

ارشاد فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نمازی کو ان کے پڑھنے کی ترغیب فرمائی اور جو اذکار آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود پڑھتے تھے ان کی بھی تمام صحابہ کو تعلیم ارشاد فرما کر پڑھنے کی ترغیب دی ۔ اور کئی صحابہ کو تو فرداً فرداً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اذکار تلقین فرمائے کہ ہر نماز کے بعد انہیں پڑھا کرو (جیسے حضرت معاذ بن جبل ، عقبہ بن عامر وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ظاہر ہے کہ یہ حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلقین فرمودہ اذکار پابندی سے پڑھتے رہے ۔ حالانکہ یہ امام نہ تھے ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدی ہی تھے ۔ غرض اس موقع کے تمام اذکار اور دعائیں ہر شخص کے لئے ہیں ۔ کسی حدیث میں کہیں اشارہ تک نہیں کہ یہ چیزیں صرف امام کے لئے خاص ہیں باقی پوری جماعت ان سے مستثنیٰ ہے ۔ مزید براں یہ نکتہ بھی اہل علم حضرات کے لئے سوچنے کا ہے کہ اس موقع پر جو اذکار وادعیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں خواہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خود پڑھے یا عام انداز میں ہر نمازی کو ان کی ترغیب فرمائی یا خاص خاص صحابہ کو کوئی خاص چیز تلقین فرمائی ، تقریباً یہ تمام کے تمام اذکار وادعیہ مفرد صیغوں پر مشتمل ہیں ۔ یہاں ان دعاؤں کا نقل کرنا ممکن نہیں ۔ بطور نمونہ صرف ایک ایک جملہ نقل کیا جاتا ہے ۔

استغفر اللہ (مسلم) اللّٰھم انی اعوذ بک من الجبن الخ (بخاری) ربّ قنی عذابک الخ (مسلم) اللّٰھم اغفر لی وارحمنی الخ (ابوعوانہ) اللّٰھمّ اغفر لی ما قدمت الخ (مسلم) اللّٰھم انی اعوذ بک من الکفر الخ (نسائی) اللّٰھمّ اصلح لی دینی الخ (نسائی) اللّٰھم اغفر لی خطیئتی وعمدی الخ (مسند بزاز) اللّٰھم انی اعوذ بک من عذاب النار (ابوعوانہ) اللّٰھم اغفر لی خطایای (حاکم) یہ تو ظاہر ہے کہ مفرد صیغوں پر مشتمل دعا اکیلے آدمی کی ہی ہو سکتی ہے ۔ ورنہ اجتماعی دعا کے لئے تو جمع کے صیغے استعمال کئے جاتے ہیں ، بہرحال

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اندازِ تسلیم و تلقین سے تو آئینہ کی طرح یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اصل دعاء دعاء انفرادی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی منشا بھی یہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے نکلے ہوئے یہ مبارک کلمات ہر نمازی کے وردِ زبان ہوں۔ خواہ وہ امام ہو خواہ مقتدی نہ یہ کہ ایک شخص انہیں بلند آواز سے ایک بار پڑھے اور باقی سب لوگ سُن لیں

عقل و درایت کی رو سے بھی یہ طریقہ نامناسب ہے۔ اس لئے کہ ہر شخص کی حاجات (جن کے لئے وہ دعاء کرنا چاہتا ہے) دوسروں سے مختلف ہیں۔ مثلاً ایک شخص اپنی صحت یابی کے لئے دعاء کرنا چاہتا ہے، دوسرا شادی کے لئے، تیسرا اولاد کے لئے۔ اسی طرح فرصت و فراغت کے لمحات ہر شخص کے دوسروں سے مختلف ہیں۔ ایک شخص فارغ البال مطمئن بیٹھا ہے اور دوسرا ایسی عجلت میں کہ اسے چند لمحے بیٹھنا بھی گراں۔ اسی طرح طبعی کیفیات لوگوں کی ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ کسی کی طبیعت میں بسط و انشراح کہ طویل سے طویل دعائیں کرتے بھی تھکنے کا نام نہ لے۔ اور کسی کی طبیعت میں ایسی بستگی و بیزاری کہ اسے ذرا سی دیر جم کر بیٹھنا بھی دوبھر! اب ان مختلف الانواع لوگوں کو ایک ہی روش کا پابند کرنا کہ سب کی دعاء ایک ہی وقت شروع ہو ایک ہی وقت ختم ہو بلکہ کسی شخص کو اپنی دعاء کا موقع ہی نہ دیا جائے کہاں کی دانشمندی ہے؟ اسی لئے پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ دعاء سرّی و انفرادی افضل ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین اور ائمہ دین میں کسی سے یہ صورت منقول نہیں کہ نمازوں کے بعد وہ دعاء کریں اور مقتدی صرف آمین آمین کہتے رہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ طریقہ مروجہ قرآن کے بتلائے ہوئے طریقہ

دعاء کے بھی خلاف ہے۔ اس لئے عام حالات میں اس سے اجتناب کرکے امام ومقتدی سب آہستہ دعاء مانگیں (احکامِ دعاء ص ۱۳) اسی لئے امت کے چاروں مشہور اماموں کے نزدیک دعاء آہستہ اور خفیہ کرنا ہی مستحب اور اولیٰ ہے۔ (احکامِ دعاء ص ۱۰)

خلاصہ یہ کہ فرضوں سے سلام پھیرنے کے بعد ہر شخص اپنے طور پر ذکر و دعاء میں مشغول ہو۔ جو مقتدی چاہے مختصر دعاء کرکے امام سے پہلے اٹھ جائے اور جو چاہے امام کے بعد بھی دعاء میں مشغول رہے۔ اسی طرح امام پر بھی کوئی روک نہیں اس کی دعاء اپنی انفرادی دعاء ہے چاہے دیر تک کرے چاہے مختصر! کوئی ضرورت مند (خواہ وہ امام ہو یا مقتدی) چاہے تو سلام پھیرتے ہی دعاء کئے بغیر بھی اٹھ سکتا ہے۔ غرض کوئی کسی کا پابند نہیں۔ دعاء کا یہ مروج اجتماعی دستور جس میں امام بلند آواز سے دعائیہ کلمات پڑھتا ہے باقی پوری جماعت پابند بیٹھی سنتی رہتی ہے خلافِ سنت اور واجب الترک ہے۔

اختصار کے پیش نظر ہم مزید تفصیل سے گریز کررہے ہیں۔ مسئلہ کی مفصل ومدلل بحث اپنے رسالہ "دعاء بعد الفرائض کی شرعی حیثیت" میں سپردِ قلم کرچکے ہیں۔ من شاء فلیراجع۔

یہ مختصر سی تفصیل بھی اس لئے کردی کہ اس مسئلہ میں آج کل بہت غلو ہورہا ہے۔ ہماری مساجد میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی امام سلام پھیر کر دعاء کئے بغیر اٹھ جائے۔ یا ہاتھ اٹھائے بغیر صرف مسنون اذکار پڑھنے پر اکتفا کرے۔ بلکہ خاموشی سے دعاء کرنا چاہے تو اسے بھی گوارا نہیں کیا جاتا۔ جاہل مقتدیوں کی جانب سے دعاء

جہری پر اسے مجبور کر دیا جاتا ہے ورنہ مصلّئ امامت سے ہٹا دیا جاتا ہے
اور نئے امام کی تقرری اسی معاہدہ کے تحت ہوتی ہے کہ وہ دعاء بلند
آواز سے کیا کرے۔ اب تک نہ معلوم کتنے ائمہ کو اسی جرم بے گناہی کی
پاداش میں برطرف کر دیا گیا فالی اللہ المشتکیٰ ـــــ اور یہ تحقیق بھی صرف
اس دعاء کے متعلق تھی جس کا فرائض کے بعد عام مساجد میں دستور ہے
اگر کسی خاص موقع پر کسی اہم مقصد کے لیے جہراً اجتماعی دعاء کرائی جائے
تو اس میں مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ اس سے کسی کی انفرادی عبادت میں
خلل نہ آئے۔

اب اختتامِ کتاب پر ہم بالاختصار وہ مبارک اذکار و دعائیں
درج کرتے ہیں جو دورانِ نماز یا نمازوں کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے
منقول ہیں۔ افسوس! کہ ہمارے ہاں ان چیزوں کا کوئی تذکرہ تک نہیں
نماز سے عشق کی حد تک لگاؤ رکھنے والے پرانے پرانے نمازی بھی عموماً اس
سعادتِ عظمیٰ سے تہی دست نظر آتے ہیں۔ حالانکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
کے یومیہ معمولات میں خاص درجہ رکھتے ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم
اور اسلاف کو ان سے شغف تھا۔ اہتمام و توجہ سے یہ چیزیں پڑھی جائیں
تو ان سے نماز میں روح پڑ جاتی ہے۔ اور یہ قربِ خداوندی کا موثر ترین ذریعہ
ہیں۔ احناف کے نزدیک یہ دعائیں سنن و نوافل میں پڑھی جائیں اسلئے
کہ فرض نمازوں کی جماعت میں کمزور، بیمار، بوڑھے غرض ہر قسم کے
لوگ ہوتے ہیں۔ اس لئے امام کو مختصر نماز پڑھانے کا حکم دیا گیا، اذا صلّٰی
اَحَدُکُم للنّاس فلیخفّف الخ (بخاری، مسلم)
ہاں! اگر کوئی شخص فرض نماز اکیلے پڑھ رہا ہو یا نماز با جماعت

میں مقتدی گنتی کے آدمی ہوں اور سب کے متعلق اطمینان ہو کہ ان پر یہ دعائیں ثقیل نہ ہوں گی تو فرض نماز میں بھی ان کا پڑھنا درست ہے

کذا فی ردّ المحتار صفحہ ۵۰۶ ج ۱ و احسن الفتاویٰ صفحہ ۴۲۲ ج ۳

تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء کے علاوہ یہ دعائیں بھی منقول ہیں:

وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ اِنَّ صَلٰوتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ، لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۔

میں نے یکسو اور فرماں بردار بن کر اپنا رُخ اس ذات کی طرف پھیرا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔ اور میں مشرکین میں سے نہیں۔ بے شک میری نماز و قربانی اور زندگی و موت اس اللہ کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا پالنہار ہے اس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی کا حکم دیا گیا اور میں فرماں بردار لوگوں میں ہوں۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَنْتَ رَبِّيْ وَ اَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَ اعْتَرَفْتُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ جَمِيْعًا اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ وَ اهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّآ اَنْتَ وَ اصْرِفْ

اے اللہ! تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا، میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں میرے سارے گناہ معاف کر دے بیشک تیرے سوا گناہوں کو کوئی نہیں بخشتا اور مجھے سب سے عمدہ اخلاق کی ہدایت دے بیشک تیرے سوا سب سے عمدہ اخلاق کی ہدایت کوئی نہیں دیتا۔

عَنِّیْ سَیِّئَهَا لَا یَصْرِفُ سَیِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ لَبَّیْكَ وَسَعْدَیْكَ وَ الْخَیْرُ كُلُّهٗ فِیْ یَدَیْكَ وَالشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْكَ اَنَابِكَ وَاِلَیْكَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْكَ

مسلم۔ سنن اربعہ

اور مجھ سے بُرے اخلاق پھیر دے (میرے قریب نہ آنے دے) بُرے اخلاق کو تیرے سوا کوئی مجھ سے نہیں پھیر سکتا۔ میں تیری بارگاہ میں بار بار حاضر ہوں، خیر و بہتری پوری کی پوری تیرے قبضہ میں ہے اور شر و برائی کی نسبت تیری طرف نہیں۔ میرا وجود تیری رحمت سے قائم ہے میں تیری ہی طرف جھکتا ہوں۔ اے ہمارے پروردگار تیری ذات بابرکت اور بلند و برتر ہے۔ تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں

اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ خَطَایَایَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ۔ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِیْ مِنْ خَطَایَایَ كَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ. (بخاری و مسلم)

اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان ایسی دوری پیدا کر دے جیسی دوری تو نے مشرق و مغرب کے درمیان پیدا کی ہے۔ اے اللہ! میرے گناہوں کو پانی سے برف سے اور اولوں سے دھو دے۔

اے اللہ! مجھے گناہوں سے ایسا صاف کر دے جیسا سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے۔

ان دونوں دعاؤں کا پڑھنا فرض نماز میں بھی مسنون ہے۔

اس لئے کبھی ثناء کے بجائے ان میں سے کوئی دعاء پڑھ لی جائے۔ سورۂ فاتحہ کے اختتام پر امام و مقتدی آمین کہیں (بخاری و مسلم) رَبِّ اغْفِرْ لِی آمِین کہنا بھی ثابت ہے (طبرانی فی الکبیر)

(۲) رکوع میں تین بار کہے:

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم (ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ)

میں اپنے عظمت والے پروردگار کی پاکی بیان کرتا ہوں۔

یہ کم از کم کی مقدار ہے (ابوداؤد) نماز باجماعت میں تو یہی مقدار اختیار کی جائے۔ دوسری نمازوں میں اس سے زائد مقدار میں پڑھا جائے۔ جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ کی دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رکوع سجدہ کی مقدار دس دس تسبیح بیان کی گئی۔

یا یہ پڑھے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ (بخاری، مسلم)

میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں اے اللہ اے ہمارے پروردگار! اور تیری تعریف بیان کرتا ہوں۔ اے اللہ! میری بخشش فرما۔

یا یہ پڑھے:

سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ (مسلم)

بہت پاکیزہ اور مقدس ہے وہ ذات جو رب ہے فرشتوں کا اور روح کا

یا یہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ خَشَعَ لَكَ سَمْعِیْ وَ

اے اللہ! میں نے تیرے لئے ہی رکوع کیا اور تجھ پر ہی ایمان لایا اور تیری ہی فرماں برداری اختیار کی۔ اور

بَصَرِیْ وَ مُخِّیْ وَعَظْمِیْ وَعَصَبِیْ ۔ (مسلم، ابوداؤد نسائی)

میرے کان، آنکھیں، مغز، ہڈیاں اور پٹھے تیرے سامنے جھک گئے۔

(۳) قومہ میں سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کے بعد کہے: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ (بخاری، مسلم) یا اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ

رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مبارکًا فِیْهِ۔ (بخاری۔ ابوداؤد۔ نسائی)

اے ہمارے پروردگار! تیرے ہی لئے تعریف ہے۔ بہت زیادہ تعریف پاکیزہ اور بابرکت تعریف

یا یہ پڑھے:

اَللّٰھُمَّ لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ وَ مِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ اَھْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَ کُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ (مسلم۔ ابوداود نسائی)

اے اللہ! تیرے لئے تعریف ہے ایسی تعریف جو آسمانوں اور زمینوں کو بھر دے۔ اور اس سے بھی زائد ان تمام چیزوں کو بھر دے جن کو تو چاہے۔ تو ہی تعریف و بزرگی کا مستحق ہے۔ بندے جو بھی تعریف کریں تو اس کا سب سے بڑھ کر حقدار ہے اور ہم سب تیرے بندے ہیں۔ جو تو عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو کچھ تو روک لے اس کا کوئی عطا کرنے والا نہیں۔ کسی دولت مند کو تیرے مقابلہ میں اس کی دولت کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

(۴) سجدے میں تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہے (ترمذی۔ ابن ماجہ) یہ ادنیٰ درجہ ہے جیسے ابھی رکوع کے متعلق گذر چکا۔

یا یہ پڑھے

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ

(بخاری۔ مسلم)

میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! اور تیری تعریف بیان کرتا ہوں۔ اے اللہ! میری بخشش فرما۔

یا یہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَيْكَ، اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ

(مسلم)

اے اللہ! میں تیری رضا وخوشنودی کے طفیل تیری ناراضی سے پناہ چاہتا ہوں اور تیری عافیت کے طفیل تیری سزا سے پناہ چاہتا ہوں اور میں تیری رحمت کے طفیل تیرے غضب سے پناہ چاہتا ہوں۔

میں تیری حمد وثنا کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ تیرے شایانِ شان تعریف وہی ہے جو تو نے خود کی۔

یا یہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِیْ لِلَّذِیْ خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ فَاَحْسَنَ صُوْرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَ

اے اللہ! میں نے تیرے لئے سجدہ کیا اور تجھ پر ہی ایمان لایا اور تیری ہی فرماں برداری اختیار کی۔ میرے چہرے نے اس ذات کے لئے سجدہ کیا جس نے اسے پیدا کیا اور اس کی صورت بنائی اور حسین صورت بنائی

بَصَرَهٗ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ (مسلم، ابوداؤد ونسائی)

اور اس میں کان اور آنکھیں بنائیں بابرکت ذات ہے اللہ تعالیٰ سب سے بہتر بنانے والا۔

یا یہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ اَوَّلَهٗ وَ اٰخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ (مسلم۔ ابوداؤد)

اے اللہ! میرے تمام کے تمام چھوٹے بڑے اول و آخر ظاہر و باطن گناہ بخش دے۔

اور سجدۂ تلاوت میں یہ دعاء پڑھے:

سَجَدَ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَ بَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ (ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ حاکم)

میرے چہرے نے سجدہ کیا اس ذات کے سامنے جس نے اسے پیدا کیا اور اس کی صورت بنائی اور اس میں کان اور آنکھیں بنائیں اپنی طاقت وقوت کے ذریعے۔ سو اللہ بہترین بنانے والا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ سجدے میں اسے کئی بار پڑھے (ابوداؤد)

(۵) دو سجدوں کے درمیان پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْنِیْ وَ عَافِنِیْ وَاهْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَارْفَعْنِیْ (ابوداؤد۔ ترمذی۔ حاکم)

اے اللہ! میری بخشش فرما اور مجھ پر رحمت فرما اور مجھے عافیت عطا فرما۔ اور ھدایت دے اور رزق مرحمت فرما اور میری بگڑی بنا اور مجھے بلند کر دے۔

(۶) قعدۂ اخیرہ میں درود شریف کے بعد پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (بخاری،مسلم)	اے اللہ! میں نے اپنے نفس پر بہت زیادہ ظلم کیا اور گناہوں کو تیرے سوا کوئی نہیں بخشتا۔ لہٰذا میری بخشش فرما۔ ایسی بخشش جو خاص تیری ہی جانب سے ہو۔ اور مجھ پر رحمت فرما بیشک تو ہی بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

یا یہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ بخاری،مسلم	اے اللہ! میرے وہ تمام گناہ بخش دے جو میں نے پہلے کئے اور جو بعد میں کئے اور جو چھپ کر کئے اور جو ظاہر کئے اور جو کچھ میں نے زیادتی کی۔ اور وہ گناہ بھی جن کو تو مجھ سے بڑھ کر جانتا ہے تو ہی آگے بڑھانے والا اور پیچھے ہٹانے والا ہے تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

یا یہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَغْرَمِ وَ الْمَاْثَمِ (بخاری،مسلم)	اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں عذاب قبر سے۔ اور تیری پناہ میں آتا ہوں مسیح دجال کے فتنہ سے۔ اور تیری پناہ میں آتا ہوں زندگی اور موت کے فتنہ سے۔ میں تیری پناہ میں آتا ہوں قرض اور گناہ سے۔

فرائض کے بعد :

جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان سے سلام پھیر کر دیر تک ذکر و دعا میں مشغول نہ ہو، بلکہ اذکارِ مسنونہ میں سے ایک آدھ چیز پڑھ کر فوری سنتوں میں مشغول ہو۔ بقیہ اذکار سنتوں سے فارغ ہو کر پڑھے۔ ہاں! فجر و عصر کے بعد چاہے تو تمام اذکارِ ماثورہ پڑھے

فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی، معوذتین آیۃ الکرسی اور تسبیحات کا حتی الامکان ناغہ نہ کرے۔ تسبیحاتِ مسنونہ یہ ہیں :

۳۳ بار سُبْحَانَ اللّٰہ، ۳۳ بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، اور ۳۴ بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ (مسلم، ترمذی۔ نسائی)

یا تینوں کلمات ۳۳-۳۳ بار کہنے کے بعد ایک بار پڑھے :

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (مسلم۔ ابوداود۔ نسائی)

اور ان اذکار میں سے جس قدر پڑھ سکے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔	اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی علائقِ عبادت نہیں وہ (اپنی ذات وصفات میں) اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اسی کے لئے ہے ملک و سلطنت۔ اور اسی کی تعریف ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔
اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ	اے اللہ! جو تو عطا فرمائے کوئی اس کا روکنے والا نہیں

الجَدُّ۔ (بخاری مسلم) اور جو تو روک دے اس کا کوئی عطا کرنے والا نہیں۔ اور کسی دولت مند کو اس کی دولت تیرے مقابلہ میں فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

ایک روایت میں ہے کہ ان میں سے اول کے کلمات (یعنی قدیر تک) آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین بار پڑھتے تھے (بخاری۔ نسائی) نیز ایک دوسری روایت میں ان الفاظ کا اضافہ بھی منقول ہے "یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (طبرانی)

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّآ اِیَّاہُ لَہُ النِّعْمَۃُ وَلَہُ الْفَضْلُ وَلَہُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ

(مسلم۔ ابو داؤد۔ نسائی)

اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ وہ اپنی ذات وصفات میں) اکیلا ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کے لئے ہے ملک و سلطنت اور اسی کی تعریف ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے گناہوں سے بچانے اور نیکی پر اُبھارنے کی طاقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں۔ تمام نعمتیں اور فضل واحسان صرف اسی کے لئے مخصوص ہیں اور عمدہ تعریف صرف اسی کے لئے ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہم اسی کے لئے خالص کرنے والے ہیں بندگی کو۔ اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔

اَسْتَغْفِرُ اللهَ اَسْتَغْفِرُ اللهَ اَسْتَغْفِرُ اللهَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

(مسلم ۔ سنن اربعہ)

میں اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہوں، میں اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہوں، میں اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہوں۔ اے اللہ! تو سلامتی والا ہے اور تیری طرف سے ہی سلامتی ملتی ہے۔ تیری ذات بابرکت ہے، اے بزرگی اور عزت واکرام والے۔

تنبیہ: ان مسنون کلمات کے ساتھ بعض لوگ یہ اضافہ کر دیتے ہیں " وَاِلَيْكَ يَرْجِعُ السَّلَامُ فَحَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَاَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ " ان کا کسی حدیث سے ثبوت نہیں بلکہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فَلَا اَصْلَ لَهٗ بَلْ مُخْتَلَقٌ بَعْضِ الْقُصَّاصِ[1] یعنی یہ اضافہ بے اصل اور بعض واعظین کا گھڑا ہوا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اُرَدَّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

(بخاری)

اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں بزدلی سے اور تیری پناہ میں آتا ہوں اس بات سے کہ نکمی عمر کی طرف لوٹایا جاؤں اور تیری پناہ میں آتا ہوں دنیا کے فتنے سے اور تیری پناہ میں آتا ہوں عذابِ قبر سے۔

رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ ۔

(مسلم ۔ ابوداؤد ۔ نسائی)

اے میرے رب جس دن تو اپنے بندوں کو قبروں سے اٹھائے مجھے اپنے عذاب سے بچانا۔

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ

اے اللہ! اپنے ذکر و شکر اور عمدہ طریقے سے عبادت کرنے پر میری مدد فرما

[1] مرقاۃ ص ۳۵۸ ج ۲ ۔ السعایہ ص ۲۵۸ ج ۲

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ خَطَایَایَ وَعَمْدِیْ اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ لِصَالِحِ الْاَعْمَالِ وَالْاَخْلَاقِ لَا یَھْدِیْ لِصَالِحِھَا وَلَا یَصْرِفُ سَیِّئَھَا اِلَّا اَنْتَ (بزار۔ ھیثمی۔ حاکم)

اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما، خواہ وہ بھول سے سرزد ہوئے یا جان بوجھ کر۔ اے اللہ! مجھے نیک اعمال اور عمدہ اخلاق کی ہدایت فرما۔ نیک اعمال اور عمدہ اخلاق کی ہدایت تو ہی دے سکتا ہے اور بُرے اعمال و اخلاق کو تو ہی پھیر سکتا ہے (یعنی ان سے بچا سکتا ہے)

بعض نسخوں میں خطایای کی جگہ خطئ کا لفظ آیا ہے۔

اور نمازِ فجر کے بعد پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ رِزْقًا طَیِّبًا وَعِلْمًا نَافِعًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا (طبرانی۔ احمد۔ ابن ماجہ)

اے اللہ! میں تجھ سے پاکیزہ رزق علم نافع اور عملِ مقبول کا سوال کرتا ہوں

اور نمازِ مغرب و فجر کے اٹھنے سے پہلے پہلے نماز ہی کی نشست پر دس دس بار پڑھے:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ لَہُ الْمُلْكُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (احمد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ ابن حبان)

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں وہ اپنی ذات و صفات میں اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کے لئے ہے ملک و سلطنت اور اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور انہی دونوں نمازوں کے بعد بات کرنے سے پہلے پہلے سات سات بار کہے:

اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِی مِنَ النَّارِ — اے اللہ! مجھے عذابِ جہنم سے اپنی پناہ میں رکھ۔ (مسلم۔ ابوداؤد۔ ابن حبان)

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ
عَدَدَ مَا ذَکَرَہُ الذّٰاکِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ

اضافہ جدیدہ

احکامِ میّت

○ درج ذیل آدمیوں پر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں : غیر مسلم۔ جو مسلمان امام برحق کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے عین حالتِ لڑائی میں مارا جائے۔ ڈاکو۔ جو ڈاکہ زنی کے دوران قتل ہو۔ وہ شخص جو وطنی عصبیت یا لسانی تنازعہ میں لڑتے ہوئے مارا جائے۔ والدین میں سے کسی ایک کا قاتل جو اسی جرم کی سزا میں مارا جائے، وہ بچہ جو مرا ہوا پیدا ہو (اگر اعضاء مکمل بن چکے ہوں تو غسل دے کر ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفنا دیا جائے۔ ایسے بچے کا نام بھی رکھا جائے)، جو لاش پھول کر پھٹ گئی ہو، یا اس حال میں ملی ہو کہ گوشت پوست اتر کر صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہو، متفرق اعضاء جو کل جسم کے نصف سے کم ہوں، یا جسم کا نصف حصہ دستیاب ہو مگر سر کے بغیر۔ اس قسم کی ناقص لاش یا متفرق اعضاء کو بلا غسل کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے۔ ناخن پالش یا زیب و زینت کے لئے استعمال کی جانے والی کوئی ایسی چیز جس کی تہ جم جاتی ہے جب تک بالکل صاف نہ کر دی جائے غسل نہ ہوگا نہ ہی نمازِ جنازہ جائز ہوگی (باب الجنائز من ردّ المحتار و عامۃ الکتب)

○ صحت نماز جنازہ کے لئے ان تمام شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے جو عام نمازوں کے لئے ہیں یعنی جسم و لباس اور جگہ کا پاک ہونا، ستر عورت، قبلہ کی طرف رُخ کرنا، نیت کرنا۔ البتہ مسئلہ طہارت میں اتنا فرق ہے کہ اگر نماز جنازہ نکل جانے کا اندیشہ ہو یعنی خوف ہو کہ وضو یا غسل میں مشغول ہوا تو نماز جنازہ میں شرکت نہ کر سکے گا تو ایسی صورت میں بے وضو یا جنبی کے لئے جائز ہے کہ تیمم کر کے شریکِ نماز ہو۔ اگر پھرتی سے وضو کر کے سلام پھرنے سے پہلے شریک ہو جانا ممکن ہو تو تیمم جائز نہیں اور میت کے ولی یا ولی کے نائب

کے لئے تیمم جائز نہیں۔

○ اور جنازہ میں ان شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے : میت کا موجود ہونا، لہٰذا غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں، میت کا مسلمان ہونا۔ خواہ کیسا ہی گنہگار ہو، خودکشی کرنے والے کی نماز بھی پڑھی جائے گی، میت کے بدن اور کفن کا ہر قسم کی نجاست سے پاک ہونا، ہاں اگر اسے غسل دے کر کفنا دیا گیا پھر اس سے کچھ نجاست خارج ہوئی جس سے جسم یا کفن آلودہ ہوگیا تو مضائقہ نہیں، اسی حال میں نماز درست ہے۔ نیز وہ میت اس شرط سے مستثنیٰ ہے جسے بلا غسل دفنا دیا گیا ہو

مرد و عورت

کے جسم کا جتنا حصہ زندگی میں واجب الستر ہے میت مرد و عورت کا کم از کم اسی قدر مستور ہونا، میت کا نمازیوں کے آگے ہونا، میت کا یا جس چیز پر میت رکھی ہے (چارپائی وغیرہ) زمین پر رکھا ہوا ہونا، میت کو کسی نے ہاتھوں پر اٹھا رکھا ہے یا میت جانور پر رکھی ہے تو بلا عذر ایسی صورت میں نماز صحیح نہ ہوگی۔ نیز جس چیز پر میت رکھی ہے (چادر، پلنگ چارپائی یا زمین) بعض علماء کے نزدیک اس کا بھی پاک ہونا شرط ہے۔ یہ خارجی شرائط تھیں، اور نماز جنازہ کے اندر صرف دو چیزیں فرض ہیں : قیام اور چار تکبیریں۔ بلا عذر جیسے عام فرض و واجب نمازیں بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں اسی طرح جنازہ بھی جائز نہیں۔ باقی دورانِ نماز ثناء درود شریف اور دعاء پڑھنا مسنون ہے۔ (البحر الرائق صفحہ ۱۷۹ ج ۲ رد المحتار صفحہ ۲۰۹ ج ۲ وغیرہما)

○ نماز جنازہ میں مسبوق کا حکم یہ ہے کہ وہ صف میں پہنچتے ہی تکبیر تحریمہ کہہ کر شریکِ نماز ہو، اگر اسے علم ہو کہ امام کی کون سی تکبیر ہے تو یہ بھی وہی دعاء پڑھے جو امام پڑھ رہا ہے پھر امام کے سلام پھیرنے کے بعد بقیہ تکبیریں اور ان کے بعد کی دعائیں بالترتیب پڑھے اگر امام کی تکبیر معلوم نہ ہو تو تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء پڑھے پھر دوسری تکبیر کے بعد درود شریف تیسری کے بعد دعاء بشرطیکہ جنازہ اٹھنے نہ پائے۔ اگر جنازہ اٹھا لیا گیا تو جب تک زمین سے قریب ہے، دعائیں چھوڑ کر جلدی سے بقیہ تکبیریں کہہ لے، اگر جنازہ لوگوں کے کندھوں کے قریب تک پہنچ چکا ہو تو تکبیریں بھی نہ کہے۔ اگر کوئی ایسے وقت پہنچا کہ امام چوتھی تکبیر بھی کہہ چکا ہے مگر ابھی سلام نہیں پھیرا تب بھی اسے چاہیئے کہ فوری تکبیر کہہ کر شریک نماز

ہو اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد بقیہ تکبیریں کہہ لے۔

(احسن الفتاوی ص۲۲۶ ج ۴ ۔ رد المحتار ص۲۱۶ ج ۲)

○ جوتے پہن کر کوئی نماز جنازہ پڑھنا چاہے تو جائز ہے بشرطیکہ جوتا اوپر نیچے سے پاک ہو اور نیچے سے زمین پاک ہو، اور اگر جوتے اتار کران کے اوپر کھڑا ہو تو صرف جوتے کے اوپر کا حصہ جو پیر سے متصل ہے پاک ہونا شرط ہے جوتے کے تلوے اور زمین کا پاک ہونا شرط نہیں۔ (فتاویٰ عالمگیریہ ص۱۶۵ ج۱)

○ خنثیٰ یعنی وہ انسان جس کے مرد و عورت ہونے کا فیصلہ دشوار ہو اور مردوں عورتوں کی علامات اس میں یکساں پائی جائیں مثلاً چہرے پر بال نکل آئیں، پستان بھی ابھر آئیں یا دیگر متضاد علامات پیدا ہوں تو مرنے پر نہ اسے مرد غسل دیں نہ عورتیں بلکہ ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ کر اسے تیمم کرا دیا جائے، باقی اس پر نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی اشتباہ نہیں اس لئے کہ مرد و عورت کی نماز جنازہ ایک ہی ہے۔ اور اگر نابالغ خنثیٰ ہو تو اس کی نماز جنازہ میں تیسری تکبیر کے بعد چاہے بچے والی دعاء پڑھیں چاہے بچی والی دونوں طرح جائز ہے اور اگر خنثیٰ چار سال سے بھی کم سن ہے تو اسے غسل دیا جائے، غسل خواہ مرد دے یا عورت دونوں طرح درست ہے۔ تفصیل بالا سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ آجکل جتنے ہیجڑے پھرتے ہیں یہ سب مرد ہیں جو ڈاڑھی منڈا کر رنگین کپڑے پہن کر بتکلف عورتوں کی چال ڈھال اختیار کرتے ہیں، حدیث میں ایسے لوگوں پر لعنت آئی ہے لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال (بخاری) ان ہیجڑوں سے عورتوں کو پردہ کرنا فرض ہے، ان کے تمام احکام مَردوں کے سے ہیں۔ (عامۃ الفتاویٰ)

○ قبر میں میت کو دائیں کروٹ پر لٹانا مسنون ہے۔ بعض لوگ میت کو چت لٹا کر صرف چہرہ قبلہ کی طرف پھیر دیتے ہیں یہ دستور غلط ہے۔ (غنیۃ المستملی ص۵۵۳ وغیرھا)

○ قبر کے اندر میت کے اطراف میں بلا ضرورت لکڑی کے تختے، پتھر، سیمنٹ لوہا یا پکی اینٹ لگانا مکروہ تحریمی ہے، اگر مجبوری ہو مثلاً زمین بہت نرم ہو اور قبر گرنے کا اندیشہ ہو تو بقدر ضرورت یہ اشیاء استعمال کر سکتے ہیں مگر لوہے اور پکی اینٹ سے حتی الامکان پرہیز

ہی کیا جائے کہ ان میں آگ کا اثر ہے، ہاں! میت کے اوپر یعنی قبر کا شق پاٹنے میں ان تمام اشیاء کا استعمال بلا کراہت جائز ہے۔ اور قبر کے اوپر اینٹ، سیمنٹ چونا کا استعمال ناجائز و حرام ہے۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ مٹی ڈال کر قبر کوہان نما بنائی جائے اور ایک بالشت یا قدرے زائد بلند ہو، بالشت سے بہت زیادہ اونچا کرنا مکروہ تحریمی ہے اور قبر پر تعمیر کرنا، گنبد یا قبہ وغیرہ بنانا بغرض زینت تو حرام ہے اور بغرض استحکام و مضبوطی مکروہ تحریمی ہے جو گناہ میں حرام ہی کے برابر ہے۔ نشان کے لئے کتبہ لگانا جائز ہے، اس پر مرحوم کا نام اور تاریخ وفات لکھنا بھی درست ہے، باقی قرآنی آیات، اشعار یا میت کی مبالغہ آمیز تعریف و توصیف لکھنا مکروہ ہے۔

(فتاوی عالمگیریہ ص۱۶۶ ج۱۔ رد المحتار ص۲۳۷ ج ۲ وغیرھا)

○ یہ کام مکروہ ہیں : نماز جنازہ میں تاخیر کرنا جیسا کہ آجکل رسم بن گئی ہے کہ دور دراز سے پہنچنے والے اعزہ و اقارب کے انتظار میں یا زیادہ سے زیادہ مجمع بڑھانے کے لئے گھنٹوں میت رکھی رہتی ہے یا رسم رونمائی کی خاطر نماز جنازہ مؤخر کی جاتی ہے۔ نماز جنازہ میں تعجیل کا حکم ایسا مؤکد ہے کہ اگر مکروہ وقت میں بھی جنازہ تیار ہو تو اسی وقت نماز پڑھ لی جائے مکروہ وقت نکلنے کا انتظار نہ کیا جائے ○ بلا عذر مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا خواہ جنازہ مسجد کے اندر ہو یا مسجد سے باہر۔ ہاں مسجد سے باہر کوئی جگہ نہ ہو تو مسجد میں پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ حرمین کرمین میں بھی اسی مجبوری سے نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ عام راستہ میں نماز جنازہ پڑھنا جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہو ○ بلا اجازت دوسرے کی زمین میں بھی نماز جنازہ پڑھنا۔ میت کو مسجد میں داخل کرنا۔ گھر میں یا عام قبرستان سے الگ کسی جگہ دفن کرنا۔ یہ وبا آج کل عام ہو گئی ہے کہ علماء و مشائخ کو ان کی مساجد کے پہلو میں یا مدارس اور خانقاہوں میں دفن کیا جاتا ہے۔ اگر یہ جگہ وقف کی ہو تو تدفین ناجائز ہے اور ذاتی ہو تو تدفین خلاف سنت اور مکروہ ہے۔ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس رسم پر خصوصیت سے نکیر فرمائی ہے، مقتدر حضرات کو چاہئے کہ اپنے پیچھے وصیت کر جائیں کہ انہیں عام قبرستان میں دفن کیا جائے ○ بلا عذر میت کو تابوت میں رکھ کر دفن کرنا، ہاں عذر ہو مثلاً زمین نرم

ہے اور قبر گرنے کا اندیشہ ہے تو تابوت میں دفنانا بلا کراہت جائز ہے۔

○ اور یہ کام ناجائز ہیں : غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنا، دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھنا۔ ہاں اگر میت کا ولی نمازِ جنازہ میں شریک نہ تھا اور نمازِ جنازہ ایسے شخص نے پڑھائی جو مستحقِ امامت نہ تھا تو ولی کو اعادہ کا حق ہے۔ اگر ولی کی غیر موجودگی میں مستحق (حاکمِ وقت، قاضیٔ شہر، امامِ محلہ جو ولی سے افضل ہو) نے نماز پڑھائی تو ولی کو دوبارہ پڑھنے کا حق نہیں۔ میت کو دوسرے مقام میں منتقل کرنا، مستحب تو یہ ہے کہ جہاں انتقال ہو وہیں تدفین ہو۔ دوسرا مقام اگر ایک دو میل کے فاصلہ پر ہے تو منتقل کرنا خلافِ اولیٰ ہے اگر اس سے زیادہ دُور ہے تو منتقل کرنا مکروہ تحریمی ہے اور دفن کرنے کے بعد قبر کھود کر نکالنا تو حرام ہے خواہ امانۃً دفنایا گیا ہو یا مستقلاً۔ پوسٹ مارٹم کرنا۔ اگر کسی مجبوری کے تحت ہو مثلاً کسی کی جان یا مال بچانے کے لئے کیا جائے تو جائز ہے اور ایسی صورت میں بھی میت کا احترام ملحوظ رکھنا (سترِ عورت وغیرہ کا اہتمام) ضروری ہے، میت کے فوٹو لینا، میت کی آنکھوں میں سرمہ کاجل لگانا، سر یا ڈاڑھی میں کنگھا کرنا۔ اسی طرح ناخن تراشنا، بال کترانا مہندی، خضاب یا زیب و زینت کی کوئی اور چیز لگانا۔

یہ کام بے اصل اور بدعت ہیں خیر القرون میں ان کی کوئی اصل نہیں ملتی :

نمازِ جنازہ سے پہلے یا بعد اجتماعی دعاء کرنا۔ یوں انفرادی دعاء ہر شخص ہر وقت کر سکتا ہے۔ میت کے سینہ، پیشانی یا کفن پر کلمۂ شہادت، آیۃ الکرسی یا اور کوئی آیت و دعاء لکھنا۔ اگر بغیر روشنائی کے صرف انگلی کے اشارہ سے کچھ لکھ دیا جائے تو جائز ہے، بشرطیکہ اسے بھی مسنون یا مستحب نہ سمجھا جائے، اسی طرح میت کے سینہ پر یا اس کے ساتھ قبر میں عہد نامہ، شجرہ یا کوئی سورت لکھ کر رکھنا بھی خلافِ ادب اور قابلِ ترک ہے۔ البتہ کوئی اور متبرک چیز (کسی بزرگ کا کپڑا، بال وغیرہ) رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ امام کا مصلّٰی جو عموماً میت کے کفن سے بچا لیا جاتا ہے یا کفن سے زائد مقدار میں خرید لیا جاتا ہے۔ میت کو کندھا دیتے وقت اور لے جاتے ہوئے انفرادی یا اجتماعی صورت میں بلند آواز سے کلمۂ شہادت پڑھنا کوئی اپنے طور پر چاہے تو خاموشی سے کلمہ یا کسی اور چیز کا ورد کر سکتا ہے، جنازہ یا قبر پر پھول

کی چادر ڈالنا۔ تاریخوں میں جمع ہو کر عرس منانا، چادریں چڑھانا، منتیں ماننا اور اس نوع کی دیگر خرافات، جیسے قبروں کا طواف سجدہ وغیرہ۔ بلکہ طواف و سجدہ بنیتِ عبادت ہوں تو صریح شرک ہے۔ (رد المحتار و عامۃ الفتاوٰی)

○ تعزیت تین روز کے بعد جائز نہیں۔ البتہ غائب تین روز کے بعد آئے تو بھی کر سکتا ہے، جماعت کی شکل میں آنے کا اہتمام درست نہیں۔ اتفاقاً ایک ساتھ ہو گئے تو حرج نہیں، ہر ایک کے لئے مستقلاً تعزیت مسنون ہے، البتہ اگر ایک گھرانے کا کوئی بڑا ہے اور اس کے ساتھ اس کے ماتحت لوگ بھی ہیں تو صرف بڑے ہی کی تعزیت کافی ہے،

تعزیت کی دعاء یہ ہے: اعظم اللّٰہ اجرك واحسن عزاءك وغفر لمیتك اس سے زائد بھی ایسا مضمون بیان کیا جا سکتا ہے جس سے غم ہلکا ہو، تسکین اور فکرِ آخرت پیدا ہو۔ تعزیت کی دعاء میں ہاتھ اٹھانا بدعت ہے۔

(احسن الفتاوٰی ص ۲۴۵ ج ۴ - امداد المفتیین ص ۲۱۴)

اس دورِ جہالت میں مسلمانوں کی زندگی میں دوسرے بہت سے گناہوں کی مانند کثرت رسوم و بدعات جس کثرت سے در آئی ہیں وہ کسی درد دل رکھنے والے مسلمان پر مخفی نہیں۔ ان کی زندگی کا شاید ہی کوئی شعبہ ہو جس میں خرافات کی بھرمار نہ ہو۔ بچے کی ولادت، ختنہ، منگنی، نکاح و شادی، موت و تعزیہ۔ غرض خوشی و غمی کے ہر موقع پر شیطان نے خود ساختہ رسوم کا ایک جال پھیلا رکھا ہے۔ ان میں سرفہرست وہ رسوم ہیں جو کسی کے مرنے پر ادا کی جاتی ہیں ان میں سے بعض کا تذکرہ ص ۸ میں گزر چکا۔ مزید ایک رسم میت کے اہل خانہ کی طرف سے دعوتِ طعام کی ہے۔ یہ وبا اکثر علاقوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ رسم عقل و نقل کی رو سے تو ناجائز ہے ہی، انسانی حمیت کے بھی خلاف ہے۔ مرحوم میت کے غم زدہ ورثہ کو تسلی و ڈھارس دینے کے بجائے ان پر پوری برادری کے کھانے کا بوجھ ڈال دینا کیسی سنگدلانہ حرکت ہے؟ میت ہوتے ہی دعوتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل پڑتا ہے، تیجہ، ساتا، دسواں، بیسواں، چالیسواں، سالانہ اور نہ جانے کن کن ناموں سے یہ غیر انسانی رسمیں مدتوں جاری رہتی ہیں اور مرحوم

کے وارثوں کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ برادری کی ان رسموں کو نبھانے کے لئے کبھی وہ قرض اٹھاتے ہیں، کبھی گھریلو اثاثہ تک بیچ ڈالتے ہیں اور یہ تو عام سی بات ہے کہ یہ دعوتیں مرنے والے کے مشترک ترکہ سے کی جاتی ہیں اور وارثوں میں نابالغ بہن، بھائی بلکہ یتیم بچے بھی ہوتے ہیں جن کی رضا و خوشی کا شرعاً کچھ اعتبار نہیں، بلکہ یتیم کا مال کھانا تو نصِ قرآن کی رو سے پیٹ میں آگ بھرنے کے مترادف ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝ (۴-۱۰)

جو لوگ کہ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ناحق وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں، اور عنقریب داخل ہوں گے آگ میں

علامہ کمال الدین ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ روی الامام احمد و ابن ماجۃ باسناد صحیح عن جریر بن عبداللہ قال کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ۔ (فتح القدیر ص۴۷۳ ج۱)

میت کے اہل خانہ کی طرف سے کھانے کی دعوت مکروہ و ناپسندیدہ ہے اس لئے کہ دعوت خوشی کے مواقع میں مشروع ہے نہ کہ غمی کے مواقع میں، اور یہ رسم قبیح بدعت ہے، امام احمد اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ ہم (صحابہ) میت کے گھر لوگوں کے اجتماع اور اہل میت کی طرف سے کھانے کے اہتمام کو نوحہ میں شمار کرتے تھے

اور نوحہ کو حدیث میں عملِ جاہلیت فرمایا گیا۔ نیز نوحہ کرنے والی عورت کو آخرت میں سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے (مسلم عن ابی مالک الاشعری) فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ ص۳۷۹ ج۴ رد المحتار ص۲۴۰ ج۲ وغیرہ پر بھی یہ مسئلہ اسی تفصیل کے ساتھ درج ہے۔

انہی رسموں میں ایک بڑی رسم مروج قرآن خوانی یا قل خوانی کی ہے جس میں لاؤڈ اسپیکروں

میں اعلان کر کر کے بلکہ اخباروں میں اشتہار دے دے کر اہتمام سے لوگوں کو جمع کیا جاتا ہے، نیز مدارس کے طلبہ اور حفاظ کو گھروں میں بلا کر ختم کرایا جاتا ہے۔ اور اشیاء خورد و نوش کے علاوہ عموماً نقدی کی صورت میں بھی انہیں اُجرت ادا کی جاتی ہے۔ ایسی اُجرت کی پڑھائی سے خود پڑھنے والوں کو بھی کوئی ثواب نہیں ملتا۔ آگے میت کو وہ کیا ثواب پہنچائیں گے؟ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رد المحتار ص ۵٦ ج ٦ میں اس رسم کی تردید میں مفصل کلام فرمایا ہے اکابر فقہاء سے اس کا ناجائز اور گناہ ہونا نقل کیا ہے، طوالت کے خوف سے ہم یہ عبارات نقل نہیں کرتے۔ ہم ہر مسلمان کو دعوتِ فکر دیتے ہیں کہ وہ اس موٹی سی حقیقت کو سنجیدگی سے سوچے اور بار بار سوچے کہ میت ہو جانا اور میت سے اُنس و محبت، اس کے لئے ایصالِ ثواب اور نفع رسانی کا جذبہ کوئی نئی چیز تو نہیں جو آج وجود میں آئی ہو، عہدِ نبوت اور دورِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ہزاروں بار حادثہ پیش آیا مگر ان حضرات نے کبھی کسی عزیز سے عزیز ترین رشتہ دار میت کے لئے بھی اس قسم کی دعوتیں نہیں سجائیں، نہ ہی اس انداز سے کسی کے لئے ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان کاموں میں رائی برابر بھی خیر و بھلائی ہوتی تو یہ حضرات ان سے کبھی نہ چوکتے، ہم سے کہیں بڑھ کر ان کا اہتمام کرتے، مگر کیا وجہ ہے کہ زمانہ خیر القرون میں ہمیں کوئی ایک مثال بھی اس قسم کے نمائشی ایصالِ ثواب کی نہیں ملتی، سوچئے! صدقہ و خیرات اور قرآن مجید پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنے سے کوئی مسلمان منع نہیں کرتا، مگر بنیادی شرط یہ ہے کہ یہ کام اخلاص و سادگی سے انجام دیئے جائیں۔ حدیث کی رو سے مقبول ترین صدقہ وہ ہے جو اس انداز سے دیا جائے کہ دایاں ہاتھ دے اور بائیں کو پتہ تک نہ چلے، قرآن مجید یا ذکر و درود کے ذریعے ایصال ثواب جہاں اپنے حق میں ایک اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے وہاں رخصت ہونے والے مسلمان بھائی کے لئے بھی بہترین سوغات ہے مگر یہاں بھی اجتماع و اہتمام کی ضرورت نہیں کہ یہ صورت صرف فرض و واجب عبادات کے لئے متعین ہے (ہاں تراویح وغیرہ کی جماعت حدیث کی رو سے مستثنیٰ ہے) کسی مندوب و مستحب کام حتیٰ کہ نفل نماز کے لئے بھی اجتماع و تداعی کو حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے مکروہ و ممنوع لکھا ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے مقام پر حسب مقدور تلاوت

کر کے ایصالِ ثواب کرے، اس میں کسی کو جتلانے کی کیا ضرورت؟

یہ رسمیں چونکہ ہر طرف عوام و خواص میں یکساں سرایت کر گئی ہیں۔ اچھے بھلے دیندار لوگ بھی ایسے مواقع میں پھسل جاتے ہیں اس لئے محتاط اور دور اندیش علماء و مشائخ نے اپنے وصیت ناموں میں ان رسوم سے بچنے کی تاکید تحریر فرمائی ہے۔ چنانچہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب، بیہقیٔ وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب، حکیم الامۃ حضرت تھانوی قدس سرہٗ، حضرت کے اجلّہ خلفاء اور سیدی و مولائی حضرت مفتی رشید احمد صاحب دام مجدہم کے وصایا میں یہ مضمون پوری وضاحت سے موجود ہے جس کی تفصیل کتاب "احسن الوصایا" میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ہم یہاں صرف حکیم الامۃ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے وصایا میں سے چند جملے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

میرے ایصال ثواب کے لئے کبھی جمع نہ ہوں نہ اہتمام سے نہ بلا اہتمام۔ اگر کسی دوسرے اتفاق سے جمع ہو جاویں تو تلاوت وغیرہ کے وقت قصداً متفرق ہو جائیں اور ہر شخص منفرداً بطور خود جس کا دل چاہے دعاء، وصدقہ و عبادتِ نافلہ سے نفع پہنچاوے۔

(اشرف السوانح ص۲۹ ج ۳۔ احسن الوصایا ص۲۳)

یہاں کسی سطح بین کو اشکال ہو سکتا ہے کہ حضرت قدس سرہ نے جمع ہو کر ایصالِ ثواب کرنے سے کیوں منع فرمایا؟ جبکہ اکیلے اکیلے ایصالِ ثواب کی بنسبت اس میں ثواب کئی گنا زیادہ پہنچ سکتا ہے۔ اس کا جواب حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ خود ارشاد فرماتے ہیں:

"جس طریق سے آج کل قرآن شریف پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے یہ صورت مروجہ ٹھیک نہیں۔ ہاں! احبابِ خاص سے کہہ دیا جائے کہ اپنے اپنے مقام پر حسبِ توفیق پڑھ کر ثواب پہنچا دیں ..... چاہے تین مرتبہ قل ھو اللہ ہی پڑھ کر بخش دیں جس سے ایک قرآن کا ثواب مل جائے گا۔ یہ اس سے اچھا ہے کہ اجتماعی صورت میں دس قرآن ختم کئے جائیں۔ اس میں اکثر اہلِ میت کو جتلانا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہاں تھوڑے بہت کو نہیں دیکھا جاتا، خلوص اور نیت دیکھی جاتی ہے۔" (انفاسِ عیسیٰ ص۲۱۵ ج ۱)

وہ لوگ جو ایک طرف تو ان اکابر سے محبت کا دم بھرتے ہیں مگر دوسری طرف مروّج رسوم و بدعات سے بھی کسی صورت دست کش ہونے کو تیار نہیں، اپنی روش پر غور کریں۔ واللہ الھادی الیٰ سبیل الرشاد

محمد ابراھیم عفا اللہ عنہ
۱۰ رشعبان ۱۴۱۲ھ

زکوٰۃ وصدقات کے

اہم مسائل

بسم الله الرحمن الرحيم

آئینہ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	چند سچی باتیں	۹۳
۲	فریضۂ زکوٰۃ احادیث کی روشنی میں	۹۷
۳	کوتاہیاں	۱۰۵
۴	تعریف اور حکم	۱۱۱
۵	شرائط وجوب زکوٰۃ	۱۱۳
۶	زکوٰۃ کی نیت	۱۱۹
۷	سونے اور چاندی، مالِ تجارت کی زکوٰۃ	۱۲۵
۸	جانوروں کی زکوٰۃ	۱۳۰
۹	عشر وخراج	۱۳۵
۱۰	مصارفِ زکوٰۃ	۱۴۴
۱۱	متفرق مسائل	۱۵۱
۱۲	صدقۂ فطر	۱۶۴
۱۳	صدقۂ خیرات	۱۷۰

چند سچی باتیں

برادرِ گرامی حضرت مفتی محمد ابراہیم صاحب کے رسالہ "نماز کے سو اہم مسائل" کو جو پذیرائی حاصل ہوئی وہ اپنی مثال آپ ہے۔

نماز کی بے شمار کتابیں بازار میں دستیاب ہیں مگر یوں محسوس ہوا کہ عام لوگ جس قسم کی کتاب کی ضرورت محسوس کر رہے تھے وہ ان کو اب ملی ہے ——— ٹھوس مسائل، مفتیٰ بہ اقوال، عام طور پر نظروں سے اوجھل رہ جانے والے امور کی نشاندہی، دو ٹوک اور واضح بات، اختصار اور جامعیت ——— یہ وہ خصوصیات تھیں جن کی بناء پر اس رسالہ کو بہت پسند کیا گیا۔

بعض حضرات نے اختلاف بھی کیا مگر ان میں سے اکثر کا اختلاف دلائل کے وزن سے خالی تھا اب مذکورہ خصوصیات ہی سے متصف، مفتی صاحب کا یہ دوسرا رسالہ ہم قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ یہ سلسلہ قدم بقدم آگے بڑھتا رہے گا اور ان شاء اللہ ہم مختلف عبادات و معاملات کے بارے میں سو سو مسائل پر مشتمل مزید کئی رسائل شائع کریں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سلسلہ کی تکمیل سے قبل ہی "ایک ہزار اہم مسائل" کا مجموعہ شائع کر دیا جائے۔

اسلام کے نظامِ عبادت و معیشت میں زکوٰۃ کو جو اہمیت حاصل ہے، قرآن و سنّت کا تھوڑا سا علم رکھنے والا کوئی بھی شخص اس سے ناواقف نہیں ہوگا اقامتِ صلوٰۃ کے ساتھ ایتاءِ زکوٰۃ کا حکم، زکوٰۃ نہ دینے پر شدید ترین وعیدیں، فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے بے شمار فضائل، دنیا و عقبیٰ کی بشارتیں

یہ سب کچھ تو ہے مگر کتنے ہیں جو اپنے پورے مال کی زکوٰۃ دیتے ہیں؟ کتنے ہیں جو صحیح مصارف پر خرچ کرتے ہیں؟ پھر کتنے ہیں جو زکوٰۃ کے شرعی احکام جانتے ہیں؟ للہ معاف کر دیجئے گا، ایک سچّی بات کہنا چاہتا ہوں ـــــ فیا للعجب! کہ سچّی بات کہنے کے لئے بھی پیشگی معافی مانگنے کی ضرورت پیش آ گئی ـــــ

ان سطور کے ناچیز راقم نے کئی سکّہ بند دینداروں اور پکّے نمازیوں کو زکوٰۃ کے بارے میں تساہل، تغافل اور تجاہل میں مبتلا پایا ہے۔ کئی ایک زکوٰۃ نہیں دیتے، جو دیتے ہیں وہ زکوٰۃ کی مد میں اپنی فیکٹریوں کی نہ بکنے والی مصنوعات کپڑا، چادریں، کمبل، مربّہ جات اور کتابیں ـــــ دے کر جان چھڑا لیتے ہیں، مال بھی نکل گیا زکوٰۃ بھی ادا ہو گئی، رب بھی راضی، نفس بھی ناراض نہیں، جیب پر بوجھ نہیں، طبعِ زر پرست پر ملال کی پرچھائیں نہیں، پتہ ہی نہیں چلتا کہ ہاتھ سے کچھ گیا بھی یا نہیں ـــــ مالی قربانی اور فرض کی ادائیگی کا مفہوم سمجھ میں آئے تو کیسے آئے؟ دنیا والوں کی زبانیں بند کر دیں، بظاہر شرعی حکم کی بجا آوری بھی ہو گئی مگر "لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ" پر نظر جاتی ہے یا یہ آیت سماعت سے ٹکراتی ہے تو ضمیر (اگر اس میں زندگی کی رمق باقی ہو) ملامت کرتا ہے ارے اللہ کے بندے! فرائض کی ادائیگی میں بھی سوداگری؟ وہی ایک کو دو اور دو کو چار کرنے کی ذہنیت؟

اسی ذہنیت پر چھُری چلانے کے لئے تو مالی قربانی کا حکم دیا گیا تھا ـــ اور ایک زکوٰۃ پر ہی کیا موقوف ہے، اکثر مالی معاملات میں ہماری کمزوری کا یہی حال ہے۔

فاسقوں فاجروں کو چھوڑیئے کہ وہ تو شریعت کی غلامی کا طوق اپنی گردن سے اُتار چکے، دُکھ تو میرے اور آپ جیسے ظاہری دینداروں کا ہے کہ مالی معاملات

کو کچھ اہمیت ہی نہیں دیتے، دوسروں کا حق دبا جانا، جھوٹ بول کر اپنا مال چلا لینا، وعدہ خلافی، خیانت، چور بازاری، سود خوری، زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی میں تاویل ـــــ یہ عیب ہی نہیں رہے، عیب ہیں بھی تو ان کا جتنا احساس ہونا چاہیے وہ نہیں ـــــ حالانکہ میرے اور آپ کے آقا صلے اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کی زبان سے صدیق و امین کا لقب ہماری مزعومہ صوفیت کی بناء پر نہیں مالی معاملات میں سچائی کی بنا پر دیا گیا تھا ایک نظر ان لوگوں پر بھی ڈال لیجیے جو بزعم خویش دین کی خدمت اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے نام پر بھولے بھالے لوگوں سے زکوٰۃ و صدقہ وصول کرتے ہیں! یہ وصول شدہ مال لہو و لعب کے مقابلوں اور موسیقی کے پروگراموں کے انعقاد اور ذاتی عیاشیوں پر بے دھڑک خرچ کیا جاتا ہے، جعلی رسیدوں اور جعلی اداروں کی وبا بھی عام ہو گئی ہے۔

معاف کیجیے گا کہ کیا لکھنے بیٹھا تھا اور کیا لکھ گیا، دل کا دردِ پنہاں تھا جو نوکِ قلم پر آ گیا، دعا اپنے لیے اور اس ناقص و عاجز کے لئے بھی ضرور کیجیے گا کہ ربِ کریم ہمیں مالی معاملات میں صفائی اور سچائی کی توفیق مرحمت فرمائے تاکہ ہم عالمی سطح پر اسلام اور اس مظلوم ملک کی بدنامی نہیں بلکہ نیک نامی کا ذریعہ بن سکیں۔

جہاں تک اس رسالہ کا تعلق ہے تو یہ درحقیقت "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" کا صحیح مصداق ہے پڑھنے والے یقیناً اقرار کریں گے کہ کئی مسائل اس میں ہم نے ایسے پڑھے ہیں جن سے اپنی جہالت کی وجہ سے ہم ناواقف تھے اور یہ کہ جوبات بھی لکھی گئی ہے وہ دلیل سے لکھی گئی ہے کوشش یہ کی گئی ہے کہ مفتیٰ بہ اور معتبر اقوال ذکر کیے جائیں پھر بھی انسان سے غلطی کا صدور اس کے انسان ہونے

کا تقاضا ہے، ہر خاص و عام سے درخواست ہے کہ خیر خواہی کے جذبات کے ساتھ چھوٹی بڑی غلطیوں کی نشاندہی ضرور فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشنوں میں تصحیح کی جا سکے۔

دوبارہ گذارش ہے کہ رسائل کا یہ سلسلہ جہالت کے خلاف جہاد ہے اور احکامِ شریعت کی اشاعت کی حقیر سی کوشش بھی — اس جہاد اور کوشش میں ہمارا ساتھ دیجئے، اپنے اپنے حلقوں میں ان کی اشاعت عام کیجئے اور عمل کرنے کی بھی کوشش کیجئے۔

محتاجِ دعاء
محمد اسلم شیخوپوری
خادم مکتبہ حلیمیہ کراچی

فریضۂ زکوٰۃ ــــ احادیث کی روشنی میں

فریضۂ زکوٰۃ کا ذکر قرآن مجید میں بھی متعدد جگہ موجود ہے جہاں اس عظیم مالی فریضہ کی وقعت و منزلت بلا تاخیر اس کی ادائیگی کی تاکید، اس کے مصارف کی تفصیل نیز دولت کے ناجائز ارتکاز پر شدید وعید اور اس نوع کے دوسرے مضامین بسط و تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ علماء کی تصریح کے مطابق قرآن مجید میں ۳۲ مقامات ایسے ہیں جہاں نماز و زکوٰۃ کا یکجا ذکر آیا ہے، مگر ہم اختصار کے پیش نظر یہاں آیات درج کرنے کے بجائے صرف چند احادیث ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں :

(۱) عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بُنِیَ الاسلامُ علیٰ خمسٍ شھادۃِ اَن لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہ واَنَّ محمّدًا رسولُ اللہ واقامِ الصلوٰۃِ وایتآءِ الزکوٰۃِ والحجّ وصومِ رمضانَ

(صحیح بخاری ص۶ ج ۱ صحیح مسلم ص۳۲ ج ۱) واللفظ للبخاری۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پانچ چیزوں پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کا روزہ رکھنا"

عن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من أتاہُ اللہُ مالاً فلم یُؤدِّ زکاتَہُ مُثِّلَ لہ یومَ القیٰمۃ

شُجاعًا اَقرَعَ لَہٗ زَبِیبَتَانِ یُطَوَّقُہٗ یَومَ القِیٰمَۃِ ثُمَّ یَاْخُذُ بِلِھزِمَتَیہِ یعنی بِشِدقَیہِ ثُمَّ یَقُولُ اَنَا مَالُكَ اَنَا كَنزُكَ ثُمَّ تَلَا وَلَا یَحسَبَنَّ الَّذِینَ یَبخَلُونَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِن فَضلِہٖ ھُوَخَیرًا لَّھُم بَل ھُوَ شَرٌّ لَّھُم سَیُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِہٖ یَومَ القِیٰمَۃِ (صحیح بخاری ص۱۸۸ ج۱)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کسی کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا اور اس نے اس مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی تو قیامت کے روز اس مال کو ایک گنجے (نہایت زہریلے) سانپ کی صورت دی جائے گی جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے (نہایت خوفناک خطرناک ہوگا) وہ سانپ قیامت کے روز طوق بنا کر اس کے گلے میں لپیٹ دیا جائیگا پھر اس کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا "میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی:

"اور ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ایسی چیزیں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات کچھ ان کے لئے اچھی ہوگی بلکہ یہ بات ان کے لئے بہت ہی بُری ہے وہ لوگ قیامت کے دن طوق پہنا دیئے جائیں گے اس کا جس میں انہوں نے بخل کیا تھا۔"

عن ابی ذرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال انتھیتُ الی النّبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو جَالِسٌ فی ظِلِّ الکعبۃ فَلَمَّا رَاٰنی قَالَ ھُمُ الاَخسَرُونَ وَرَبِّ الکَعبَۃِ قال فجئتُ حتّٰی جلستُ فلم اَتَقَارَّ اَن قُمتُ فقلتُ یَا رَسُولَ اللہِ فِدَاكَ اَبِی وَ اُمّی من ھُم؟ قَالَ ھُم

الْاَكْثَرُوْنَ اَمْوَالاً - اِلاَّ مَن قال هٰكَذَا وهٰكَذَا وهٰكَذَا مِن بَيْنِ يَدَيْهِ ومِن خلفه وَعَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وقَلِيْلٌ مَّاهُمْ، مَا من صاحِبِ اِبِلٍ وَلاَ بَقَرٍ وَلاَ غَنَمٍ لاَ يُؤَدِّيْ زَكَاتَهَا اِلاَّ جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْظَمَ مَا كَانَتْ وَاَسْمَنَهُ تَنْطِحُهٗ بِقُرُوْنِهَا وَ وَتَطَؤُهٗ بِاَظْلاَفِهَا كُلَّمَا نَفِدَتْ اُخْرَاهَا عَادَتْ عَلَيْهِ اُوْلاَهَا حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ (صحیح بخاری ص۱۹۶ ج۱، صحیح مسلم ص۳۲۰ ج۱)

واللفظ لمسلم

"حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سائے میں تشریف فرما تھے، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو مجھے دیکھتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ بہت خسارے میں رہے" میں آکر بیٹھا اور بیٹھتے ہی فوراً اکھڑے ہوکر عرض کیا یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار ہوں وہ کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ مالدار لوگ ہیں ہاں مگر جو شخص اس طرح، اس طرح، اس طرح اور اس طرح اپنے آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف سے بے دریغ خرچ کرے، اور یہ بہت کم لوگ ہیں جو اونٹوں گائیوں اور بکریوں والا دنیا میں ان اموال کی زکوٰۃ نہیں دیتا قیامت کے روز یہ جانور بڑے جسم کے ساتھ اور فربہ حالت میں آئیں گے اسے اپنے سینگوں سے ٹکریں مارتے اور پاؤں سے روندتے رہیں گے جب ان کی پچھلی ٹولی ختم ہوگی تو پہلی لوٹ آئے گی حتی کہ لوگوں کے مابین فیصلہ کیا جائے (محشر کا پورا دن اسی کیفیت میں گذرے گا)

④ اَخْبَرَ اَبُوْصَالِحٍ ذَكْوَانُ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَاهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ
وَلَا فِضَّةٍ لَا يُؤَدِّيْ مِنْهَا حَقَّهَا اِلَّا اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ صُفِّحَتْ
لَه صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ فَاُحْمِيَ عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوٰى بِهَا جَنْبُهٗ وَ
جَبِيْنُهٗ وَظَهْرُهٗ كُلَّمَا رُدَّتْ اُعِيْدَتْ لَهٗ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ
خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرٰى سَبِيْلَهٗ اِمَّا اِلَى
الْجَنَّةِ وَ اِمَّا اِلَى النَّارِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! فَالْاِبِلُ قَالَ وَلَا صَاحِبُ
اِبِلٍ لَّا يُؤَدِّيْ مِنْهَا حَقَّهَا وَمِنْ حَقِّهَا حَلْبُهَا يَوْمَ وِرْدِهَا اِلَّا
اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ اَوْفَرَ مَا كَانَتْ لَا يَفْقِدُ
مِنْهَا فَصِيْلًا وَّاحِدًا تَطَؤُهٗ بِاَخْفَافِهَا وَتَعَضُّهٗ بِاَفْوَاهِهَا كُلَّمَا
مَرَّ عَلَيْهِ اُوْلَاهَا رُدَّ عَلَيْهِ اُخْرَاهَا فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ
اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرٰى سَبِيْلَهٗ اِمَّا اِلَى الْجَنَّةِ
وَ اِمَّا اِلَى النَّارِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! فَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ قَالَ وَلَا
صَاحِبُ بَقَرٍ وَّلَا غَنَمٍ لَّا يُؤَدِّيْ مِنْهَا حَقَّهَا اِلَّا اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ
بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ لَا يَفْقِدُ مِنْهَا شَيْئًا لَيْسَ عَقْصَاءُ وَلَا جَلْحَاءُ
وَلَا عَضْبَاءُ تَنْطَحُهٗ بِقُرُوْنِهَا وَتَطَؤُهٗ بِاَظْلَافِهَا كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ
اُوْلَاهَا رُدَّ عَلَيْهِ اُخْرَاهَا فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ
حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرٰى سَبِيْلَهٗ اِمَّا اِلَى الْجَنَّةِ وَ اِمَّا اِلَى
النَّارِ الحديث (صحیح مسلم ص ۳۱۸ ج ۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص سونے چاندی
کا مالک ہو اور ان کا حق ادا نہ کرے تو قیامت کے روز اس کے لئے آگ
کے پتھر بنائے جائیں گے اور انہیں جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان کے

ساتھ اس کے پہلو، پیشانی اور پُشت کو داغا جائے گا، جب ٹھنڈے ہونے لگیں گے تو پھر لوٹا دیئے جائیں گے۔ یہ معاملہ اس پورے دن میں رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہے حتیٰ کہ بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے اور یہ اپنا راستہ جنت یا جہنم کی طرف دیکھ لے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اونٹوں کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اونٹوں والا اونٹوں کا حق ادا نہیں کرتا —— اور منجملہ ان کے حقوق کے ایک حق پانی پلانے کے دن اونٹنیوں کا دودھ دوھنا بھی ہے (تبرعاً مساکین میں دودھ تقسیم کرنا) —— تو قیامت کے روز اونٹوں کے سامنے اسے ایک ہموار میدان میں منہ کے بل لٹا دیا جائے گا، اونٹ خوب فربہ ہو کر آئیں گے اور سب کے سب آئیں گے ان میں ایک بچہ بھی کم نہ ہوگا وہ اسے اپنے پاؤں سے روندیں گے اور دانتوں سے کاٹیں گے جب ان کی پہلی قطار گذر جائے گی تو دوسری لائی جائے گی اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے حتیٰ کہ لوگوں کے مابین فیصلہ کر دیا جائے اور یہ اپنا راستہ جنت یا جہنم کی طرف دیکھ لے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ گائیوں اور بھیڑ بکریوں کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو گائیوں اور بھیڑ بکریوں کا مالک ان کا حق ادا نہیں کرتا (زکوٰۃ نہیں دیتا) قیامت کے روز ان کے سامنے اسے ایک ہموار میدان میں منہ کے بل لٹا دیا جائے گا ان میں کوئی جانور کم نہ ہوگا، نہ ان میں کوئی مڑے سینگ کا نہ بے سینگ کا اور نہ ٹوٹے سینگ کا ہوگا (کہ عذاب میں کسی قسم کی تخفیف ہو) وہ اسے سینگوں سے مارتے اور پاؤں سے روندتے رہیں گے جب ایک قطار گزر جائے گی تو دوسری لائی جائے گی اس دن میں جس کی مقدار

پچاس ہزار برس ہے حتی کہ لوگوں کے مابین فیصلہ کردیا جائے اور یہ اپنا راستہ جنت یا جہنم کی طرف دیکھ لے ....

⑤ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال لَمَّا تُوُفِّیَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ اَبُوْبَکْرٍ بَعْدَہٗ وَکَفَرَ مَنْ کَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِاَبِیْ بَکْرٍ کَیْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ فَمَنْ قَالَ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ فَقَدْ عَصَمَ مِنِّیْ مَالَہٗ وَنَفْسَہٗ اِلَّا بِحَقِّہٖ وَحِسَابُہٗ عَلَی اللّٰہِ تَعَالٰی فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ وَاللّٰہِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ فَاِنَّ الزَّکٰوۃَ حَقُّ الْمَالِ وَاللّٰہِ لَوْمَنَعُوْنِیْ عِقَالًا کَانُوْا یُؤَدُّوْنَہٗ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُھُمْ عَلٰی مَنْعِہٖ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَوَاللّٰہِ مَا ھُوَ اِلَّا اَنْ رَاَیْتُ اللّٰہَ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ اَبِیْ بَکْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ اَنَّہُ الْحَقُّ

(صحیح بخاری ص۱۸۸ ج ۱، صحیح مسلم ص۳۷ ج ۱) واللفظ لمسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ ان لوگوں سے (ان کی کلمہ گوئی کے باوجود) کیوں قتال کررہے ہیں؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مجھے اس وقت تک لوگوں سے لڑنے کا حکم ہے جب تک کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نہ کہدیں، جس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہدیا اس نے مجھ سے اپنے جان و مال کو بچالیا مگر حق اسلام کے ساتھ اور حساب اس کا اللہ تعالیٰ پر ہے اس پر حضرت

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اس شخص سے ضرور قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے، یقیناً زکوٰۃ مالی حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر انہوں نے اونٹ باندھنے کی ایک رسّی دینے سے بھی انکار کر دیا جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ادا کرتے تھے تو میں اس پر بھی ان سے قتال کروں گا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم! بات کچھ نہ تھی سوائے اس کے کہ میں نے دیکھا اللہ تعالیٰ نے قتال کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ کا سینہ کھول دیا پس میں نے بھی جان لیا کہ یہی حق ہے (یعنی قتال کا موقف)۔

(۶) عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ فَرَضَ عَلٰی اَغْنِیَاءِ الْمُسْلِمِیْنَ فِیْ اَمْوَالِھِمْ بِقَدْرِ الَّذِیْ یَسَعُ فُقَرَائَھُمْ وَلَنْ تُجْھَدَ الْفُقَرَآءُ اِذَا جَاعُوْا وَ عُرُوْا اِلَّا بِمَا یَصْنَعُ اَغْنِیَاءُھُمْ اَلَا وَاِنَّ اللّٰہَ یُحَاسِبُھُمْ حِسَابًا شَدِیْدًا وَ یُعَذِّبُھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا۔

رواہ الطبرانی فی الصغیر ص۱۲۵ ج۱ والاوسط ص ج تفرّد به ثابت بن محمّد الزاهد وقال الهیثمی رحمه الله تعالیٰ قلت ثابت من رجال الصحیح وبقیة رجاله وثقوا وفیهم کلام۔

(مجمع الزوائد ص۶۲ ج۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمان دولت مندوں پر ان کے اموال میں اس قدر حقوق عائد کر دیئے ہیں جو ان کے فقراء کو کفایت کریں (ان کا فقر دور کر دیں) اور فقراء بھوکے ننگے ہونے کی تکلیف ہرگز برداشت نہیں کرتے مگر

دولت مندوں کے بخل کے سبب؛ خبردار اللہ تعالیٰ ان دولت مندوں سے سخت حساب لیں گے اور انہیں دردناک عذاب دیں گے "

⑦ قال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا تَلِفَ مَالٌ فِیْ بَرٍّ وَلَا بَحْرٍ اِلَّا بِحَبْسِ الزَّکٰوۃِ

رواہ الطبرانی فی الاوسط وقال الھیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ فیہ عمر بن ھارون وھو ضعیف۔ (مجمع الزوائد ص۶۳ ج ۳)

" ارشاد فرمایا خشکی وسمندر میں جو بھی مال ضائع ہو جاتا ہے وہ زکوٰۃ روکنے کے سبب ضائع جاتا ہے "

⑧ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَمْسٌ بِخَمْسٍ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! وَمَا خمس بخمس قال ما نقض قومٌ العَھْدَ اِلَّا سُلِّطَ عَلَیْھِمْ عَدُوُّھُمْ وَمَا حَکَمُوْا بِغَیْرِ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَّا فَشَا فِیْھِمُ الْمَوْتُ وَمَا مَنَعُوا الزَّکٰوۃَ اِلَّا حُبِسَ عَنْھُمُ الْمَطَرُ وَلَا طَفَّفُوا الْمِکْیَالَ اِلَّا حُبِسَ عَنْھُمُ النَّبَاتُ وَاُخِذُوْا بِالسِّنِیْنَ۔

رواہ الطبرانی فی الکبیر وقال الھیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ فیہ اسحاق بن عبد اللہ بن کیسان المروزی لینہ الحاکم وبقیۃ رجالہ موثقون وفیھم کلام۔ (مجمع الزوائد ص۶۵ ج ۳)

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے بدلے میں آتی ہیں، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کون سی پانچ چیزیں کن پانچ چیزوں کے بدلے میں آتی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قوم عہد شکنی کرتی ہے ان پر دشمن مسلط کر دیا جاتا ہے،

اور جو قوم کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کرتی ہے ان میں اموات کی کثرت ہوجاتی ہے اور جو قوم زکوٰۃ کی ادائیگی روک دیتی ہے ان سے بارش روک دی جاتی ہے اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے اس سے پیداوار روک دی جاتی ہے اور قحط و خشک سالی کے عذاب میں پکڑلی جاتی ہے۔

(۹) عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الزکوٰۃ قنطرۃ الاسلام

رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط ورجالہ موثقون الا أن بقیۃ مدلس وھو ثقۃ (مجمع الزوائد ص۶۲ ج ۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "زکوٰۃ اسلام کا پل ہے"

(۱۰) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما خالطت الصدقۃ مالا قط الا اھلکتہ

(مسند الحمیدی ص۱۱۵ مسند الشافعی ص۲۲ ج ۱) وقال الھیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ فیہ عثمان بن عبد الرحمن الجمحی قال ابو حاتم یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ (مجمع الزوائد ص۶۲ ج ۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مالِ زکوٰۃ جس مال میں شامل ہوگیا اسے برباد کردیا (زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے سبب پورا مال ہوجاتا ہے)۔

کوتاہیاں

یوں تو آج کے غفلت کیش مسلمان کی بے التفاتی اور سرد مہری دین کے تمام شعبوں میں دیدنی ہے مگر شعبہ عبادات میں ایسی ایسی مضحکہ خیز اور

انوکھی غلطیاں دیکھنے میں آرہی ہیں جنہیں سچ باور کرنے کو دل کسی طور آمادہ نہیں بلکہ دیکھنے والا بے اختیار چیخ اٹھتا ہے ع

این کہ مے بینم بہ بیداری است یارب یا بہ خواب؟

طرفہ یہ کہ یہ غلطیاں دیندار اور متشرع لوگوں کی طرف سے دیکھنے میں آرہی ہیں اور ان کا منشأ بھی ہر جگہ جہالت و لاعلمی نہیں بلکہ غفلت و بے اعتنائی ہے ـــــ کس مسلمان کو معلوم نہیں کہ زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کا مصرف صرف فقراء و مستحقین ہیں مگر کتنے مسلمان ہیں جو زکوٰۃ و صدقات دیتے وقت اس کی پوری تحقیق کرلیتے ہوں کہ یہ شرعی معنوں میں مستحقِ زکوٰۃ ہے بھی یا نہیں؟

ایک دفعہ مرشدی حضرت مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم سے کسی نے فون پر دریافت کیا کہ ہمارے محلّے میں ایک بیوہ خاتون ہیں، ان کی بیوگی اور بے چارگی کو دیکھ کر تمام لوگ انہیں زکوٰۃ و صدقات کی رقوم دے رہے ہیں کیا ہم بھی دیدیں؟ حضرت نے فرمایا صرف بیوہ ہونا تو استحقاق کی ضمانت نہیں، تحقیق کرلیجئے کہ وہ واقعۃً مستحق ہیں یا نہیں؟ ورنہ بیوہ تو صدر مملکت بھی ہوسکتی ہے، تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کی ملک میں پچاس تولہ سونا ہے

ایک جگہ میں نے خود دیکھا کہ ماہ رمضان المبارک میں ایک بڑے میاں کو ـــ صرف ان کی فقیرانہ صورت دیکھ کر ـــــ لوگ دھڑا دھڑ زکوٰۃ کی رقمیں دے رہے ہیں، تھوڑی سی پوچھ گچھ کی تو وہ بولے کہ اتنے ہزار روپے جمع کرچکا ہوں اور ابھی مزید جمع کررہا ہوں ایک دوست نے آکر بتایا کہ میرے پاس زکوٰۃ کی اتنی رقم جمع ہے میں کسی صحیح مصرف کی تلاش میں ہوں مگر بیوی کا اصرار ہے کہ یہ پوری رقم فلاں بیوہ خاتون کو دیدی جائے میں نے کہا دینے میں کچھ مضائقہ نہیں مگر تحقیق ضرور

کیجیے کہ پہلے سے اس کے ملک میں کیا کچھ ہے؟ زیور اور نقدی کے علاوہ زائد از ضرورت اشیاء کی بھی پڑتال کرلیجئے بالخصوص اس بات کی کہ اس کی ملک میں ٹی، وی تو نہیں؟ اور یہ اس لئے کہا کہ کیا غریب اور کیا امیر آج کل گھر گھر میں ٹی، وی کی لعنت داخل ہوچکی ہے، چنانچہ دوسرے ہی دن انہوں نے آکر بتایا کہ ٹی، وی اس کے پاس موجود ہے اور یہ کہ وہ اسے کسی قیمت پر گھر سے نکالنے کو بھی آمادہ نہیں ہے۔ یہ چند واقعات بندہ کے چشم دید تھے جو بے اختیار نوکِ قلم پر آگئے ورنہ جستجو کی جائے تو قدم قدم پر اس قسم کے واقعات بکھرے ہوئے مل جائیں گے جو لوگ فرائض کے تارک ہیں ان سے دینی مسائل میں تخاطب فضول ہے مگر جو حضرات اپنے تئیں پابندِ فرائض، دیندار اور پارسا ہیں انہیں یہ بات گرہ میں باندھ لینی چاہیئے کہ کسی بھی عبادت سے اس وقت تک عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں جب تک کہ اس کے بنیادی شرائط وارکان کو پورا نہ کیا جائے۔ زکوٰۃ کے معاملے میں برتی جانے والی کوتاہیوں کا تذکرہ چونکہ اس کتاب میں متفرق مقامات پر تفصیل سے آچکا ہے اس لئے یہاں ان کا اعادہ کرنے کے بجائے صرف اجمالی تذکرہ کافی معلوم ہوتا ہے۔

(١) بہت سے مسلمان تو سرے سے اس فرض کے تارک ہیں جس کا منشاء ان کی آخرت فراموشی، بخل وتنگدلی اور حُبِّ مال وزر ہے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ انہیں موت کی یاد دلائی جائے، زکوٰۃ روکنے پر احادیث میں جو شدید وعیدیں سنائی گئیں وہ ان کے علم میں لائی جائیں، یہ مضمون ابھی گذشتہ صفحات میں مفصل گزر چکا ہے

(٢) بہت سے مسلمانوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کن کن اموال پر زکوٰۃ آتی ہے اور ان کا نصاب کیا ہے؟ یعنی کتنی مقدار پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے؟ حالانکہ

ہر مالدار مسلمان پران بنیادی مسائل سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے
اموالِ زکوٰۃ میں سونا چاندی مال تجارت، نقدی اور مال مویشی کے علاوہ
زمینی پیداوار شامل ہے۔ ان تمام اموال کے احکام الگ الگ عنوانات
کے تحت اس کتاب میں مذکور ہیں۔

③ کچھ لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں لیکن حساب سے پورے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتے تو جتنے مال کی زکوٰۃ ان کے ذمہ رہ گئی اس حد تک یہ بھی تارکِ زکوٰۃ شمار ہوں گے

④ بعض لوگ پورے حساب سے زکوٰۃ دیتے ہیں لیکن حساب وہ محض اپنی رائے سے غلط سلط کر لیتے ہیں، کسی عالم سے پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے، چنانچہ ایک دیندار متشرع شخص نے بتایا کہ میں سالوں سے پابندی کے ساتھ زکوٰۃ دیتا ہوں مگر حساب کر کے صرف اس رقم کی زکوٰۃ نکالتا ہوں جو سال بھر محفوظ رہے۔ بندہ نے سمجھایا کہ اگر مقررہ تاریخ سے ایک دن پہلے بھی لاکھوں کی رقم آجائے تو اسے بھی محفوظ رقم میں شامل کر کے دوسرے ہی دن اس کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ وہ پریشان ہو کر پوچھنے لگے اب گذشتہ سالوں کا حساب کیسے کروں؟ اس مسئلہ کی تفصیل مسئلہ ۳۱ میں دیکھ لی جائے۔

⑤ ادائے زکوٰۃ کے لئے ضروری ہے کہ مالِ زکوٰۃ مساکین کی ملک کر دیا جائے اس میں بھی لوگ کئی طرح کی غلطیاں کرتے ہیں۔ بعض لوگ فقیر کو نقد رقم دینے کے بجائے بنیتِ زکوٰۃ اسے قرض معاف کر دیتے ہیں اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ بعض لوگ زکوٰۃ کی نیت سے کھانا تیار کر کے لوگوں کی دعوت کر دیتے ہیں۔ اس میں تفصیل یہ ہے کہ کھانا اگر ان کی ملک کر دیا جائے کہ چاہیں یہاں بیٹھ کر کھالیں اور چاہیں تو اٹھا کر گھر لے جائیں تب تو تیار کھانے کی قیمت

کے بقدر زکوٰۃ ادا ہوگئی، اور صرف کھانے کا اختیار دیا جیسا مہمان کو دیا جاتا ہے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوئی۔ یہ تفصیل بھی اس صورت میں ہے کہ کھانے والے مصرفِ زکوٰۃ ہوں۔ اسی طرح کئی لوگ اپنی زکوٰۃ یا عشر امام اور مؤذن کو تنخواہ میں دیدیتے ہیں اس سے بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ اس مسئلہ کی پوری توضیح مسئلہ ع۲۶ اور ع۶۸ میں دیکھ لی جائے

(٦) بہت سے لوگ اپنی زکوٰۃ اور صدقات صحیح مصرف میں صرف نہیں کرتے مثلاً یہ رقم کسی پیشہ ور سائل کو دیدی یا کسی رفاہی تنظیم میں دیدی یہ پوچھے بغیر کہ وہ آگے کہاں صرف ہوگی؟ کئی لوگ مستحقِ زکوٰۃ ہر اس شخص کو سمجھتے ہیں جس پر زکوٰۃ فرض نہ ہو حالانکہ یہ مفروضہ بھی غلط ہے۔ اس مسئلہ کو پوری طرح سمجھنے کے لئے مسئلہ ع۶۸ تا ع۸۴ کا مطالعہ ضروری ہے۔

(٧) ادائے زکوٰۃ کی تاریخ کا محفوظ رکھنا ہر صاحب نصاب مسلمان پر ضروری ہے یعنی جس دن کوئی شخص بقدر نصاب مال کا مالک ہو وہ دن ادائے زکوٰۃ کیلئے متعین ہے اس پر ضروری ہے کہ اس دن کی اسلامی تاریخ کو محفوظ رکھ کر ہر سال اسی تاریخ میں حساب کرے اس دن جتنا مال اس کی ملک میں ہو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ بہت سے مسلمان اس طرف کوئی توجہ نہیں دیتے، حالانکہ اس کے بغیر پورے مال کا حساب کرنا ممکن نہیں۔ ملاحظہ ہو مسئلہ ع۸۵

(٨) صدقۂ فطر کے مسائل میں بھی اکثر و بیشتر وہی غلطیاں دہرائی جاتی ہیں جو زکوٰۃ کے باب میں لکھی گئیں کہ بہت سے لوگ سرے سے ادا ہی نہیں کرتے اور کئی لوگوں کے ذمہ یہ واجب ہوتا ہے مگر انہیں اس کا علم نہیں ہوتا، وہ سمجھتے ہیں صدقۂ فطر بھی صرف اسی کے ذمہ واجب ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہے حالانکہ یہ مسئلہ غلط ہے، جو لوگ صدقۂ فطر ادا کرتے ہیں وہ دورانِ ادائگی

طرح کی غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں جن کے ازالہ کے لئے کتاب کے آخر میں درج مسائل صدقہ فطر کا مطالعہ مفید رہے گا۔

محمد ابراہیم
مدرس دارالعلوم محمودیہ
گلشن عزیز کالونی صادق آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعریف اور حکم

① زکوٰۃ کی حقیقت ہے اپنے مال کے ایک مخصوص حصہ کا کسی مستحق غیر ہاشمی مسلمان کو خالصۃً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مالک بنا کر اپنا مفاد کلیۃً اس سے منقطع کر لینا۔[1]

زکوٰۃ ارکانِ اسلام میں سے ایک بنیادی رکن اور شریعت کا محکم فریضہ ہے، اس کا منکر باجماع امت کافر اور ادا نہ کرنے والا فاسق و مردود الشہادۃ اور مستحقِ قتل ہے۔[1]

ایسے شخص کے لئے قرآن و احادیث میں سخت ترین وعیدیں آئی ہیں۔

جو بندۂ حرص و آز زکوٰۃ ادا کئے بغیر مال سمیٹنے میں مشغول ہے وہ درحقیقت اژدھا پال رہا ہے جو قیامت کے روز گلے کا طوق بن کر اسے ڈستا رہے گا۔

(صحیح بخاری)

② نصاب پر سال گذرتے ہی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے اس میں بلا عذر تاخیر کرنے والا گنہگار اور مردود الشہادۃ ہے (فتح القدیر ص۱۵۵ ج ۲ رد المحتار ص۱۲ ج ۲)

③ جس شخص نے کئی سالوں تک زکوٰۃ نہیں دی تو مرنے سے پہلے پہلے سالہائے گذشتہ کی زکوٰۃ ادا کر دینا فرض ہے۔ ادا نہ کرے تو ترکہ چھوڑنے کی صورت میں اداءِ زکوٰۃ کی وصیت کر جانا واجب ہے ورنہ بلا وصیتِ اداء اسی حال میں موت

---

[1] اما تفسیرها فهی تملیك المال من فقیر مسلم غیر هاشمی ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن الملك من كل وجه لله تعالٰی، هذا فی الشرع كذا فی التبیین، واما صفتها فهی فریضة محكمة یكفر جاحدها ویقتل مانعها هكذا فی محیط السرخسی -

(عالمگیریہ ص۱۷۰ ج ۱ و عامۃ الفتاویٰ)

آگئی تو تارکِ فرض اور سخت گنہگار ٹھہرا۔ (بدائع الصنائع صـ۳۳ ج، رد المحتار صـ۶۴۸ ج۲)
اور گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جتنے سالوں کی زکوٰۃ واجب الادا ہو ان میں سے پہلے سال کی زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے مال کا چالیسواں حصہ منہا کرلے دوسرے سال کی زکوٰۃ کے لئے اس بقیہ مال کا چالیسواں حصہ منہا کرلے۔ آگے تیسرے سال کی زکوٰۃ کے لئے بقیہ مال (جس سے دوبار زکوٰۃ منہا کی جاچکی) کا چالیسواں حصہ کم کرلے، اس طرح جتنا مال بچتا جائے بقیہ سالوں کی زکوٰۃ بالترتیب اس سے منہا کرتا جائے حتیٰ کہ تمام سال پورے ہو جائیں۔ (رد المحتار صـ۲۶ ج ۲ وغیرہ)
البتہ اگر وجوبِ زکوٰۃ کے بعد مال کسی ایسے سبب سے تلف ہو گیا جس میں صاحبِ مال کا کوئی عمل دخل نہیں مثلاً حفاظت کے باوجود چور لے گئے تو اس کی زکوٰۃ ساقط ہے
(طحطاوی علی مراقی الفلاح صـ۳۹۱ وعامۃ الکتب)

(۴) افضل طریقہ یہ ہے کہ زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ علانیہ طور پر ظاہر کرکے ادا کئے جائیں، اور صدقاتِ نافلہ چھپا کر (قاضی خان علی ھامش الھندیہ صـ۲۶۰ ج ۱)

(۵) حکومت جو بنک سے زکوٰۃ کاٹتی ہے اس سے بچنے کے لئے بعض لوگ بنک کے کاغذات میں اپنے آپ کو غیر مسلم لکھوا دیتے ہیں، اس سے اڑھائی فی صد رقم تو بچ جاتی ہے مگر دین کی پونجی غارت ہو جاتی ہے۔ یہ انتہاء درجہ کی شقاوت و بدنصیبی ہے کہ چند کوڑیوں کی خاطر متاعِ ایمان کو داؤ پر لگا دیا جائے۔ ایسا شخص اپنی ہی زبانی اقرارِ کفر کرکے دائرۂ ایمان سے نکل چکا، اس پر تجدیدِ ایمان فرض ہے، حکومت کو بھی اس کا سدباب کرنا چاہئے عــہ۔

عــہ رجل قال لآخر: مغی باخوارزمی فقال مغ، او قال لست بمسلم؟ فقال لا او قال لامرأتہ یا کافرۃ فقال ھمچنیں ام (الی قولہ) یکفر (خلاصۃ الفتاوی صـ۳۸۷ ج ۴)

شرائط وجوبِ زکوٰۃ

(۶) وجوبِ زکوٰۃ کے لئے درج ذیل دس شرطوں کا وجود ضروری ہے:
(۱) مسلمان ہونا (۲) بالغ ہونا (۳) عاقل ہونا (۴) آزاد ہونا (۵) مال کا بقدرِ نصاب ہونا (۶) ملک تام پایا جانا، یعنی مال کا مالک بھی ہو اس پر قابض بھی ہو (۷) مال کا حاجاتِ اصلیہ (بنیادی ضروریات) سے فارغ ہونا (۸) قرض سے فارغ ہونا (۹) مال کا نامی (بڑھنے والا) ہونا (۱۰) نصاب پر سال گذرنا۔ (بدائع الصنائع صہ ج ۲، فتاویٰ عالمگیریہ صہ۱۷۱ ج ۱ وعامۃ المتون)

(۷) کافر پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اگر معاذ اللہ کوئی مسلمان مرتد ہو گیا تو زکوٰۃ اس سے ساقط ہو گئی اور دوبارہ مسلمان ہونے پر بھی زمانۂ ارتداد کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں۔ (البحر الرائق صہ۲۰۲ ج ۲ وغیرہ)

(۸) نابالغ کے مال میں زکوٰۃ نہیں، خواہ وہ کتنا ہی مالدار ہو۔ وقت بلوغ سے سال پورا ہونے پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہوگی، اسی طرح مجنون کے مال پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں جبکہ مرض جنون مستقل اور دائمی ہو یعنی اسی حالت میں وہ بلوغ کو پہنچا ہو، پھر کسی وقت اگر اسے صحت ہو جائے تو وقتِ صحت سے سالِ زکوٰۃ کی ابتداء ہوگی، اور گذشتہ زمانہ (جو جنون میں گذرا) کی زکوٰۃ اس سے ساقط ہے۔ اور اگر جنون عارضی ہے یعنی بلوغ کے بعد لاحق ہوا، تو اگر پورا سال حالتِ جنون میں گذرا تو زکوٰۃ ساقط ہے اور اگر سال کے کسی حصے میں افاقہ ہوا۔ خواہ ذرا سے وقت کے لئے ہو۔ تو زکوٰۃ واجب ہے۔ (فتاویٰ عالمگیریہ صہ۱۷۲ ج ۱ وغیرہ)

(۹) جس مال پر مالک کی ملکیت ثابت ہے مگر اس کا قبضہ نہیں تو اس کی

زکوٰۃ واجب نہیں جیسے عورت کا حق المہر، شوہر کا بدل خلع یا وہ مال جو گم ہوگیا دریا میں ڈوب گیا یا کسی نے غصب کرلیا اور مالک کسی ذریعے سے غاصب سے لوٹانے پر قادر نہیں، یا کسی نے قرض لیا اور ادائیگی سے مُکر گیا اور یہ وصول کرنے پر قادر نہیں، اسی طرح مالِ مرہون کی زکوٰۃ نہ راہن (مالک) پر ہے نہ مرتہن پر، یہ اموال وصول ہوجائیں تو ان کی گذشتہ برسوں کی زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور جس مال پر قبضہ ہے مگر ملکیت نہیں تو اس مال کی زکوٰۃ بھی اس شخص پر نہیں جیسے دوسرے کا غصب کردہ مال، امانت، عاریت وغیرہ۔

(فتاویٰ عالمگیریہ ص۱۵۲ ج ۱ و عامۃ الکتب)

(۱۰) جو رقم دوسروں پر قرض ہے، اس کی زکوٰۃ ادا کرنا مالک کے ذمہ فرض ہے مگر قرض کی تین قسمیں ہیں[عہ] (۱) وہ رقم جو کسی کو نقد دی گئی یا مالِ تجارت کے عوض واجب ہوئی یا ایسے مویشیوں کا عوض ہے جن پر زکوٰۃ فرض ہے تو بشرطِ نصاب اس قرض کی زکوٰۃ فرض ہے، مگر ادائیگی جب فرض ہوگی کہ جب کچھ وصول ہو۔ جتنا جتنا وصول ہوتا جائے اتنے کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے موجودہ سال کی بھی اور گذشتہ سالوں کی بھی[سہ]۔ (۲) وہ رقم جو مالِ تجارت کے سوا کسی دوسرے مال کے عوض واجب ہوئی مثلاً گھر کا سامان یا سواری کا جانور کسی کے ہاتھ فروخت کیا ایسی رقم جب بقدرِ نصاب وصول ہوا اور اس پر سال گذرے تب اس کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہوگی، اس میں گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں (۳) وہ رقم جو غیر مال

عہ عوام کو سمجھانے کی خاطر قرض کا لفظ استعمال کیا ورنہ مراد دین ہے جو قرض کے علاوہ دوسرے مالی حقوق کو بھی شامل ہے۔

سہ کتبِ فقہ میں لکھا ہے کہ اس قسم کے قرض میں سے جب تک چالیس درہم یعنی چاندی کے نصاب کا پانچواں حصہ وصول نہ ہو تب تک اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں اس لیے کہ چالیس درہم سے کم پر زکوٰۃ مقرر کرنے میں حرج ہے کہ درہم کی کسر سے زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی اور چالیس درہم کا حساب آسان ہے کہ ایک درہم ادا کرنا ہوگا۔ مگر اب دراہم کا دور ختم ہوچکا۔ آج کل چالیس درہم سے کم مالیت کی زکوٰۃ ادا کرنے میں کوئی مشکل نہیں لہٰذا اس قسم کے قرض میں سے جتنی مقدار بھی وصول ہو اس کی زکوٰۃ ادا کردی جائے (کذا فی احسن الفتاویٰ ص۲۶۳ ج ۴)۔

کے عوض واجب ہوئی جیسے مہر، خلع، دیت کی رقوم یا کرایہ پر دیئے گئے مکان، گاڑی وغیرہ کی اُجرت۔ اس کا حکم بھی بعینہٖ وہی ہے جو ۲ کا گذرا، آخر کے دونوں قسم کے قرضوں میں سے بقدر نصاب وصول ہونے اور اس پر سال گذرنے کی شرط اس صورت میں ہے کہ قرض خواہ کے پاس اس قرض کے سوا اور کوئی مالِ زکوٰۃ نہ ہو اگر دوسرا مالِ زکوٰۃ موجود ہے تو قرض میں سے جتنا کچھ وصول ہو۔ کم یا زیادہ۔ اسے سابق مال کے ساتھ شامل کر کے اس کے ساتھ اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، بلکہ سابق مالِ زکوٰۃ نصاب سے کم ہو اور وصول شدہ قرض اس کے ساتھ ملانے سے نصاب پورا ہوتا ہو تو دونوں کو ملا کر مجموعہ کی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے، مگر اس صورت میں سال کی ابتداء اسی وقت سے شمار کریں گے جب نصاب پورا ہو، نیز وصول شدہ قرض کا سابق مال کے ساتھ ملانا اس صورت میں واجب ہے، کہ سابق مال اسی قرض کی جنس سے ہو

(بدائع الصنائع صنلج ۲ ردالمحتار ص۳۰۵ ج ۲ وغیرہ)

(۱۱) اگر قرضخواہ کا انتقال ہوگیا اور اس کا قرض اس کے وارثوں کی طرف منتقل ہوگیا تو وارثوں کے حق میں یہ قرض قسم ثانی کا قرض شمار ہوگا اگرچہ مرحوم مورث کا قرض قسم اول ہی کا ہو، اسی طرح کرائے کے مکان، ٹھیکے کی زمین یا دیگر اموال کی اجرت کسی پر قرض ہو تو اس کا حکم بھی قرض کی قسم ثانی و ثالث والا ہے یعنی وصول ہونے سے پہلے اس کی زکوٰۃ واجب نہیں نہ ہی گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہے، البتہ مالِ تجارت کی اجرت قرض ہو تو اس کے متعلق اختلاف ہے کہ اسے قسمِ اول میں شمار کیا جائے یا قسمِ ثانی میں۔ (البحرالرائق مع منحۃ الخالق ص۲۰۷ ج ۲ وغیرہ)

تقاضائے احتیاط یہ ہے کہ مالِ تجارت کی اجرت کو قرض کی قسم اول میں داخل مان کر وصولیابی کے بعد اس کی گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کی جائے۔

(۱۲) رہائشی مکان، سردی گرمی کے کپڑے، گھر کا اثاثہ، سواری کی گاڑی یا جانور

استعمال میں آنے والا اسلحہ، مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے آلات واوزار، اہل علم کے لئے ان کی حاجت کی کتابیں، یہ تمام اشیاء ضرورت ہیں اور زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر، ٹی وی، کپڑوں کے تین سے زائد جوڑے، سونے چاندی کے سوا دوسری اشیاء مثلاً اسٹیل، تانبے، پیتل وغیرہ کے زیورات اور وہ تمام اشیاء جو محض نمود و نمائش کے لئے گھروں میں رکھی رہتی ہیں زائد از ضرورت ہیں مگر ان پر زکوٰۃ نہیں جب تک کہ تجارت کی نیت سے نہ رکھی جائیں البتہ اس قسم کی اشیاء بقدرِ نصاب جس کے پاس جمع ہوں اسے زکوٰۃ اور صدقات واجبہ لینا جائز نہیں، نیز صدقۂ فطر اور قربانی ایسے شخص پر واجب ہے۔

(عالمگیریہ صفحہ ۱۷۲ و صفحہ ۱۸۹ ج ۱ وعامۃ الکتب)

(۱۳) کوئی شخص مالکِ نصاب ہے مگر مقروض بھی ہے تو اگر قرض منہا کرنے کے بعد نصاب سے کم بچتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں اور نصاب پورا بچتا ہے تو اس بقیہ نصاب کی زکوٰۃ واجب ہے۔

قرض بہر صورت وجوبِ زکوٰۃ سے مانع ہے خواہ معجّل ہو یا مؤجّل۔ اور بندوں کی طرف سے واجب ہوا ہو جیسے زرِ ثمن یا کسی چیز کا تاوان، یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے، جیسے گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ اور خراج۔ البتہ اس قسم کے قرض جو خالصۃً اللہ تعالیٰ کا حق ہیں اور جن کا بندوں کی طرف سے کوئی مطالبہ نہیں وجوبِ زکوٰۃ سے مانع نہیں جیسے نذر و کفّارہ صدقہ فطر اور فرضیتِ حج،

مہر کے متعلق بھی صحیح قول یہی ہے کہ عام قرضوں کی مانند وہ وجوبِ زکوٰۃ سے مانع ہے۔ ہاں! اگر کسی کی مہر ادا کرنے کی نیت ہی نہ ہو تو اس کے حق میں مانع وجوب نہیں یعنی ایسے نادہند پر زکوٰۃ فرض ہے (عالمگیریہ صفحہ ۱۷۲ ج ۱)

(۱۴) وجوبِ زکوٰۃ سے وہ قرض مانع ہے جو نصاب پر سال گذرنے سے پہلے پہلے

لاحق ہوا۔ سال پورا ہونے کے بعد زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوگئی، اب اگر قرض لاحق ہوا تو اس کا زکوٰۃ پر کوئی اثر نہ پڑے گا وہ جوں کی توں واجب رہے گی۔ اسی طرح اگر کسی صاحبِ نصاب پر درمیان سال میں قرض چڑھ گیا اور سال ختم ہونے سے پہلے وہ قرض ساقط ہوگیا مثلاً قرض خواہ نے معاف کردیا تو سال ختم ہونے پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، یہ نہیں کہ سقوطِ قرض کے وقت سے مزید سال کا انتظار کرے ہاں اگر شروع سال ہی سے مقروض تھا تو سقوطِ قرض سے مزید ایک سال گذرنے پر زکوٰۃ دے گا۔ (رد المحتار ص۲۶۳ ج ۲ وغیرہ)

(۱۵) مال اگر نامی (بڑھنے والا) نہیں ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ مال میں نمو و بڑھوتری خواہ حقیقۃً پائی جائے جیسے چرنے والے مویشیوں میں توالد و تناسل اور عام اموال میں تجارت، یا حکماً پائی جائے جیسے سونا اور چاندی کہ یہ خلقۃً ثمن اور بڑھوتری کے لئے ہیں۔ اشیاء کی خریداری انہی کے ذریعے ہوتی ہے۔ سونے چاندی میں بہر صورت زکوٰۃ فرض ہے خواہ وہ کسی شکل میں ہوں اور کسی مقصد کیلئے ہوں۔ خلاصہ یہ کہ تین قسم کے اموال میں زکوٰۃ فرض ہے۔ سونا چاندی اور نقد روپیہ بھی اسی حکم میں ہے۔ مالِ تجارت۔ جنگل میں چرنے والے مویشی۔ (عالمگیریہ ص۱۷۱ ج ۱ وغیرہ)

(۱۶) مالِ تجارت ہر وہ مال ہے جو تجارت کی نیت سے خریدا جائے اور یہی نیت باقی ہو لہٰذا جو چیز اپنے برتنے کے لئے خریدی پھر اس میں تجارت کی نیت کر لی، یا پہلے تجارت کی نیت سے خریدی پھر تجارت کی نیت ختم کر کے برتنے کے لئے رکھ لی بعد ازاں پھر اس میں تجارت کی نیت کر لی تو دونوں صورتوں میں یہ مال تجارت شمار نہ ہوگا۔ ہاں اگر اسے بیچ دیا تو اس کی قیمت میں زکوٰۃ فرض ہے۔

(ھدایہ مع فتح القدیر ص۱۲۴ ج ۲)

(۱۷) نیتِ تجارت کبھی صراحۃً پائی جاتی ہے، کبھی دلالۃً۔ صراحۃً تو یہ کہ عقدِ شراء

یا اجارہ کے ذریعے شئی حاصل کی اور بوقتِ عقد ہی اس میں تجارت کی نیت کرلی، اور دلالۃً یہ کہ مالِ تجارت کے عوض کوئی چیز خریدلی یا تجارتی مکان کرایہ پر دیدیا اور کرایہ میں کچھ مال اسباب حاصل کیا تو دونوں صورتوں میں مالِ تجارت کا عوض اور کرایہ میں وصول شدہ اسباب تجارت میں شمار کئے جائیں گے، گوکہ ان میں صراحۃً تجارت کی نیت نہ کی ہو۔ ہاں! اگران کو برتنے کی نیت سے رکھ لے تو زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی۔[ع]

(۱۸) زمین سے جو پیداوار حاصل ہوئی اس میں اگر تجارت کی نیت کرلی تو ایسی نیت کا اعتبار نہیں خواہ زمین عشری ہو یا خراجی، اپنی مملوکہ ہو یا ٹھیکے وغیرہ کی۔ اور پیداوار اگر فروخت کردی تو اس کی رقم میں زکوٰۃ واجب ہوگی گوکہ پیداوار کا عشر بھی ادا کردیا ہو۔[ع]

ع ثم نية التجارة قد تكون صريحًا وقد تكون دلالةً اما الصريح فهو ان ينوى عند عقد التجارة ان يكون المملوك به للتجارة بان اشترى سلعة ونوى ان تكون للتجارة عند الشراء فتصير للتجارة سواء كان الثمن الذى اشتراها من الاثمان المطلقة او من عروض التجارة او مال البذلة والمهنة او آجر داره بعوض بنية التجارة فيصير ذلك مال التجارة لوجود صريح نية التجارة مقارنا لعقد التجارة (الى قوله) واما الدلالة فهى ان يشترى عينا من الاعيان بعرض التجارة او يواجر داره التى للتجارة بعرض من العروض فيصير للتجارة وان لم ينو التجارة صريحًا (بدائع الصنائع صلا ج ۲)

ع ولا تصح نية التجارة فيما خرج من ارضه العشرية او الخراجية او المستاجرة او المستعارة لئلا يجتمع الحقان (قوله ولا تصح نية التجارة الخ) لانها لا تصح الا عند عقد التجارة فلا تصح فيما ملكه بغير عقد كارث ونحوه كما سيأتى ومثله الخارج من ارضه

(رد المحتار ص۲۶۸ ج ۲)

واما ثمن الطعام المعشور وثمن العبد الذى ادى صدقة فطره فانه يضم اجماعًا۔ (عالمگیریہ ص۱۲۵ ج ۱)

زکوٰۃ کی نیّت

(۱۹) ادائیگی زکوٰۃ کے لئے نیت شرط ہے ، یوں بلا نیتِ زکوٰۃ کوئی شخص سال بھر خیرات کرتا رہا ہو تو زکوٰۃ ادا نہ ہوئی اور یہ بھی شرط ہے کہ زکوٰۃ ادا کرتے وقت نیت کی جائے یا مالِ زکوٰۃ ادا کرتے وقت ۔ اگر ان دو موقعوں میں سے کسی میں نیت نہ کی اور یونہی مال دے دیا تو جب تک وہ مسکین کی ملک میں ہے زکوٰۃ کی نیت کر سکتا ہے ، اس کی ملک سے بھی نکل گیا تو اب نیت کا کچھ اعتبار نہیں ۔ (ردالمحتار صفحہ ۲۶۸ ج ۲ و عامۃ الکتب)

(۲۰) اگر ادائیگی زکوٰۃ کے لئے مال وکیل کے حوالہ کیا آگے وکیل نے بلا نیتِ زکوٰۃ مسکین کو دیدیا تو زکوٰۃ ادا ہو گئی اور بلا نیت زکوٰۃ وکیل کے حوالہ کیا تھا تو ادا نہ ہوئی ، البتہ مسکین کی ملک میں مال باقی ہے تو موکل نیت کر سکتا ہے ۔ اسی طرح کسی نے بلا اجازت و توکیل دوسرے کے مال سے اس کی زکوٰۃ ادا کر دی تو ادا نہ ہوئی لیکن جب تک مسکین کی ملک میں ہے اصل مالک نیت کر سکتا ہے اور اگر دوسرے کی زکوٰۃ اپنے مال میں سے ادا کر دی تو اگر اس نے پیشگی حکم دیا تھا تو ادا ہو گئی ورنہ نہ ہوتی گو کہ وہ بعد میں اجازت بھی دیدے ۔ (فتاوای سراجیہ صفحہ ۲۶ عالمگیریہ صفحہ ۱۷۱ ج ۱)

(۲۱) اگر وکیل سے کہا کہ یہ رقم صدقہ نافلہ ہے یا کفارہ کی ہے مگر پہلے اس سے کہ وکیل اسے خرچ کرے موکل نے زکوٰۃ کی نیت کر لی تو زکوٰۃ ہی شمار ہوگی گو کہ وکیل کو اس کا علم نہ ہوا اور وہ صدقہ یا کفارہ کی نیت ہی سے خرچ کرے ۔ غرض اصل اعتبار موکل کی نیت کا ہے ۔ (ردالمحتار صفحہ ۲۶۹ وغیرہ)

(۲۲) نیت میں اس قدر استحضار کافی ہے کہ اگر پوچھا جائے کہ کس مد کی رقم ہے تو بلا تامل جواب دے سکے کہ زکوٰۃ کی ! اور زبان سے کہنا بھی ضروری نہیں کہ یہ مال زکوٰۃ ہے بلکہ دل میں زکوٰۃ کی نیت رکھتے ہوئے مستحق کو ھبہ ، صدقہ یا

قرض کے عنوان سے رقم دیدی تب بھی زکوٰۃ ہی سمجھی جائے گی عہ

(۲۳) اگر مال بنیتِ زکوٰۃ الگ کر کے رکھدیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی جب تک کہ مسکین کی ملک نہ کرے۔ اگر اسی دوران یہ مال تلف ہوگیا تو زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی، اسی طرح اگر مالک مرگیا تو اس مال میں وراثت جاری ہوگی۔ (البحر الرائق ص۲۱۱ ج ۲) الآیہ کہ اس کی وصیت کر گیا ہو۔ یونہی اگر وکیل کے پاس مالِ زکوٰۃ ضائع ہوگیا تب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوئی، اگر وکیل نے اس مال کی حفاظت میں غفلت برتی تھی تو وہ اس کا ضامن ٹھہرے گا ورنہ نہیں (کذا فی احسن الفتاوٰی ص۲۹۹ ج ۴)

(۲۴) سال پورا ہونے پر کل نصاب بلا نیتِ زکوٰۃ صدقہ کر دیا تو زکوٰۃ ساقط ہوگئی۔

اور اگر کل نصاب مستحق کو کسی دوسرے واجب۔ مثلاً نذر یا کفارہ کی نیت سے دیا تو واجب ادا ہوگیا مگر زکوٰۃ اس صورت میں ساقط نہ ہوئی بلکہ الگ سے ادا کرنا ہوگی۔

اور اگر کل نصاب کے بجائے بعض حصہ صدقہ کیا تو اس حصہ کی بھی زکوٰۃ ساقط نہ ہوئی کل کی زکوٰۃ دینا ہوگی عہ

عہ اذا کان وقت التصدق بحال لو سئل عما تؤدی یمکنہ ان یجیب من غیر فکرۃ فذلک یکون نیۃ منہ (الفتاوی السراجیہ ص۲۱) والاصح کما فی المبتغی والقنیۃ ان من اعطی مسکینا دراھم وسماھا ھبۃ او قرضا ونوی الزکوٰۃ فانھا تجزئہ (البحر الرائق ص۲۱۲ ج ۲)

عہ ایک قول کے مطابق حصۂ مصدقہ کی زکوٰۃ ساقط ہوگئی فتاوی عالمگیریہ ص۱۷۱ ج ۱ سے اسی کا راجح ہونا معلوم ہوتا ہے مگر ھدایہ اور دوسری کتب سے دوسرے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ احتیاط کا پہلو بھی اسی میں ہے۔

اور اگر کُل نصاب تلف ہوگیا تو کل کی زکوٰۃ بھی ساقط ہوگئی اور کچھ حصہ تلف ہوا تو اس حصہ کی زکوٰۃ بھی ساقط ہوگئی صرف بقیہ مال (خواہ نصاب سے کم ہی ہو) کی زکوٰۃ دینا ہوگی۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ مال کے تلف ہونے میں اس کا عمل دخل نہ ہو، مثلاً چوری ہوگیا یا کسی کو قرض دیا تھا اب وہ منکر گیا اور یہ وصول کرنے پر قادر نہیں، یا وہ کچھ ترکہ چھوڑے بغیر مر گیا۔

اور اگر اس کے فعل سے وہ مال ختم ہوا مثلاً خرچ کر ڈالا۔ مالدار کو ہبہ کر دیا تو زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی گو کہ نادار ہو (فتح القدیر ص۱۲۶ ج ۲ - رد المحتار ص۲۷ ج ۲)

(۲۵) کسی مسکین پر اس کا قرض تھا اسے کُل قرض معاف کر دیا تو کل کی زکوٰۃ ساقط ہوگئی اور کچھ حصہ معاف کیا تو اس حصہ کی زکوٰۃ ساقط ہوگئی، بقیہ قرض کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی، اگر معاف کرتے وقت اس بقیہ حصہ کی زکوٰۃ کی اس میں نیت کر لی تب بھی ساقط نہ ہوگی۔

اور اگر مالدار پر قرض تھا سال گذرنے کے بعد اسے معاف کر دیا تو زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی۔ (البحر الرائق ص۲۱۱ ج ۲ عالمگیریہ ص۱۷۱ ج ۱)

(۲۶) اپنے حاضر مال کی زکوٰۃ نقد کے بجائے قرض سے ادا کرنا چاہتا ہے، لہذا مسکین سے کہا فلاں پر میرا اتنا قرض ہے جا کر وصول کر لو اور دل میں زکوٰۃ کی نیت کی تو وصول ہونے پر زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور اگر مسکین پر قرض ہے اسی کو زکوٰۃ میں منہا کرنا چاہتا ہے یعنی چاہتا ہے کہ مسکین کو قرض معاف کر دے اور یہی اس کے حاضر مال کی زکوٰۃ ہو جائے تو یہ جائز نہیں۔ اسی طرح اس قرض کو دوسرے قرض کی (جو کسی اور شخص پر ہے) زکوٰۃ میں بھی منہا نہیں کر سکتا۔ البتہ یہ صورت اختیار کر سکتا ہے کہ اسے زکوٰۃ کا مال دے کر اپنے قرض میں واپس لے لے اگر وہ انکار کرے تو چھین سکتا ہے۔ یہ طریقہ بھی اختیار کر سکتا ہے کہ مسکین

سے قرض وصول کر کے بنیتِ زکوٰۃ اسے لوٹادے۔

خلاصہ یہ کہ ادائیگی زکوٰۃ کی پانچ صورتیں بنتی ہیں (۱) معاف کردہ قرض کی زکوٰۃ قرض سے ادا کرنا (کہ مستحق کو کل قرض معاف کر دیا) (۲) حاضر مال کی زکوٰۃ نقد سے ادا کرنا (۳) قرض کی زکوٰۃ نقد سے ادا کرنا (۴) حاضر مال کی زکوٰۃ قرض سے ادا کرنا (کہ مستحق کو بنیتِ زکوٰۃ قرض معاف کر دیا) (۵) وصول ہونے والے قرض کی زکوٰۃ قرض سے ادا کرنا (کہ مستحق کو کچھ حصہ قرض معاف کر دیا اور اسی میں بقیہ حصہ کی زکوٰۃ کی نیت کر لی) ان میں سے پہلی تین صورتیں جائز اور آخری دونا جائز ہیں۔ (عالمگیریہ ص۱۷۱ ج ۱ رد المحتار ص۱۲ ج ۲)

(۲۷) مسکین کو بتائے بغیر مد زکوٰۃ سے اس کا قرض ادا کر دیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی مگر مسکین کا قرض ساقط ہو جائے گا اور اس کی اجازت سے ادا کیا تو زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ مسکین کو مد زکوٰۃ کا بتانا ضروری نہیں صرف ادائیگی قرض کی اجازت لینا کافی ہے۔عہ

(۲۸) کوئی چیز برتنے کے لئے خریدی مگر خریدتے ہوئے دل میں یہ نیت بھی رکھ لی کہ اگر اچھا منافعہ مل گیا تو اسے فروخت کر دوں گا تو اس نیت سے یہ مالِ تجارت قرار نہ پائے گا، اسی طرح کوئی چیز ایسے عقد کے ذریعے ملک میں آئی جس میں تبادلہ نہیں پایا جاتا جیسے عقد ھبہ، وصیت، صدقہ یا تبادلہ تو پایا جاتا ہے مگر مال کے عوض نہیں جیسے مہر، بدل خلع بدل صلح۔ اگر مالک بنتے وقت ایسی چیز میں تجارت کی نیت کر لی تو اس نیت کا اعتبار نہیں جب تک کہ عملاً تجارت

عہ ولو قضی دین الفقیر بزکاۃ مالہ ان کان بامرہ یجوز وان کان بغیر امرہ لا یجوز وسقط الدین (عالمگیریہ ص۱۹۰ ج۱ احسن الفتاوی ص۲۶۲ ج ۴)

نہ شروع کرے یعنی اس نیت سے فروخت کرے کہ ان کے عوض ملنے والا مال تجارت کے لئے ہوگا۔ اور وراثت میں ملنے والے مال میں ورثہ تجارت کی نیت کرلیں تو اس کا بھی کچھ اعتبار نہیں البتہ اگر مورث مالِ تجارت ترکہ میں چھوڑ گیا اور ورثہ نے بھی اس میں تجارت کی نیت کرلی تو یہ مالِ تجارت قرار پائے گا مگر سال اسی وقت سے شروع ہوگا جب ورثہ کی ملک میں آیا، الّا یہ کہ پہلے سے ان کے پاس اسی جنس کا نصاب موجود ہو تو اس کی زکوٰۃ بھی اسی نصاب کے ساتھ ادا کرنا واجب ہوگی۔ ؎

(۲۹) اموالِ زکوٰۃ میں سے کوئی سامال بقدرِ نصاب ملک میں آئے تو زکوٰۃ فرض ہوجاتی ہے مگر زکوٰۃ کی ادائیگی اس وقت فرض ہوگی جب نصاب پر قمری سال گذر جائے۔ پھر پورے نصاب پر سال گذرنا شرط نہیں بلکہ سال کے اول اور آخر میں اگر نصاب پورا ہو تو زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے گو کہ درمیان سال میں مال گھٹ کر نصاب سے کم رہ جائے۔ ہاں اگر کسی وقت پورا مال جاتا رہا اور نصاب سے کچھ بھی باقی نہ بچا تو دوبارہ نصاب پورا ہونے پر نئے سرے سے سال کا حساب شروع ہوگا۔ (ھدایہ مع فتح القدیر ص۱۶۸ ج۲ وغیرہ)

؎ فی التنویر وشرحہ وما اشتراہ لھا ای للتجارۃ کان لھا لمقارنۃ النیۃ لعقد التجارۃ لا ما ورثہ ونواہ لھا لعدم العقد الا اذا تصرف فیہ ای ناویا فتجب الزکاۃ لاقتران النیۃ بالعمل (الی) وما ملکہ بصنعۃ کھبۃ او وصیۃ او نکاح او خلع او صلح عن قود (الی) ونواہ لھا کان لہ عند الثانی والاصح انہ لا یکون لھا بحر عن البدائع (الی) ولو نوی التجارۃ بعد العقد او اشتری شیئا للقنیۃ ناویا انہ ان وجد ربحا باعہ لا زکاۃ علیہ (رد المحتار ص۲۰۲ ج۲) ولو ورثہ فنواہ للتجارۃ لا یکون لھا کذا فی التبیین وفی السائمۃ ومال التجارۃ ان نوی الورثۃ الاسامۃ او للتجارۃ بعد الموت تجب۔ (عالمگیریہ ص۱۷۱ ج۱)

(۳۰) اگر مالِ تجارت اور سونے چاندی کو درمیان سال میں اپنی ہی جنس سے تبدیل کردیا یعنی ایک تجارتی مال کے عوض دوسرا مال لے لیا یا سونے کے بدلے دوسرا سونا اور چاندی کے بدلے چاندی لے لی تو ان کا سال تبدیل نہ ہوگا یعنی نئے مال یا تبدیل شدہ سونے چاندی پر نیا سال گذرنا شرط نہیں بلکہ سابق مالِ تجارت یا سونے چاندی پر جو سال چل رہا ہے اسی کے پورے ہونے پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، اسی طرح اگر ان اشیاء کو ایک دوسرے سے تبدیل کردیا یعنی مالِ تجارت کے عوض سونا یا چاندی حاصل کی یا سونے چاندی کو ایک دوسرے سے تبدیل کیا تو اس کا بھی بعینہ یہی حکم ہے۔ اور اگر چرائی کے جانور اپنی جنس سے تبدیل کرلیئے یعنی اونٹوں کے عوض دوسرا اونٹ اور بکریوں کے عوض دوسری بکریاں لے لیں، یا انہیں ایک دوسرے سے تبدیل کیا کہ اونٹوں کے عوض گائیں یا گائیوں کے عوض بکریاں لے لیں یا سونے چاندی کے عوض انہیں فروخت کردیا یا سامان واسباب کے عوض انہیں فروخت کر کے اس میں تجارت کی نیت کرلی، یا جانور تجارت کے لئے خرید رکھے تھے پھر درمیان سال میں نیت بدل گئی کہ اب یہ تجارتی نہیں بلکہ چرائی کے جانور ہیں یا اس کے برعکس کیا تو ان صورتوں میں سال تبدیل ہو جائے گا یعنی زکوٰۃ اس وقت دینا ہوگی جب تبدیل شدہ مال پر سال پورا ہو (الآیہ کہ اسی جنس کا نصاب پہلے سے موجود ہو) لیکن سال پورا ہونے کے بعد تبدیل کرنے کا کچھ اعتبار نہیں۔ (الجوہرۃ النیرۃ ص۱۵۰ ج۱ رد المحتار ص۲۶ ج۲)

(۳۱) مالکِ نصاب کی ملک میں اگر درمیان سال میں اسی نصاب کی جنس سے کچھ اور مال بھی آگیا تو اس پر الگ سے سال کا انتظار کرنا ضروری نہیں بلکہ سابق نصاب کے ساتھ شامل کر کے پورے مجموعہ کی زکوٰۃ نکالنا ضروری ہے اگرچہ سال پورا ہونے سے ذرا سی دیر پہلے مال ملا ہو۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ یہ مال اسی

نصاب کا ثمرہ ہو بلکہ میراث ھبہ یا کسی بھی جائز ذریعے سے ملنے والے مال کا بھی یہی حکم ہے۔ ہاں! اگر نیا مال دوسری جنس سے ہے یا نصاب پر سال گزرنے کے بعد ملک میں آیا ہے یا پہلا مال قدرِ نصاب سے کم ہے (اور دونوں کو ملانے سے نصاب پورا ہو جاتا ہے) تو یہ حکم نہیں۔ (عالمگیریہ ص۱۷۵ ج ۱)

سونے چاندی و مالِ تجارت کی زکوٰۃ

(۳۲) سونے کا نصاب بیس مثقال یعنی ساڑھے سات تولے ہے اور چاندی کا نصاب دو سو درہم یعنی ساڑھے باون تولے ہے، دونوں کی زکوٰۃ میں وزن کا اعتبار ہے قیمت کا نہیں۔ مثلاً کسی کے پاس سونے کا زیور ہے جو وزن میں ساڑھے سات تولہ سے کم مگر اپنی عمدہ ساخت اور گھڑائی کی وجہ سے قیمت میں ساڑھے سات تولہ کے برابر بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ اسی طرح اگر سونا وزن میں ساڑھے سات تولہ سے کم مگر قیمت میں ساڑھے باون تولہ چاندی کے مساوی ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں، یونہی اگر سونے چاندی کی زکوٰۃ ان کی جنس سے ادا کی جائے تو وزن کا لحاظ ضروری ہے قیمت کا کچھ اعتبار نہیں، مثلاً کسی کے پاس چالیس تولہ سونا ہے اور اس کی زکوٰۃ سونے سے ادا کرنا چاہتا ہے تو ایک تولہ سونا ادا کرے اگر ایک تولہ کے بجائے مثلاً دس ماشہ کا زیور دیدیا جو قیمت میں تولہ کے برابر ہے تو پوری زکوٰۃ ادا نہ ہوتی دو ماشہ مزید ادا کرے یہی مثالیں چاندی میں فرض کرلیں۔ ہاں! اگر سونے کی زکوٰۃ چاندی سے یا چاندی کی سونے سے یا دونوں کی نقد روپیہ سے ادا کرے تو قیمت ہی کا اعتبار ہوگا (ردالمحتار ص۲۹ ج ۲ و عامۂ الکتب)

(۳۳) سونا چاندی کام میں آرہا ہو یا بے کار رکھا ہو، ڈلیوں کی صورت میں ہو یا زیورات کی شکل میں۔ پھر وہ جائز الاستعمال ہو۔ جیسے عورت کے لئے ہر قسم

کے زیورات اور مرد کے لئے ایک مثقال چاندی کی انگوٹھی۔ یا ناجائز ہو جیسے مرد و عورت کے لئے سونے چاندی کے برتن، گھڑی، سرمہ دانی، سلائی یا مرد کے لئے سونے کا زیور۔ ایک مثقال سے زائد کی چاندی کی انگوٹھی۔ غرض جس حال میں ہو بشرط نصاب اس کی زکوٰۃ فرض ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ص۲۳۷ ج ا و عامۃ الکتب)

(۳۴) اگر سونے چاندی میں کھوٹ کی ملاوٹ ہو مگر غالب حصہ سونا چاندی ہو تو کُل کو سونا چاندی قرار دیا جائے گا اور زکوٰۃ واجب ہوگی، یونہی اگر دونوں چیزیں برابر مقدار میں ہوں تب بھی کل کو سونا چاندی ہی سمجھیں گے لیکن ملاوٹ کی صورت میں اسی مخصوص ملاوٹی سونے چاندی کی قیمت لگا کر ہی زکوٰۃ نکالی جائیگی اور اگر کھوٹ کی مقدار سونے چاندی سے زیادہ ہو تو مجموعہ ہی کو کھوٹ سمجھا جائے گا اور اس میں سونے چاندی کے احکام جاری نہ ہوں گے۔ یہ تفصیل اس صورت میں تھی کہ دونوں کو گلا کر ایک کر دیا گیا ہو۔ اور اگر دونوں کو گلائے بغیر جوڑ دیا گیا ہو اور ایک کو دوسرے سے جدا کیا جا سکتا ہو تو ہر ایک کا حکم الگ الگ ہوگا یعنی بشرط نصاب زکوٰۃ صرف سونے چاندی کی مقدار پر آئے گی خواہ زیور میں اس کی مقدار زیادہ ہو یا کم، اسی طرح زیورات میں جو نگ وغیرہ لگائے جاتے ہیں ان پر بھی زکوٰۃ نہیں، صرف زیور کی قیمت لگائی جائے گی (عالمگیریہ ص۱۷۹ ج ا و عامۃ الکتب)

(۳۵) اگر کسی کے پاس مالِ تجارت ہے جس کی قیمت سونے یا چاندی میں سے ایک کے نصاب کو پہنچتی ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے، کل مال یا اس کی قیمت کا چالیسواں حصہ نکالے۔ اگر مالِ تجارت نصاب سے کم ہے اور مالک کے پاس سونے چاندی یا نقدی میں سے کوئی چیز موجود ہے تو اس مال کو اس کے ساتھ ملالے، اگر ان کا مجموعہ نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہے۔ اور اگر اکیلا مالِ تجارت یا مذکورہ بالا اموال کا مجموعہ نصاب کو نہیں پہنچتا مگر آگے چل کر اختتامِ سال

پر اس کی قیمت چڑھ کر نصاب کو پہنچ گئی تو اس وقت زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہیں، بلکہ نصاب کو پہنچنے کے بعد سال گذرنے پر زکوٰۃ آئے گی۔ ہاں! اگر شروع سال میں مال بقدر نصاب تھا پھر درمیان سال میں قیمت گر کر نصاب سے کم پڑ گئی اور اختتام سال پر چڑھ کر دوبارہ نصاب کو پہنچ گئی تو اب زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہے۔ درمیان سال کا کچھ اعتبار نہیں ع۔

(۳۶) سونا چاندی مالِ تجارت اور نقدی فرضیتِ زکوٰۃ میں ایک ہی جنس شمار کئے جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ سونا جب تک ساڑھے سات تولہ نہ ہو اس پر زکوٰۃ نہیں اور چاندی جب تک ساڑھے باون تولہ نہ ہو اس پر زکوٰۃ نہیں حالانکہ یہ حکم صرف اس صورت میں ہے جب کہ کسی کی ملک میں صرف سونا ہو، بقیہ تین اشیاء میں سے کوئی شئ کسی مقدار میں بھی نہ ہو، ایسے شخص کے لئے بے شک یہی حکم ہے کہ سونا جب تک ساڑھے سات تولہ نہ ہو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ اسی طرح اگر اس کی ملک میں صرف چاندی ہے بقیہ تین اشیاء میں سے کوئی شئی نہیں تو اس کے لئے بھی یہی حکم ہے کہ چاندی جب تک ساڑھے باون تولہ نہ ہو اس پر زکوٰۃ نہیں، لیکن جس کے پاس ان چار اشیاء میں سے ایک سے زائد اشیاء موجود ہوں تو وہاں ہر ایک کا الگ الگ حساب کرنے کے بجائے سب کی مجموعی قیمت لگا کر اس کا

ع فی التنویر وشرحه وشرط کمال النصاب ولو سائمة فی طرفی الحول فی الابتداء للانعقاد وفی الانتهاء للوجوب فلا یضر نقصانه بینهما فلو هلك كله بطل الحول (رد المحتار ص۳۰۲ ج ۲ وعامة الكتب)

الزكوٰة واجبة فی عروض التجارة (الی قوله) وتعتبر القیمة عند حولان الحول بعد ان تكون قیمتها فی ابتداء الحول مأتی درهم (عالمگیریه ص۱۷۹ ج ۱)

چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکالنا ضروری ہے، مثلاً کسی کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا ایک تولہ چاندی پچاس روپے کا تجارتی سودا اور دس روپے نقد ہیں تو سونے کا حساب الگ نہیں ہوگا بلکہ سونے چاندی اور تجارتی سودے کی قیمت لگا کر دس روپے اس میں جمع کئے جائیں اور کل مجموعہ کا چالیسواں حصہ نکالا جائے، اسی طرح ساڑھے باون تولہ چاندی، ایک تولہ سونا، پچاس روپے کا تجارتی سودا اور دس روپے نقد ہوں تب بھی یہی تفصیل جاری ہوگی۔ اور سونا چاندی نصاب کے بجائے تھوڑی تھوڑی سی مقدار میں ہوں مگر ان کی مجموعی قیمت نصاب کو پہنچ جائے تب بھی مجموعی قیمت پر زکوٰۃ آئے گی مثلاً ایک تولہ سونا، ایک تولہ چاندی ہو تو دونوں کی مجموعی قیمت لگا کر دیکھا جائے اگر یہ قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے (جیسا کہ اس دور میں سونے کی قیمت بہت گراں ہے اور اس کا ایک تولہ بھی چاندی کے ساڑھے باون تولہ سے زیادہ قیمتی ہے) تو زکوٰۃ فرض ہے، اسی طرح چاندی کے بجائے مالِ تجارت یا نقدی ہے تب بھی مجموعہ کو دیکھیں گے مثلاً ایک تولہ سونا اور صرف پانچ روپے نقد ہیں اور چاندی یا مالِ تجارت کچھ نہیں تب بھی ایک تولہ کی قیمت لگا کر پانچ روپے اس میں جمع کئے جائیں، اگر دونوں کا مجموعہ چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے (جیسا کہ آج کل پہنچتا ہے) تو زکوٰۃ فرض ہے۔ البتہ اگر کسی کے پاس یہ چاروں مال مکمل نصاب کی صورت میں ہوں، یعنی ہر ایک کا نصاب مکمل ہو تو سب کی مجموعی قیمت لگانے کے بجائے ہر ایک کی الگ الگ زکوٰۃ دے سکتا ہے، خواہ اصل جنس کا چالیسواں حصہ ادا کرے یا اس کی قیمت۔ اور اگر ایک مال بھی نصاب سے کم ہو تو مجموعی قیمت لگانا ضروری ہوگا، عوام کے لئے بہر کیف سیدھا سا مسئلہ یہ ہے کہ وہ سونے چاندی

اور مالِ تجارت کی قیمت لگا کر نقدی اس میں جمع کریں اور مجموعی رقم کا چالیسواں حصہ ادا کر دیں ۔ عہ

(۳۷) سونے چاندی اور مالِ تجارت کی وہ قیمت لگائی جائے گی جو بوقت وجوبِ زکوٰۃ (یعنی سال پورا ہونے پر) ہو، نیز ان میں قیمتِ فروخت کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ قیمتِ خرید کا، یعنی تاجرانہ قیمت کا اعتبار نہیں بلکہ بازار میں عام گاہکوں کو جس قیمت پر چیز مہیا کی جاتی ہے وہ قیمت لگائی جائے گی اور قیمت اس جگہ کی معتبر ہے جہاں پر مال ہے ۔ عہ

عہ فی التنویر وشرحہ : وقیمۃ العرض للتجارۃ تضم الی الثمنین لان الکل للتجارۃ وضعاً وجعلا ویضم الذہب الی الفضۃ وعکسہ بجامع الثمنیۃ قیمۃ (قولہ ویضم) ای عکسہ ای عند الاجتماع اما عند انفراد احدہما فلا تعتبر القیمۃ اجماعاً، بدائع، لان المعتبر وزنہ اداء ووجوباً کما مر، وفی البدائع ایضاً انما ذکر من وجوب الضم اذا لم یکن کل واحد منہما نصابا بان کان اقل، فلو کان کل منہما نصاباً تاماً بدون زیادۃ لا یجب الضم بل ینبغی ان یؤدی من کل واحد منہما زکاتہ فلو ضم حتی یؤدی کلہ من الذہب او الفضۃ فلا باس بہ عندنا ولکن یجب ان یکون التقویم بما ہو انفع للفقراء رواجاً وان لا یؤدی من کل منہما ربع عشرہ ۔

(رد المحتار ص۳۰۳ ج۲ ۔ احسن الفتاوی ص۲۶۳ ج۴)

عہ فی شرح التنویر : وتعتبر القیمۃ یوم الوجوب وقالا یوم الاداء وفی السوائم یوم الاداء اجماعاً وہو الاصح ویقوم فی البلد الذی المال فیہ ولو فی مفازۃ ففی اقرب الامصار الیہ فتح (رد المحتار ص۲۸۶ ج۲ ۔ امداد الفتاوی ص۴۲ ج۲ ۔ احسن الفتاوی ص۳۰۹ ج۴)

جانوروں کی زکوٰۃ

(۳۸) زکوٰۃ صرف ان جانوروں میں ہے جو سال کا اکثر حصہ جنگل میں چر کر گذارتے ہوں اور ان سے مقصد دودھ لینا اور افزائشِ نسل ہو۔

جو جانور گھر چارہ کھاتے ہوں، یا جن سے مقصد بار برداری، ہل جوتنا اور سواری کرنا ہو ان میں زکوٰۃ نہیں اگرچہ یہ جنگل میں چرتے ہوں، یونہی جو گوشت کھانے کے لئے ہوں ان میں زکوٰۃ نہیں، اور جو جانور تجارت کے لئے ہوں ان کی قیمت پر زکوٰۃ فرض ہے، خواہ وہ جنگل میں چریں یا گھر میں چارہ کھائیں۔

تجارت کے جانور وہی کہلائیں گے جو فروخت کرنے کی نیت سے خریدے گئے ہوں اور یہی نیت ان میں باقی ہو اگر خریدتے وقت تجارت کی نیت نہ تھی بعد میں کرلی، یا یہ ارادہ ہو کہ اصل جانوروں کو ملک میں رکھتے ہوئے ان کے بچے فروخت کرتے رہیں گے تو یہ تجارت کے نہ ہوں گے۔ عہ

(۳۹) اونٹ جب پانچ ہوں تو ان میں یک سالہ بکری یا بکرا واجب ہے،

عہ والسائمۃ ھی التی تسام فی البوادی لقصد الدر والنسل والزیادۃ فی السمن والثمن حتی لواسیمت للحمل والرکوب لا للدر والنسل فلا زکاۃ فیھا کذا فی محیط السرخسی وکذا لواسیمت للحم ولواسیمت للتجارۃ ففیھا زکوٰۃ التجارۃ دون السائمۃ ھکذا فی البدائع، فان کانت تسام فی بعض السنۃ وتعلف فی البعض فان اسیمت فی اکثرھا فھی سائمۃ والا فلا کذا فی محیط السرخسی (عالمگیریہ ص۱۷۶ ج۱۔ احسن الفتاویٰ ص۲۸۴ ج۴)

پانچ سے کم میں کچھ نہیں۔ پھر دس اونٹوں میں یکسالہ دو بکرے یا بکریاں، پندرہ میں تین اور بیس میں چار ہیں، پچیس میں بنت مخاض (یک سالہ اونٹنی) چھتیس میں بنت لبون (دو سالہ اونٹنی) اور چھیالیس میں حقہ (سہ سالہ اونٹنی) ہے پھر اکسٹھ میں جذعہ (چار سالہ اونٹنی) چھہتر میں دو بنت لبون اور اکانوے میں دو حقہ ہیں، اس کے بعد ایک سو بیس سے ایک سو پینتالیس تک دو حقہ اور ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری ہے، ایک سو پچاس میں تین حقہ واجب ہیں، اس کے بعد پھر وہی قاعدہ شروع ہوگا جو ابتداء میں لکھا گیا۔ یعنی ہر پانچ میں یک سالہ بکری یا بکرا، پچیس میں بنت مخاض، چھتیس میں بنت لبون۔ پس ایک سو چھیاسی میں تین حقہ اور ایک بنت لبون ہے پھر ایک سو چھیانوے میں چار حقہ یا پانچ بنت لبون ہیں۔ یہ دو سو تک ہوگا۔ دو سو کے بعد پھر وہی قاعدہ چلے گا جو ایک سو پچاس کے بعد لکھا گیا یعنی ہر پانچ میں یک سالہ بکری یا بکرا، پچیس میں بنت مخاض، چھتیس میں بنت لبون اور چھیالیس میں حقہ ہوگا، پس اڑھائی سو اونٹوں میں پانچ حقہ واجب ہوئے، علی ھٰذا القیاس پھر ہر پانچ میں ایک بکری، پچیس میں بنت مخاض..... اس قاعدے سے چاہیں تو ہزاروں اونٹوں کا حساب کرلیں۔ اور دو نصابوں کے درمیان جتنے اونٹ ہیں ان کی زکوٰۃ معاف ہے۔ (ھدایہ مع فتح القدیر صـ۱۲۷ ج ۲ وعامۃ الکتب)

(۴۰) اونٹوں کی زکوٰۃ میں جس عمر کا بچہ واجب ہو اس کا مادہ ہونا ضروری ہے، اگر مالک اس کی جگہ نر بچہ ادا کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ وہ مادہ کی قیمت کا ہو عـہ

عـہ وقید المصنف السن الواجب فی الابل بالاناث لانہ لایجوز فیھا دفع الذکور کابن المخاض الا بطریق القیمۃ للاناث (البحر الرائق صـ۲۲۱ ج ۲)

(۴۱) گائیں جب تیس ہوں تو ان میں ایک تبیع یا تبیعہ (ایک سالہ بچھڑا یا بچھیا) ادا کرنا واجب ہے، تیس سے کم میں کچھ نہیں۔ جب چالیس ہوں تو ایک مُسِن یا مُسِنہ (دو سالہ بچھڑا یا بچھیا) ہے، پھر ساٹھ میں دو تبیع یا تبیعہ ہیں، آگے یہی قاعدہ چلے گا کہ ہر تیس میں تبیع یا تبیعہ اور ہر چالیس میں مُسِن یا مُسِنہ واجب ہے مثلاً ستر میں ایک تبیع اور ایک مسن آئے گا اور اسّی میں دو مسن آئیں گے نوّے میں تین تبیع اور سو میں دو تبیع ایک مسن آئے گا، وعلیٰ ھٰذا القیاس۔

(کنز مع البحر الرائق ص۲۱۵ ج ۲ وعامۃ الکتب)

(۴۲) بھینس بھی گائے کے حکم میں ہے۔ اور کسی کی مِلک میں گائیں بھینسیں جمع ہو جائیں تو دونوں کو ملا کر زکوٰۃ ادا کرے مثلاً اس کے پاس بیس گائیں اور دس بھینسیں ہیں تو ان میں ایک تبیع واجب ہے۔

جب دونوں جنسیں جمع ہوں تو زکوٰۃ اس کی جنس سے ادا کی جائے جس کی تعداد زیادہ ہو، اور دونوں برابر ہوں تو میانہ جانور دیا جائے جو نہ بہت اعلیٰ ہو نہ بالکل ادنیٰ۔

اور گائے بھینسوں کی زکوٰۃ میں اختیار ہے کہ نر ادا کیا جائے یا مادہ۔ مگر افضل یہ ہے کہ مادہ زیادہ تعداد میں ہوں تو بچھیا اور نر زیادہ ہوں تو بچھڑا دیا جائے۔ (البحر الرائق ص۲۱۵ ج ۲۔ عالمگیریہ ص۱۷۸ ج ۱ وغیرہ)

(۴۳) چالیس بکریوں میں یکسالہ بکری یا بکرا واجب ہے۔ چالیس سے کم میں کچھ نہیں۔ یہ حکم ایک سو بیس تک ہے۔ ایک سو اکیس میں دو، دو سو ایک میں تین اور چار سو میں چار واجب ہیں۔ اس کے بعد ہر سو میں ایک واجب ہے پس پانچ سو میں پانچ، چھ سو میں چھ وعلیٰ ھٰذا القیاس۔

اور دو نصابوں کے درمیان جتنی تعداد ہے ان کی زکوٰۃ معاف ہے۔

اور بھیڑ دنبہ بھی بکری کی جنس میں داخل ہے پس بھیڑیں دنبے بکریاں مل کر بھی چالیس ہوں تو زکوٰۃ واجب ہے۔ یکسالہ بکرا بکری یا بھیڑ دنبہ دیا جائے۔
(کنز مع البحر الرائق ص۲۱۶ ج ۲ وعامۃ الکتب)

(۴۴) ان جانوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں:

گھوڑے، گدھے، خچر، کھیتی باڑی یا ہل جوتائی یا سواری کے جانور،

گھر میں چارہ کھانے والے جانور،

اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری کے سال سے کم کے بچے، خواہ نصاب کی مقدار میں ہی ہوں، یہ جب ہے کہ سب کے سب بچے ہی ہوں اگر پورے نصاب میں ایک جانور بھی سال بھر کا موجود ہو تو سب میں زکوٰۃ واجب ہے، اور زکوٰۃ میں بچہ لینا جائز نہ ہوگا بلکہ بڑا جانور دینا واجب ہے۔

اسی طرح مذکورہ جانوروں میں کوئی جانور تجارت کے لئے ہوں تو ان میں مالِ تجارت کے احکام جاری ہوں گے۔

وجوبِ زکوٰۃ (یعنی سال گذرنے) کے بعد تلف ہونے والا مال، یعنی جو مال زکوٰۃ ـ خواہ جانور ہوں یا دوسرے اموال ـ ضائع ہوجائے تو اس کی زکوٰۃ ساقط ہے مثلاً چوری ہوگیا یا تجارت میں خسارہ ہوگیا، اور اگر سال گذرنے کے بعد خود ضائع کیا تو زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی، مثلاً جانوروں کو چارہ، پانی نہ دیا جس سے وہ مرگئے یا مقروض مالدار کو قرض معاف کردیا تو زکوٰۃ ذمہ میں رہے گی اور اگر نادار کو قرض معاف کیا تو زکوٰۃ ساقط ہوگئی۔ [ع]

ع فی التنویر، ولاشئ فی خیل وبغال وحمیر لیست للتجارۃ وعوامل وعلوفۃ وحمل وفصیل وعجول الا تبعا الکبیر وعفو وھو ما بین النصب وھالک بعد وجوبھا بخلاف المستھلک بعد الحول لوجود التعدی ومنہ ما لو حبسھا عن العلف او الماء حتی ھلکت فیضمن بدائع (قولہ لوجود التعدی) علۃ لقولہ بخلاف المستھلک فانہ بمعنی تجب فیہ الزکوٰۃ (قولہ ومنہ) ای من الاستھلاک (الی قولہ) قلت ومن الاستھلاک ما لو ابرأ مدیونہ الموسر بخلاف المعسر (رد المحتار ص۲۸۲ ج ۲ وغیرہ)

(۴۵) زکوٰۃ، عشر، خراج، صدقۂ فطر، نذر اور کفارہ میں اصل واجب کے بجائے اس کی قیمت ادا کرنا بھی جائز ہے مثلاً سونے، چاندی اور مالِ تجارت کی زکوٰۃ میں چاہے تو انہی اموال کا چالیسواں حصہ الگ کر کے دیدے اور چاہے تو نقدی یا کسی دوسرے مال کی شکل میں چالیسویں حصہ کی قیمت ادا کردے۔

اور جانوروں کی زکوٰۃ میں نقدی وغیرہ کے علاوہ اسی جنس کا جانور بھی دے سکتا ہے۔ مثلاً چار سو بکریوں کی زکوٰۃ میں درمیانہ قسم کی چار بکریوں کے عوض ان کی قیمت کی تین فربہ بکریاں ادا کردیں تو جائز ہے اور خراج و عشر میں غلہ یا پھل پھول کے بجائے ان کی قیمت کا کوئی سا دوسرا مال دے دیا تو درست ہے صدقۂ فطر میں بھی گندم یا کھجور وغیرہ کے بجائے ان کی قیمت ادا کرنا جائز ہے۔

اور نذر میں جس مال کا نام لیا وہ متعین نہیں بلکہ اس کی قیمت دینا بھی جائز ہے مثلاً نذر مانی کہ یہ بکری ذبح کرے گا تو اسی کی قیمت کی دوسری بکری ذبح کرسکتا ہے اور ذبح کے بجائے قیمت بھی ادا کرسکتا ہے۔

کفارہ میں مساکین کو کھانے کی قیمت ادا کردی تو جائز ہے لیکن ان تمام اموال میں اگر مثلیات (ایک جیسی اشیاء) کا تبادلہ انہی کی جنس سے کیا جائے تو کمی کرنا جائز نہ ہوگا۔ مثلاً چالیس تولہ سونا کی زکوٰۃ میں ایک تولہ کے بجائے دس ماشہ کا زیور دیدیا جو قیمت میں ایک تولہ ہی کے مساوی ہے تو یہ کافی نہ ہوگا بلکہ دو ماشہ مزید ادا کرے۔ یونہی عشر میں ایک من گندم واجب ہوئی اس کی جگہ عمدہ قسم کی تیس سیر گندم دینا بھی کافی نہ ہوگا گو کہ یہ تیس سیر گندم قیمت میں من کے مساوی ہی ہو۔

اور قیمت چرائی کے جانوروں کی وہ معتبر ہے جو ادائے زکوٰۃ کے دن ہو،

اور بقیہ تمام اموال میں وہ جو وجوب زکوٰۃ کے دن (یعنی ختم سال پر) ہو۔
(ردالمحتار ص۲۸۵ ج ۲ وغیرہ)

عشر وخراج

(۴۶) زمینیں دو قسم کی ہوتی ہیں (۱) عشری (۲) خراجی۔ عشری سے مراد وہ زمین ہے جسے مسلمانوں نے فتح کیا اور وہ مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی۔

یا وہ زمین جہاں کے باشندے بلا قتال خود مسلمان ہو گئے۔

یا وہ غیر آباد افتادہ زمین جو کسی عشری زمین کے قریب ہے اور اسے کسی مسلمان نے آباد کیا۔

یا وہ زمین جسے عشری پانی سے سیراب کیا جائے۔

یا عشری وخراجی دونوں قسم کے پانیوں سے سیراب کیا جائے۔

اور خراجی سے مراد وہ زمین ہے جو فتح کرنے کے بعد وہیں کے باشندوں کو بطور احسان لوٹا دی گئی۔

یا دوسرے کفار کے حوالہ کر دی گئی۔

یا وہ علاقہ جو صلح کے طور پر فتح کیا گیا۔

یا وہ عشری زمین جسے مسلمان سے ذمی خرید لے، یا وہ بنجر زمین جسے حاکم مسلم کی اجازت سے ذمی آباد کر لے۔

یا مسلمان آباد کرے مگر وہ خراجی کے قریب پڑتی ہو۔

یا اسے خراجی پانی سے سیراب کیا جائے۔ پہلی قسم کی زمینوں میں عشر اور دوسری قسم کی زمینوں میں خراج واجب ہے۔

زمین کی ایک تیسری قسم بھی ہے یعنی نہ عشری نہ خراجی، مثلاً وہ زمین جسے

فتح کرنے کے بعد مسلمان ہمیشہ کے لئے اپنے ہی واسطے باقی رکھ لیں یا وہ زمین جس کا کوئی مالک نہ رہا اور وہ بیت المال کی ملک ہوگئی، اس کا حکم بھی بعینہ وہ ہے جو قسم اول کا یعنی وجوبِ عشر۔ (عالمگیریہ صفحہ ۲۳۷ ج ۲ رد المحتار صفحہ ۱۷۶ ج ۴)

(۴۷) شریعت کی رو سے زمین پر عائد کردہ ٹیکس کو عشر یا خراج کہا جاتا ہے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ عشر میں عبادت کی حیثیت غالب ہوتی ہے اسی لئے اس زکوٰۃ الارض بھی کہا جاتا ہے اور یہ صرف مسلمان ہی کی زمین پر عائد ہوتا ہے اور خراج خالص ٹیکس ہوتا ہے جو اصلاً کافر کی زمین سے وصول کیا جاتا ہے، نیز دونوں میں عملاً یہ فرق بھی پایا جاتا ہے کہ عشر زمین کی پیداوار پر ہی عائد ہوتا ہے اگر پیداوار نہ ہو تو عشر نہیں آتا، اور خراج کی دو قسمیں ہیں (۱) خراجِ موظف: وہ لگان جو زمین پر بصورتِ نقد وغیرہ عائد کر دیا جائے مثلاً فی بیگھ اتنے روپے یا فلاں غلہ کے اتنے صاع، اس میں زمین کے قابلِ کاشت ہونے کے باوجود اگر مالک پیداوار نہ اٹھائے تب بھی خراج ادا کرنا ہوگا۔ (۲) خراج مقاسمہ جو عشر کی طرح پیداوار ہی کا ایک مخصوص حصہ ہوتا ہے۔ مثلاً تہائی چوتھائی وغیرہ، یہ صرف اسی صورت میں واجب ہوگا جب زمین سے پیداوار اٹھائی جائے۔

(بدائع الصنائع صفحہ ۵۴ ج ۲ وعامۃ الکتب)

(۴۸) عشر بھی زکوٰۃ کی مانند فرض ہے مگر بہت سے احکام میں دونوں میں فرق ہے۔ عشر کا کوئی نصاب مقرر نہیں پیداوار کم آئے یا زیادہ بہر صورت عشر نکالنا فرض ہے، ہاں! اگر پیداوار نصف صاع (پونے دو سیر) سے بھی کم ہو تو عشر فرض نہیں۔

پیداوار پر سال گزرنا بھی شرط نہیں لہذا زمین سے اگر سال میں دو مرتبہ فصل آتی ہے یا کوئی درخت سال میں دو مرتبہ پھلتا ہے تو ہر مرتبہ کی فصل اور پھل کا عشر ادا کرنا

واجب ہے۔

نیز فرضیت عشر کے لئے صرف مسلمان ہونا شرط ہے، عاقل و بالغ اور آزاد ہونا بھی شرط نہیں۔ اگر وقف کی زمین میں اہل وقف کاشت کریں یا کوئی دوسرے کی زمین مزارعت و اجارہ پر کاشت کرے تب بھی عشر نکالنا فرض ہے۔

اور پیداوار کا قرض و حاجاتِ اصلیہ سے فارغ ہونا بھی شرط نہیں لہذا مقروض اور نادار پر بھی عشر فرض ہے۔ (البحر الرائق ص۲۳۶ ج ۲ و عامۃ الکتب)

(۲۹) عشر و خراج ادا کرنے سے پہلے زمین کی آمدن استعمال کرنا جائز نہیں۔ استعمال کیا تو ضامن ٹھہرے گا، ہاں! اگر مالک عشر کی مقدار الگ کر کے رکھ لے یا اس کے دل میں اس بات کا پختہ عزم ہو کہ کل پیداوار کا عشر ادا کر دے گا تو استعمال کر سکتا ہے۔

اور خراج وصول کرنے کے لئے حاکم چاہے تو غلہ روک سکتا ہے۔

عشر بھی جو شخص خوشی سے ادا نہ کرے حاکم کو جبراً وصول کرنے کا حق ہے جبری وصولی میں بھی عشر ادا ہو جائے گا مگر وہ اجر و ثواب ملنا مشکل ہے جو بطیبِ خاطر ادا کرنے میں ملتا۔

اور کوئی عشر ادا کئے بغیر وفات پا گیا اور پیداوار بھی موجود ہے تو عشر وصول کیا جائے گا۔[ع]

ع ولا یاکل شیئاً من طعام العشر حتی یؤدی عشرہ کذا فی الظہیریۃ وان افرز العشر یحل لہ اکل الباقی وقال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ما اکل من الثمرۃ او اطعم غیرہ ضمن عشرہ کذا فی محیط السرخسی (عالمگیریۃ ص۱۸۶ ج ۱) ولہذا اجاز للامام ان یاخذ جبرا ویسقط عن صاحب الارض الا انہ لا ثواب لہ وکذا لو مات من علیہ العشر والطعام قائم یؤخذ منہ بخلاف الزکاۃ (ایضاً ص۱۸۵ ج ۱) فی شرح التنویر وللامام حبس الخارج للخراج (رد المحتار ص۳۲ ج ۲)

(۵۰) عشری زمین اگر بارش، دریا، سیلاب یا قدرتی چشمہ کے پانی سے سیراب کی جائے تو اس کی پیداوار میں عشر (دسواں حصہ) واجب ہے
اور اگر محنت یا قیمت سے پانی حاصل کر کے سیراب کی جائے تو نصف عشر (بیسواں حصہ) واجب ہے۔ جیسے کنویں، ٹیوب ویل اور نہروں کا پانی اگر عشر و نصف عشر دونوں قسم کے پانی سے سیراب کی جائے تو غالب کا اعتبار ہوگا یعنی عشر والا پانی زیادہ مقدار میں ہو تو دسواں حصہ اور نصف عشر والا پانی زیادہ مقدار میں ہو تو بیسواں حصہ واجب ہوگا۔ اور دونوں قسم کے پانی برابر ہوں تو کل پیداوار کا ۳/۴۰ واجب ہوگا۔ (رد المحتار ص۳۲۵ ج ۲ و عامۃ الکتب)

(۵۱) عشری زمین سے ایسی پیداوار اٹھائی جس کی زراعت زمین سے مقصود ہے یعنی جو خودرو نہیں بلکہ زمین اسی کی کاشت کے لئے تیار کی گئی ہے تو اس میں عشر واجب ہے جیسے گیہوں جو چاول، گنا، تربوز، ککڑی، کھیرا، بینگن، کسم، کتان، تخم کتان، اخروٹ، بادام، زیرہ، دھنیا۔ غرض ہر قسم کے غلہ جات، میوہ جات پھلوں پھولوں اور سبزیوں ترکاریوں میں عشر واجب ہے کم مقدار میں ہوں یا زیادہ اور باقی رہنے والی ہوں یا نہ ہوں۔
یونہی عشری زمین، پہاڑ اور بیابان سے حاصل کردہ شہد میں عشر واجب ہے، نیز پہاڑ اور جنگل کے خودرو درختوں سے اتارے ہوئے پھلوں میں عشر ہے بشرطیکہ یہ مقامات اسلامی حکومت کی تحویل میں ہوں
(قاضیخان علی ھامش الھندیہ ص۲۶۹ ج ۱ رد المحتار ص۳۲۵ ج ۲ وغیرھا)

(۵۲) ان اشیاء میں عشر نہیں:
جن کی کاشت زمین سے مقصود نہ ہو، جیسے ایندھن، گھاس نرکل بید مجنون جھاؤ وغیرہ۔

جو چیز زمین کے تابع ہو جیسے درخت۔

جو درخت سے نکلے جیسے گوند اور قطران (ایک سیال مادہ)

وہ بیج جو صرف زراعت یا دوا کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں جیسے تربوز خربوزے کھیرے ککڑی کے بیج اور کندر میتھی کلونجی وغیرہ۔

بھوسہ سوکھی چری وغیرہ جس سے اناج حاصل کیا گیا ہو۔ ہاں! اگر دانہ پڑنے سے پہلے ہی جانوروں کو کھلادی تو عشر واجب ہے،

اسی طرح جن اشیاء کی کاشت زمین سے مقصود نہیں اگر زمین انہی اشیاء کے لئے فارغ کی تو ان پر بھی عشر آئے گا

(عالمگیریہ ص۱۷۶ ج۱ رد المحتار ص۳۲۱ ج۲)

(۵۳) فصل جب پیدا ہوا اور پھل ظاہر ہو کر اس قدر بڑھ جائے کہ اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ جاتا رہے تو عشر واجب ہو جاتا ہے گو کہ ابھی پختگی باقی ہو اور پھل توڑنے کے لائق نہ ہوں، لہذا غلہ اور پھل تیار ہونے سے پہلے اگر استعمال کرنے شروع کر دیئے یا کسی کو ہبہ کر دیئے تو ان کا عشر ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ یہی حکم خراج مقاسمہ کا بھی ہے۔ؑعہ

(۵۴) اگر عشری زمین کی فصل کٹنے سے پہلے یا کٹنے کے بعد ضائع ہو گئی تو ضائع شدہ فصل کا عشر اور خراج مقاسمہ ساقط ہو جائے گا۔ البتہ اگر اس

عہ قال فی الجوهرة: واختلفوا فی وقت العشر فی الثمار والزرع فقال ابوحنیفة وزفر: یجب عند ظهور الثمرة والامن علیها من الفساد وان لم یستحق الحصاد اذا بلغت حداً ینتفع بها (الی قوله) وفائدته فیما اذا اکل منه بعد ما صار جهیشا او اطعم غیره منه بالمعروف فانه یضمن عشر ما اکل واطعم عند ابی حنیفة وزفر (رد المحتار ص۳۲۱ ج۲)

کی کوتاہی سے ضائع ہوئی تو عشر و خراج ساقط نہ ہوں گے ۔ اور خراج موظف میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کھڑی فصل کسی ایسی آفت سے تباہ ہوگئی جس سے احتراز ممکن نہ ہو جیسے سیلاب ژالہ باری وغیرہ تو خراج ساقط ہو جائے گا بشرطیکہ اسی سال کسی دوسری فصل کے بونے کا وقت بھی باقی نہ ہو (جس کی کم از کم مدت تین ماہ ہے) اور اگر ایسی آفت سے کھڑی فصل تباہ ہوگئی جس سے احتراز ممکن تھا مثلاً درندے چوپائے کھا گئے، چوہوں نے تباہ کی یا کیڑا الگ گیا تو خراج ساقط نہ ہوگا۔ نیز اگر فصل تباہ ہونے کے بعد سال ختم ہونے میں اتنا وقت باقی ہو جس میں دوسری فصل بوئی جاسکے یا فصل کٹنے کے بعد تباہ ہو خواہ آسمانی آفت سے یا زمینی آفت سے تب بھی خراج ساقط نہ ہوگا۔ اگر خراجی زمین کی کچھ فصل تباہ ہوگئی کچھ باقی رہی تو زراعت وغیرہ کے مصارف منہا کرنے کے بعد بقیہ پیداوار اگر خراج سے دو چند ہو تو پورا خراج وصول کیا جائے گا ورنہ نصف پیداوار لی جائے گی ۔

(رد المحتار صلہ ۳۳۱ صلہ ۳۳۳ ج ۲ صلہ ۱۹۰ ج ۴ وغیرہ)

(۵۵) اگر کسی نے فصل اٹھائے بغیر زمین فروخت کردی اور سال ختم ہونے میں اتنا وقت باقی ہے کہ مشتری اس میں کوئی فصل کاشت کر سکتا ہے (یعنی تین ماہ یا اس سے زائد) تو خراج مشتری پر آئے گا۔ اور اگر بائع نے فصل اٹھانے کے بعد فروخت کی تو خراج بائع و مشتری دونوں پر تقسیم ہوگا

اگر ایسے وقت میں فروخت کی کہ مشتری کوئی فصل کاشت نہیں کر سکتا (یعنی تین ماہ بھی باقی نہیں) تو پورا خراج مشتری پر آئے گا بشرطیکہ بائع نے اسی سال کوئی اور فصل نہ اٹھائی ہو ورنہ خراج دونوں پر آئے گا ۔

اور اگر فصل تیار ہونے کے بعد فروخت کی تب بھی خراج دونوں پر آئے گا بشرطیکہ سال ختم ہونے میں اتنا وقت ہو کہ مشتری فصل کاشت کر سکے ورنہ پورا خراج بائع

پر آئے گا۔

یہ تفصیل خراجِ موظف میں تھی۔ عشر اور خراج مقاسمہ کا تعلق چونکہ پیداوار سے ہے اس لئے فصل تیار ہونے سے پہلے فروخت کرنے کی صورت میں عشر و خراج مشتری پر آئے گا اور فصل تیار ہونے کے بعد فروخت کرنے کی صورت میں بائع پر۔

اگر صرف فصل بغیر زمین کے فروخت کی تو اس میں بھی یہی تفصیل ہے کہ فصل ابھی تیار نہ ہو تو عشر و خراج مقاسمہ مشتری پر ہے اور تیار ہونے کی صورت میں بائع پر۔

البتہ اگر تیار ہونے سے پہلے فصل فروخت کی اور مشتری نے اسی حال میں کاٹ لی تو عشر و خراج مقاسمہ بائع پر ہے (عالمگیریہ ص۲۳۵ ج۲ رد المحتار ص۳۳۳ ج ۲ ص۱۹۲ ج)

(۵۶) مذکورہ بالا مسائل میں پھلوں کا بھی وہی حکم ہے جو فصل کا۔ یعنی ضائع ہونے کی صورت میں پھلوں کا عشر ساقط ہے جبکہ اس میں مالک کی کوتاہی کا دخل نہ ہو، اور پختہ ہونے سے پہلے اگر پھل فروخت کر دیئے جائیں تو عشر مشتری پر آئے گا اور پختہ ہونے کے بعد فروخت کرنے کی صورت میں بائع پر (رد المحتار ص۳۳۱ ج ۲ وغیرہ)

(۵۷) اگر زمین اجارہ (ٹھیکے) پر دی جائے تو اس میں دیکھا جائے گا کہ زیادہ آمدن کس کے حصہ میں آتی ہے؟ اگر زمیندار اُجرت زیادہ لیتا ہے اور مستاجر (ٹھیکہ دار) کو بچت کم ہوتی ہے تو عشر زمیندار پر آئے گا۔ اور اگر زمیندار کی اجرت کم اور مستاجر کی بچت زیادہ ہے (جیسا کہ اس دور میں عموماً ہوتا ہے) تو عشر مستاجر پر آئے گا۔

اور زمین مزارعت پر ہو تو مزارعت صحیحہ میں عشر زمیندار و مزارع دونوں پر بقدرِ حصص آئے گا۔ یعنی عشر کل پیداوار سے مشترک طور پر ادا کرنے کے بعد دونوں پیداوار تقسیم کریں۔

اور مزارعتِ فاسدہ میں اگر بیج زمیندار کی طرف سے ڈالا گیا تھا تو عشر

اسی پر ہے اور مزارع کی طرف سے ڈالا گیا تھا تو اس کا حکم وہی ہے جو اجارہ کا تحریر کیا گیا یعنی عشر اس پر ہے جسے بچت زیادہ ہو۔ اور ان تمام صورتوں میں خراج مقاسمہ کا حکم وہ ہے جو عشر کا۔ باقی خراج موظف بہر صورت زمیندار پر ہے۔

واضح رہے کہ درج ذیل تین صورتیں مزارعۃ صحیحہ کی ہیں۔

- زمین اور بیج ایک کی طرف سے ہوں، ہل اور محنت دوسرے کی طرف سے
- زمین ایک کی باقی سب کچھ دوسرے کا،
- محنت ایک کی باقی سب دوسرے کا، ان کے علاوہ بقیہ تمام ممکنہ صورتیں مزارعۃ فاسدہ کی ہیں۔ (رد المحتار صـ۳۳۴ ج ۲ صـ۱۸۵ ج ۴ وغیرہ)

(۵۸) مسلمان نے اپنی عشری زمین دوسرے مسلمان کو عاریت پر دی تو اس کا عشر کاشتکار پر ہے اور کافر کو دی تو مالک کے ذمہ عشر ہے۔

اور زمین پر کسی نے غاصبانہ قبضہ کر کے اس پر کاشت کی تو خراج موظف اسی غاصب پر آئے گا بشرطیکہ مالک زمین کو پورے سال میں ایک فصل اٹھانے کا بھی موقع نہ ملا ہو اور نہ ہی وہ غاصب سے زمین لوٹانے پر قادر ہو

اور عشر و خراجِ مقاسمہ کا تعلق چونکہ پیداوار سے ہوتا ہے اس لئے مالک پر نہیں آئے گا۔ غاصب اگر کاشت کرے تو اس پر آئے گا۔

(خلاصۃ الفتاوٰی صـ۲۴۵ ج ۱ رد المحتار صـ۳۳۳ ج ۲)

(۵۹) فصل اگنے کے بعد کسی نے عشر ادا کر دیا تو ادا ہو گیا، اور فصل بونے سے پہلے ادا کیا تو ادا نہ ہوا بونے کے بعد اگنے سے پہلے ادا کیا تب بھی راجح قول کے مطابق ادا نہ ہوا۔ اور پھلوں کا عشر ایسے وقت نکالا کہ باغ میں پھول آ گیا تھا تو ادا ہو گیا اور اس سے بھی پہلے نکالا تو ادا نہ ہوا۔ ایسے خراج موظف قبل از وقت ادا کرنا صحیح ہے عہ

عہ فلو عجل عشر ارضہ قبل الزرع لا یجوز ولو عجل بعد الزراعۃ بعد النبات فانہ یجوز ولو عجل بعد الزراعۃ قبل النبات فالاظہر انہ لا یجوز ولو عجل عشر الثمار ان کان بعد طلوعہا یجوز وان کان قبل طلوعہا لا یجوز فی ظاہر الروایۃ ھکذا فی شرح الطحاوی۔ (عالمگیریہ صـ۱۸۶ ج ۱ سراجیہ صـ۲۶)

(۶۰) سرکاری ٹیکس ادا کرنے سے عشر ادا نہیں ہوتا جیسا کہ انکم ٹیکس وغیرہ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، البتہ خراج میں اس ٹیکس کو محسوب کیا جاسکتا ہے اگر خراج کی پوری مقدار اس میں آجائے تو درست ورنہ بقیہ خراج از خود ادا کرے۔ یہ حکم ان ممالک کا ہے جن میں مسلمانوں کی حکومت ہو، غیر مسلم ممالک میں واقع زمینوں کا خراج حکومت کو دینے سے ادا نہ ہوگا، وہاں کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ خراج نکال کر از خود دینی کاموں میں صرف کردیں۔ واضح رہے کہ زمین کا آبیانہ ادا کرنے سے خراج ادا نہیں ہوتا یہاں ٹیکس سے مراد سرکاری محصول ہے۔

(امداد الفتاویٰ ص۱۷ ج ۲ احسن الفتاویٰ ص۳۴۹ ج ۴)

(۶۱) عشر کل پیداوار پر بلا وضع مصارف ہے، یعنی ہل، بیج، پانی، کھاد، ادویات اجرتِ حفاظت اور دیگر مصارفِ زراعت منہا کئے بغیر کل پیداوار کا عشر ادا کرنا واجب ہے۔ یہ تمام اخراجات زمیندار اپنی گرہ سے ادا کرے گا۔[ع]

ع (قوله ولا ترفع المؤن) ای لا تحسب اجرة العمال ونفقة البقر وکری الانهار واجرة الحافظ وغیر ذلك لان النبی صلی الله علیه وسلم حکم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة فلا معنی لرفعها اطلقه فشمل ما فیه العشر وما فیه نصفه فیجب اخراج الواجب من جمیع ما اخرجته الارض عشرًا او نصفًا لا ان ما تکلفه یاخذه بلا عشر او نصفه ثم یخرج الواجب من الباقی کما توهمه بعض الناس (البحر الرائق ص۲۳۸ ج ۲) ومثله فی بدائع الصنائع ص۶۲ ج ۲ والهدایة ص۱۸۲ ج ۲ وفتح القدیر ص۱۹۴ ج ۲ ورد المحتار ص۳۲۸ ج ۲ وعامة الکتب)

آج کل بہت سے زمینداروں کی زبان پر یہ شکایت رہتی ہے کہ فی زمانہ کھاد، اسپرے اور دیگر نئے اخراجات کی وجہ سے زراعت کے مصارف پہلے سے کئی گنا بڑھ چکے ہیں۔ انہیں منہا کئے بغیر کل پیداوار سے عشر نکالنے میں ہمیں کوئی بچت نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات خسارہ ہو جاتا ہے، اس کا جواب مذکورۃ الصدر عبارت میں تفصیل سے آگیا کہ اخراجات اور کلفت و مشقت کی بناء پر ہی شریعت میں عشر کی دونوں قسموں میں آدھ و آدھ کا تفاوت رکھا گیا ہے۔ اس طے شدہ شرعی فریضہ میں اب مزید کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔

نیز جدید ادویات اور آلاتِ زراعت کی بہتات سے جہاں اخراجات بڑھ گئے ہیں وہاں پیداوار کی شرح بھی اسی تناسب سے بڑھ گئی ہے، چنانچہ مشاہدہ ہے کہ زمینیں پہلے کی بنسبت کئی گنا ←

مصارفِ زکوٰۃ

(۶۲) ہر اس مسلمان کو زکوٰۃ وعشر اور صدقاتِ واجبہ دینا جائز ہے جو صاحبِ نصاب نہ ہو، نہ ہی سید ہاشمی ہو، اور نہ صاحبِ مال سے رشتۂ وِلاد و زوجیت رکھتا ہو، اور مستحقین میں سے درج ذیل لوگ زیادہ استحقاق رکھتے ہیں: مقروض، مجاھد، طلبہ، علماء یا دین کے کسی بھی شعبے سے وابستہ افراد عازمِ حج، ایسا مسافر جس کے پاس مال نہ رہا بقدرِ ضرورت لے سکتا ہے گو کہ اس کے گھر میں بقدرِ نصاب مال موجود ہو۔ (ردالمحتار صفحہ ۳۴۳ ج ۲ وعامۃ الکتب)

(۶۳) ان کو زکوٰۃ وعشر اور صدقاتِ واجبہ دینا جائز نہیں:

کافر خواہ ذمی ہی ہو،

اپنے اصول یعنی جن سے پیدا ہوا ہے ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ

فروع یعنی اولاد بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی وغیرہ۔

ان میں وہ بچہ بھی شامل ہے جو اس کے ناجائز نطفہ سے ہے (یعنی زنا کا بچہ) اسی طرح وہ بچہ بھی جو اس کی منکوحہ سے ہوا مگر اس نے اولاد تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

زیادہ پیداوار دے رہی ہیں اگر اس کے باوجود زمینداروں کی شکایت ہے کہ انہیں بچت نہیں ہوتی تو اسے بے برکتی کو اعمال کی پاداش کے سوا کیا کہا جائے؟ پھر معاملہ صرف زراعت کا ہی نہیں تجارت صنعت و حرفت اور ملازمت سمیت تمام شعبہائے معاش میں یہ بے برکتی پھیلی ہوئی ہے اس پریشانی کا علاج اپنے ذرائع آمدن کی تطہیر، تقویٰ و تدین کا اھتمام اور شکر و قناعت کی زندگی گذارنے میں ہے نہ کہ شرعی مسائل میں بے جا قطع و برید یا کٹ حجتی میں۔

بیوی اپنے شوہر کو نہیں دے سکتی، شوہر بیوی کو نہیں دے سکتا گو کہ اسے طلاق ہی دے چکا ہو جب تک عدت باقی ہے۔

مالدار، سید ہاشمی یعنی حضرت عباس وحارث بن عبد المطلب اور حضرت علی، جعفر وعقیل بن ابی طالب کی اولاد۔ اور سید ہونے کے لئے شجرۂ نسب محفوظ ہونا ضروری نہیں شہرت عام کافی ہے۔

مالدار کے والدین، بیوی یا مالدار بیوی کا شوہر، ان کی بالغ اولاد اور وہ شخص جس کی صرف ماں سیدہ ہو اس فہرست سے خارج ہیں۔ لہٰذا انہیں زکوٰۃ دینا جائز ہے جبکہ مستحق ہوں (عالمگیریہ ص۱۸۸ ج ا وعامۃ الکتب)

(۶۴) کسی کے حالات میں غور وفکر کرنے کے بعد اسے مستحق زکوٰۃ سمجھ کر زکوٰۃ دیدی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مستحق نہیں۔ مثلاً مالدار ہے یا ہاشمی ہے یا اپنے اصول وفروع میں سے نکلا یا وہ ذمی کافر ہے تو زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ اگر غور وفکر کئے بغیر زکوٰۃ دیدی اور بعد میں غیر مستحق نکلا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوئی، لینے والے کے ذمہ بہرحال مال واپس کرنا واجب ہے۔

(کنز مع البحر الرائق ص۲۴۷ ج ۲ وعامۃ الکتب)

(۶۵) ان رشتہ داروں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں:

بھائی، بہن، چچا، چچی، ماموں، ممانی، خالہ، پھوپھی اور ان سب کی اولادیں۔ رضاعی والدین، رضاعی اولاد، سوتیلے والدین، سوتیلی اولاد، بہو داماد، خسر۔

زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ میں دوسرے لوگوں کی بنسبت اپنے رشتہ داروں کو مقدم رکھنا اولیٰ وافضل ہے۔ مستحق رشتہ داروں میں یہ ترتیب رکھنی چاہیے: سب سے پہلے بھائی بہن پھر ان کی اولاد، پھر چچا اور پھوپھیاں، پھر ان

کی اولاد۔ پھر ماموں اور خالائیں، پھر ان کی اولاد، پھر دوسرے رشتہ دار پھر پڑوسی، پھر اپنے ہم پیشہ لوگ، پھر اپنے شہر یا گاؤں کے لوگ۔ ان رشتہ داروں میں سے جن کا نفقہ اس کے ذمہ ہے انہیں بھی زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ مگر اسے نفقہ میں محسوب کرنا جائز نہیں ہے۔

(۶۶) مال جس شہر میں ہے اس کی زکوٰۃ وہیں کے فقراء و مستحقین پر تقسیم کی جائے (گو کہ صاحبِ مال دوسرے شہر میں ہو) دوسری جگہ بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے۔ ہاں! اگر وہاں کے مستحقین اپنے رشتہ دار ہوں یا اس شہر کے مستحقین سے زیادہ محتاج ہوں، یا زیادہ نیک و پرہیزگار ہوں یا وہاں بھیجنا مسلمانوں کے حق میں زیادہ نفع مند ہو تو شہر سے باہر بھیجنے میں کوئی کراہت نہیں، بلکہ اہل قرابت کا حق دوسرے مساکین سے بڑھ کر ہے

اسی طرح اگر کوئی مسلمان دارالحرب میں رہتا ہے اگر وہ زکوٰۃ دارالاسلام میں بھیجے یا کوئی شخص دوسرے شہر کے طلبۂ دین کے لئے بھیجدے یا سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ نکال کر شہر سے باہر بھیجدے تب بھی کراہت نہیں۔

(ہدایہ مع فتح القدیر ص۲۱۷ ج ۲ ردالمحتار ص۳۵۳ ج ۲)

عہ وقید بالولاد لجوازہ لبقیۃ الاقارب کالاخوۃ والاعمام والاخوال الفقراء بل هم اولی لانه صلۃ وصدقۃ (الی قوله) ولو دفع زکاته الی من نفقته واجبة علیه من الاقارب جاز اذا لم یحسبها من النفقة (بحر) وقدمناه موضحا اول الزکوٰۃ ویجوز دفعها لزوجة ابیه وابنه وزوج ابنته تاترخانیه (ردالمحتار ص۳۴۶ ج ۲) وفی القهستانی جمع بین الصلة والصدقة وفی القهستانی . والافضل اخوته واخواته ثم اعمامه وعماته ثم اخواله وخالاته ثم ذووا رحامه ثم جیرانه ثم اهل سکته ثم اهل بلده (ایضاً ص۳۵۳ ج ۲ وغیرہ)

(۶۷) مستحب یہ ہے کہ مستحق کو اس قدر مالِ زکوٰۃ دیا جائے کہ اس دن اسے کسی سے سوال نہ کرنا پڑے۔ اور یہ مستحقین کی حالت کے اعتبار سے مختلف ہے کسی کو کھانے کی احتیاج ہوتی ہے کسی کو لباس کی اور کسی کو دوا دو علاج کی، اور کوئی مقروض ہوتا ہے۔ غرض اسے اتنا دیدے کہ فقر و احتیاج زائل ہو جائے اور کسی کے سامنے ضرورت پیش نہ کرنی پڑے۔ اور کسی کو یکمشت اتنا مال دیدینا مکروہ ہے کہ وہ صاحبِ نصاب بن جائے۔ ہاں! اگر مقروض ہے تو اتنا مال دینے میں کراہت نہیں کہ قرض ادا کرنے کے بعد نصاب نہ بچے۔

اسی طرح اگر مستحق صاحبِ عیال ہے تو اسے بھی یکمشت اتنا مال بلا کراہت دے سکتے ہیں کہ اگر وہ مال اس کی پوری عیال پر تقسیم کیا جائے تو ان میں کوئی صاحبِ نصاب نہ بن پائے۔

اگر وہ مقروض یا عیالدار تو نہیں مگر احتیاج اس قدر ہے جو بقدرِ نصاب مال لئے بغیر پوری نہیں ہو سکتی مثلاً مکان تعمیر کرنے کے لئے روپے کی احتیاج ہے تو یکمشت پوری رقم دینے کے بجائے کچھ رقم اسے دیدی جائے (جو قیمتِ نصاب سے کم ہو) جب وہ خرچ کر چکے تو مزید رقم دی جائے۔

یا وہ قرض لے کر مکان تعمیر کر لے اور قرض کی مقدار میں اسے رقم یکمشت دی جائے یا رقمِ زکوٰۃ سے مکان تعمیر کروا کر بنا بنایا مکان (خواہ وہ کتنی ہی مالیت کا ہو) بنیتِ زکوٰۃ دیدیا جائے۔ اس صورت میں مکان کی مالیت کا اعتبار ہوگا نہ کہ ان کی

عہ وانما قیدنا بقولنا یصیر غنیاً لانہ لو دفع مأتی درھم فاکثر لمدیون لا یفضل له بعد دینه نصاب لایکرہ وکذا لو کان معیلا اذا وزع المأخوذ علی عیاله لم یصب کلا منھم نصاب واطلق فی استحباب الاغناء عن السؤال ولم یقیدہ باداء قوت یومه کما وقع فی غایة البیان لان الاوجه النظر الی ما یقتضیه الاحوال فی کل فقیر من عیال وحاجة اخری کدین وثوب وغیر ذلك (البحر الرائق ص۲۴۹ ج۲ فتح القدیر ص۲۱۶ ج۲)

تعمیر پر صرف شدہ رقم کا۔ مثلاً مکان پچاس ہزار روپے میں تعمیر ہوا مگر اب تعمیر شدہ مکان کی قیمت ایک لاکھ تک پہنچ گئی تو چالیس لاکھ کی زکوٰۃ میں اسے دیا جاسکتا ہے

(۶۸) زکوٰۃ و عشر اور تمام صدقاتِ واجبہ میں تملیک شرط ہے، یعنی کسی مستحق کی مِلک میں دیدینا، اباحت (یعنی مالک بنانے کے بجائے صرف استعمال کرنے کی اجازت دینا) کافی نہیں۔ لہٰذا مسجد، مدرسہ، سڑک، پل وغیرہ کی تعمیر، نہر یا کنویں کی کھدائی، میت کی تکفین اور اس کے قرض کی ادائیگی، قرآن مجید یا دینی کتب خرید کر وقف کرنا، یا اس نوعیت کے دوسرے تمام کام جن میں شخصی تملیک نہیں پائی جاتی زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ سے انجام دینا جائز نہیں یہ رفاہی کام بے شک مسلمانوں کے لئے سود مند اور ایک اعلیٰ درجہ کی نیکی ہیں مگر ان کی تکمیل خراج اور عطیات وغیرہ کی رقوم سے ضروری ہے، زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ صرف فقراء و مساکین کا حق ہے، ہاں! مستحق کی مِلک میں آنے کے بعد زکوٰۃ کی رقم ہر جگہ صَرف ہوسکتی ہے۔ مگر یہ شرط ہے کہ مستحق کو واقعۃً مالک و مختار بنادیا جائے، اگر مِلک میں آنے کے بعد وہ اس رقم کو مسجد و مدرسہ میں صرف کرنے کے بجائے ذاتی تصرف میں لائے تو دینے والوں کو اس سے ذرہ بھر ناگواری نہ ہو۔عہ حیلۂ مروجہ میں (جو بعض جگہوں میں اختیار کیا جاتا ہے) تملیک کی یہ صورت نہیں اختیار کی جاتی۔عسہ

عہ (قوله هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى) لقوله تعالى وَآتُوا الزَّكٰوةَ والايتاء هو التمليك ومراده تمليك جزء من ماله وهو ربع العشر او ما يقوم مقامه (كنز مع البحر الرائق ص۲۰۱ ج ۲)
ولا يجوز ان يبنى بالزكوٰة المسجد وكذا القناطر والسقايات واصلاح الطرقات وكرى الانهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه ولا يجوز ان يكفن بها ميت ولا يقضى بها دين الميت كذا في التبيين (عالمگیریه ص۱۸۸ ج ۱)

عسہ اس لئے ایسے حیلہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ ص۱۳ ج ۲۔ اصلاح انقلاب امت ص۱۵ ج ۱

(۶۹) شرطِ تملیک سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ دینی مدارس میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا جائز نہیں، بے شک مدارس میں عمارات، وقف شدہ کتب، اساتذہ یا عملہ کی تنخواہوں میں زکوٰۃ صرف نہیں ہوسکتی مگر ان اداروں میں ایک بڑی تعداد مستحق طلبہ کی ہوتی ہے جن کی بنیادی ضروریات زکوٰۃ وعشر اور صدقاتِ واجبہ کی رقوم سے پوری کی جاتی ہیں اس لئے یہ ادارے زکوٰۃ و صدقات کا بہترین مصرف ہیں۔ مگر یہ احتیاط ضروری ہے کہ رقم متولی کے حوالہ کرتے ہوئے اسے اطلاع کردی جائے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے تاکہ وہ اسی مد میں صرف کرے۔ نیز کسی سفیر یا نمائندے کو دیتے وقت ایک حد تک اس کی تفتیش بھی ضروری ہے کہ یہ رقم کسی دینی ادارے تک پہنچ رہی ہے یا نہیں؟ اس زمانہ میں کئی پیشہ ور قسم کے لوگ جعلی تصدیقات اور رسیدیں لئے فرضی مدارس کے نام پر چندہ کرتے رہتے ہیں ان کے دھوکے سے بچنا ضروری ہے ۔ بعض تنظیمیں زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کی رقوم جمع کرکے رفاہِ عامہ کے کاموں میں صرف کرتی ہیں انہیں رقم دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

(۷۰) صاحبِ نصاب کو زکوٰۃ یا صدقاتِ واجبہ دینا جائز نہیں، بہت سے لوگ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ زکوٰۃ دینا صرف اس شخص کو ناجائز ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہو، حالانکہ دونوں کا حکم جداجدا ہے اور ہر ایک کا نصاب بھی الگ الگ۔

پہلا نصاب (جس سے زکوٰۃ فرض ہوتی ہے) چار چیزوں کا مجموعہ ہے اور دوسرا نصاب (جو زکوٰۃ لینے سے مانع ہے) پانچ چیزوں کا مجموعہ ہے۔

تفصیل یہ ہے کہ جس شخص کی مِلک میں سونا ساڑھے سات تولہ ہو، یا چاندی ساڑھے باون تولہ ہو، یا مالِ تجارت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو، یا نقدی اسی مقدار میں ہو، یا چاروں اشیاء تھوڑی تھوڑی مقدار میں ہوں مگر سب کا مجموعہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو، یا ان میں سے

بعض اشیاء تھوڑی مقدار میں ہوں مگر مجموعہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے ۔ دوسرے نصاب میں ان چاروں کے علاوہ ایک پانچویں شئی ۔ زائد از ضرورت سامان ۔ کا اضافہ بھی ضروری ہے یعنی سونے چاندی، مالِ تجارت اور نقدی کے علاوہ گھر میں روزمرہ استعمال کی چیزوں سے زائد سامان کی قیمت لگا کر دیکھی جائے، اگر ان پانچ اشیاء کا مجموعہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے، یا ان میں سے بعض اشیاء کا مجموعہ اس مقدار کو پہنچ جائے تو یہ شخص زکوٰۃ نہیں لے سکتا بلکہ اس پر صدقہ فطر اور قربانی بھی واجب ہے۔ کپڑوں کے تین جوڑوں سے زائد جوڑے، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر اور ٹی وی ضروریات میں داخل نہیں، اس لئے ان کی بھی قیمت لگائی جائے گی ۔

(ردالمحتار ص۳۳۹ ج ۲۔ احسن الفتاوٰی ص۲۶۴ ج ۴ وغیرہا)

(۷) اگر کسی کے پاس مذکورہ بالا اشیاء تو نہیں ہیں یا قدرِ نصاب سے کم ہیں مگر چرائی کے جانوروں کا نصاب ہے، یا نصاب نہیں مگر ضرورت سے زائد اتنے جانور موجود ہیں جن کی قیمت (اکیلی یا دوسری اشیاء سے مل کر) چاندی کے نصاب کو پہنچتی ہے تب بھی زکوٰۃ نہیں لے سکتا۔

اس کی ملک میں زمین ہے تو اس میں بھی دیکھا جائے گا، اگر وہ بقدرِ کفایت ہے یعنی اس کی آمدن اتنی ہے جو مالک زمین اور اس کے عیال کی ضروریات میں صرف ہو جاتی ہے مزید زمین نہیں بچتی یا اتنی بچتی ہے جس کی قیمت چاندی کے نصاب سے کم ہے تو یہ شخص مستحقِ زکوٰۃ ہے اور چاندی کے نصاب کو پہنچ جاتی ہے تو مستحق نہیں ۔

اور اگر زمین غیر آباد پڑی ہو تو اس میں بھی یہی دیکھا جائے گا کہ آباد کرنے کے بعد اگر پوری زمین بقدرِ کفایت ہو تو یہ مستحق ہے اور قدرِ کفایت سے چاندی کے نصاب جتنی زائد ہو تو مستحق نہیں (عالمگیریہ ص۱۸۹ ج ۱۔ احسن الفتاوٰی ص۳۰۶ ج ۴۰)

متفرق مسائل

(۷۲) نقد رقم کا وہی حکم ہے جو سونے چاندی کا زائداز ضرورت رکھی ہو یا ضروری اخراجات کے لئے، اور وہ اخراجات دینی ہوں یا دنیوی، بہر صورت اس پر زکوٰۃ فرض ہے، ہاں! اگر کوئی شخص حج پر جانے کے لئے بنک میں رقم جمع کر چکا ہو تو آمد و رفت اور معلّم وغیرہ کی فیس میں صرف ہونے والی رقم پر زکوٰۃ نہیں، بقیہ رقم (جو کرنسی کی صورت میں واپس ملے گی) پر زکوٰۃ فرض ہے۔

(رد المحتار صفحہ ۲۶۲ ج ۲۔ احسن الفتاویٰ صفحہ ۲۷۴ ج ۴)

(۷۳) وکیل کو یہ اختیار نہیں کہ موکل کی طرف سے دی گئی رقم زکوٰۃ کو دوسری رقم سے ملا دے، ورنہ ضامن ٹھہرے گا، یہ جب ہے کہ موکل کی اجازت نہ ہو اگر صراحۃً یا دلالۃً اس کی اجازت حاصل ہو تو ملانا جائز ہے۔ موجودہ عرف میں دلالۃً موکل کی اجازت پائی جاتی ہے اس لئے صراحۃً اجازت حاصل کرنا ضروری نہیں تاہم صراحۃً اجازت لے لے تو بہتر ہے {رد المحتار صفحہ ۲۶۹ ج ۲۔ احسن الفتاویٰ صفحہ ۳۰۰ ج ۴}

(۷۴) وکیل کو یہ اختیار نہیں کہ رقم زکوٰۃ خود رکھ لے گو کہ مستحق زکوٰۃ ہو، البتہ اگر موکل نے کہا جہاں چاہو خرچ کرو تو خود بھی رکھ سکتا ہے اور اپنی بالغ اولاد یا بیوی کو دونوں صورتوں میں دے سکتا ہے جب کہ مستحق ہوں، بلکہ خود مستحق ہو تو نابالغ اولاد کو بھی دے سکتا ہے۔ یہ جب ہے کہ موکل نے اسے اختیار دے دیا ہو کہ جسے چاہے دیدے اور اگر ان کے سوا کسی خاص شخص کو دینے کی وصیت کی تو کسی اور کو دینا جائز نہیں۔ (رد المحتار صفحہ ۲۶۹ ج ۲ وغیرہ)

(۷۵) اگر کسی نے صاحبِ نصاب بنتے ہی سال کا انتظار کئے بغیر پیشگی زکوٰۃ ادا کر دی تب بھی جائز ہے، لیکن سال پورا ہونے پر مال جاتا رہا یا نصاب سے کم پڑ گیا تو زکوٰۃ نہ ہوئی، بلکہ وہ نفلی صدقہ ہو گیا۔ اسی طرح اگر کئی سالوں کی زکوٰۃ

پیشگی دیدی تب بھی جائز ہے، بشرطیکہ مالکِ نصاب بن چکا ہو۔ اور اگر موجودہ مال نصاب سے کم ہے مگر مزید مال آنے کی امید ہے اس امید میں زکوٰۃ دیدی تو ادا نہ ہوئی گو کر زکوٰۃ دینے کے بعد مالکِ نصاب بھی بن جائے۔

اور اگر ایک نصاب ملک میں آنے کے بعد کئی نصابوں کی زکوٰۃ پیشگی ادا کردی تب بھی صحیح ہے، اب اگر سال پورا ہونے پر جتنے نصابوں کا مالک بن گیا تو سب کی زکوٰۃ ادا ہوگئی، ورنہ اختتام سال پر جتنے مال کا مالک ہے اسی کی زکوٰۃ ادا ہوئی بقیہ مال (جو زکوٰۃ کے نام سے ادا کیا تھا) نفل صدقہ ہوگیا، سال پورا ہونے کے بعد مزید مال آبھی گیا تو پیشگی ادا کی ہوئی زکوٰۃ اس میں محسوب نہ ہوگی۔ (عالمگیریہ ص۱۷۶ ج۱۔ رد المختار ص۲۹۳ ج ۲)

(۷۶) ایک آدمی مثلاً دس ہزار روپے کا مالک ہے مگر اس نے زکوٰۃ بیس ہزار کی ادا کردی اور نیت یہ کی کہ اگر سال پورا ہونے تک دس ہزار مزید آگئے تو یہ انہی کی زکوٰۃ ہے، ورنہ آئندہ سال میں محسوب ہوگی تو یہ جائز ہے۔

اسی طرح اگر دس ہزار کی ملکیت ہے مگر یہ سمجھا کہ پندرہ ہزار ہیں اور پندرہ ہزار ہی کی زکوٰۃ دیدی تو زائد زکوٰۃ آئندہ سال میں محسوب کرسکتا ہے۔

سونا چاندی بھی چونکہ ایک ہی جنس ہیں اس لئے ایک دوسرے کی جگہ محسوب ہوں گے۔ مثلاً کسی کے پاس سونا چاندی دونوں موجود ہیں، اس نے پیشگی سونے کی زکوٰۃ ادا کردی پھر سال پورا ہونے سے پہلے سونا جاتا رہا تو چاندی کی زکوٰۃ ادا ہوگئی گو کہ اس کی نیت میں صرف سونا ہی تھا۔

لیکن چرائی کے مختلف جانور چونکہ الگ الگ جنس ہیں اس لئے ایک دوسرے کی جگہ محسوب نہ ہوں گے۔ (عالمگیریہ ص۱۷۶ ج۱۔ قاضیخان ص۲۶۳ ج۱)

(۷۷) اموالِ زکوٰۃ (جن کی تفصیل پیچھے گذر چکی) کے سوا بقیہ اموال۔ خواہ استعمال میں ہوں یا نہ ہوں۔ میں زکوٰۃ نہیں جیسے کارخانوں، گوداموں اور دکانوں کی عمارات کارخانوں کی مختلف مشینریاں، دکانوں کا فرنیچر، کرائے پر دی گئی عمارات اسی طرح ٹرک ٹیکسیاں رکشے وغیرہ کہ ان اشیاء کی صرف آمدن پر زکوٰۃ ہے۔

البتہ اگر ان میں سے کوئی چیز تجارت کی ہو تو آمدن کے علاوہ اس کی کل مالیت پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

اسی طرح مختلف پیشوں سے منسلک لوگوں کے آلات و اوزار پر زکوٰۃ نہیں مگر ان اشیاء پر زکوٰۃ فرض ہے جو کسی کام کے لئے خریدی گئیں اور ان کا اثر بھی اس کام میں باقی رہے گا، مثلاً رنگریز نے کپڑے رنگنے کے لیے کسم، زعفران یا کوئی دوسرا رنگ خریدا تو سال پورا ہونے پر دوسرے اموالِ زکوٰۃ کے ساتھ اس کی زکوٰۃ ادا کرنا بھی واجب ہے۔

چمڑا رنگنے کے لئے خریدے گئے مازو تیل وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

عطر فروش کی شیشیوں اور تجارتی مشروبات کی ان بوتلوں پر بھی زکوٰۃ ہے جو مشروب سمیت فروخت کر دی جاتی ہیں، ہاں ایسی اشیاء پر زکوٰۃ نہیں جن کا اثر کام میں باقی نہ رہے جیسے صابون وغیرہ۔[ع]

ع (ومنها فراغ المال) عن حاجته الاصلية فليس فى دور السكنى وثياب البدن واثاث المنزل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة (عالمگیریہ ص۱۷۲ ج۱ وعامة الكتب)

وفى التنوير: ولا فى ثياب البدن واثاث المنزل ودور السكنى ونحوها۔ وقال الطحطاوى رحمه الله تعالىٰ: كحوانيت وخانات يستغلها (طحطاوى على الدر ص۳۹۲ ج۱)

(قوله وكذلك آلات المحترفين) اى سواء كانت مما لا تستهلك عينه فى الانتفاع كالقدوم والمبرد او تستهلك لكن هذا منه ما لا يبقى اثر عينه كصابون وحرض الغسال ومنه ما يبقى كعصفر وزعفران لصباغ ودهن وعفص لدباغ فلا زكاة فى الاولين، لان ما يأخذه من الاجرة بمقابلة العمل، وفى الاخير الزكاة اذا حال عليه الحول لان المأخوذ بمقابلة العين كما فى الفتح قال: وقوارير العطارين ولجم الخيل والحمير المشتراة للتجارة ومقاودها وجلالها ان كان من غرض المشترى بيعها بها ففيها الزكاة والا فلا (رد المحتار ص۲۶۵ ج۲)

(۷۸) بینک اکاؤنٹس سے حکومت جو زکوٰۃ کاٹ لیتی ہے اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ مالک کو دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں (ملاحظہ ہو مجلس تحقیق مسائلِ حاضرہ کراچی کا فیصلہ مندرجہ احسن الفتاویٰ ص۳۱۱ ج ۴) گو کہ حکومت کا یہ نظامِ زکوٰۃ کئی پہلوؤں سے قابلِ اصلاح ہے۔ اور کئی علماء کو زکوٰۃ ادا ہونے میں ہی تامل ہے۔

(۷۹) گورنمنٹ پراویڈنٹ فنڈ اور پرائیویٹ کمپنیوں کے پراویڈنٹ فنڈ کی نوعیت میں کچھ فرق ہے جس کی وجہ سے احکام میں بھی فرق ہوگا، گورنمنٹ پراویڈنٹ فنڈ میں حکومت مستاجر ہے اور ملازم اجیر ہے، فنڈ کی رقم مستاجر (حکومت) کے قبضہ میں رہتی ہے اس پر اجیر کا قبضہ نہیں ہوتا، قبض نہ ہونے کی وجہ سے بدستور حکومت پر دین ہے، لہٰذا اس پر زکوٰۃ نہیں، وصول ہونے کے بعد بھی اس پر گذشتہ زمانہ کی زکوٰۃ نہیں، بلکہ آئندہ کے لئے زکوٰۃ فرض ہوگی . . . . . البتہ اگر اس فنڈ میں ملازم نے کسی انشورنس کمپنی میں حصہ لیا تو اب بیمہ کمپنی کا قبضہ اجیر کی طرف منسوب ہوگا، اور کمپنی بمنزلہ وکیل ہوگی، اور وکیل کا قبض موکل کا قبض شمار ہوتا ہے، لہٰذا اجیر کی مِلک میں آجانے کی وجہ سے ہر سال اس کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔

پرائیویٹ کمپنیوں کا پراویڈنٹ فنڈ ایک مستقل کمپنی کی تحویل میں دیدیا جاتا ہے جس میں ملازمین کا ایک نمائندہ ہوتا ہے۔ یہ کمپنی چونکہ ملازمین کی وکیل ہے لہٰذا کمپنی کا قبضہ ملازم کا قبضہ شمار ہوگا، اس لئے اس پر زکوٰۃ فرض ہے

(احسن الفتاویٰ ص۲۶۲ ج ۴)

(۸۰) اگر کسی کے پاس کل مال حرام کا ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں بلکہ اس کے مالک معلوم ہوں تو ان پر رد کرنا واجب ہے اور مالک معلوم نہ ہوں تو ان کی طرف سے صدقہ

کر دینا واجب ہے، اگر حلال وحرام مخلوط ہے تو حرام مال کی مقدار نکالنے کے بعد باقی اگر بقدر نصاب بچتا ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔عہ

واضح رہے کہ بنک، انشورنس اور بیمہ کے ملازمین، تصاویر اور گانے بجانے کا کاروبار کرنے والے افراد اور حجام (جو داڑھیاں مونڈے، انگریزی بال بنائے) کی آمدن حرام ہے، اس پر زکوٰۃ نہیں، ان کے مال سے انتفاع جائز نہیں، نہ ہی ان سے مالی معاملہ کرنا جائز ہے، رشوت کی آمدن بھی حرام ہے۔ بنک فکسڈ ڈپوزٹ، سیونگ سرٹیفکیٹ، پرائز بونڈ اور انشورنس یہ سب سودی قرض ہیں اور پرائز بونڈ میں سود کے علاوہ قمار بھی ہے اس لئے ان قرضوں کی اصل رقم پر تو زکوٰۃ ہے، باقی ان کے منافع حرام اور واجب التصدق ہیں

(۸۱) سونے چاندی کی طرح کرنسی نوٹوں پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ ان سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ تو قدیم سے اکابر علماء کی رائے یہ چلی آرہی ہے کہ یہ خود ثمن نہیں، بلکہ رسید ہیں اس لئے اگر زکوٰۃ میں نوٹ ادا کئے تو زکوٰۃ اسی وقت ادا ہوگی جب وہ مستحق انہیں آگے چلا کر ان کے عوض کسی مال پر قبضہ کرلے، اس کے بجائے اگر نوٹ اس سے گم ہوگئے یا جل گئے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوئی اسی طرح اگر ان کی قیمت اس سے کم وصول ہوئی جو ان پر تحریر ہے تو اس کمی کے بقدار زکوٰۃ مزید ادا کرنا ہوگی۔ مگر یہ احتمالات چونکہ بعید ہیں اس لئے جب تک ان کا

عہ فی التنویر وشرحہ: ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملکه فتجب الزکوٰۃ فیه ویورث عنه (الی قوله) وهذا اذا کان له مال غیر ما استهلکه بالخلط منفصل عنه یوفی دینه والا فلا زکوٰۃ کما لو کان الکل خبیثا (قوله کما لو کان الکل خبیثا) فی القنیه لو کان الخبیث نصابا لایلزمه الزکاۃ، لان الکل واجب التصدق علیه فلا یفید ایجاب التصدق ببعضه اھ ومثله فی البزاریه (رد المحتار ص۲۹ ج ۲)

یقینی ثبوت نہ ہو یہی سمجھا جائے گا کہ زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ یہ تفصیل بڑے نوٹوں سے متعلق تھی ایک روپیہ کا نوٹ بذاتِ خود مال ہے

دوسری طرف کئی اکابر علماء کی رائے ہے کہ موجودہ زمانہ میں کرنسی نوٹوں کو سونے چاندی کی طرح خود ثمن کی حیثیت حاصل ہے، ان حضرات کی رائے میں نوٹ ادا کرنے سے بہرصورت زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، احتیاط بہرحال پہلا قول اختیار کرنے میں ہے۔[1]

(۸۲) مستحق کو جو چیز مدِ زکوٰۃ و صدقۂ واجبہ میں ملی، اگر وہ مالدار کو اباحۃً یا عاریۃً وہ چیز دیدے تو مالدار کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں، ہاں! اس کی مِلک کر دے تو استعمال جائز ہے۔ ردالمحتار ص ۱۱۶ ج ۲۔ طحطاوی علی الدر ص ۲۴۶ ج ۱)

(۸۳) زکوٰۃ و عشر اور صدقاتِ واجبہ کی مد میں جمع شدہ چندہ پر اگر سال گذر جائے تو اس پر زکوٰۃ نہیں بلکہ مالک کے پاس رہتے ہوئے بھی ان رقموں پر زکوٰۃ نہیں۔

اور مدِ عطیہ و صدقہ کی رقوم اگر کسی خاص مقصد (مثلاً فقراء و مساکین یا کسی رفاہی کام) کے لئے جمع کر کے رکھی گئیں تو جب تک خرچ نہ کر دی جاتیں سال بہ سال ان پر زکوٰۃ فرض ہوتی رہے گی۔

البتہ کسی مسجد، مدرسہ یا ادارے کو دی گئیں تو مہتمم یا متولّی و منتظم کی تحویل میں دینے کے بعد مالکان کی ملک سے نکل گئیں اس لئے ان پر زکوٰۃ نہیں، نہ معطی کے ذمہ، نہ مہتمم و متولی کے ذمہ لانّہا بمنزلۃ غلّۃ الوقف۔

(احسن الفتاویٰ ط ۲۳۱ ج ۱ ص ۳۰۹ ج ۴)

(۸۴) جس کے پاس ایک دن کی خوراک موجود ہو یا کمانے پر قدرت رکھتا ہو تو کھانے کے لئے اس کا سوال کرنا حرام ہے، یونہی دوسری اشیاء ضرورت اگر بقدرِ کفاف وگذارہ موجود ہوں تو ان کے لئے سوال کرنا جائز نہیں، اور بلا ضرورت

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے "کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم" مطبوعہ مکتبہ حلیمیہ

مانگنے والوں کو زکوٰۃ بلکہ صدقاتِ نافلہ دینا بھی جائز نہیں ؎۔ آج کل مانگنے کو لوگوں نے پیشہ بنالیا ہے، اچھے بھلے تندرست و توانا، کھاتے پیتے اور خوش پوشاک لوگ بلاجھجک مانگتے پھرتے ہیں، کوئی کہتا ہے عید آرہی ہے بچوں کے لئے کپڑے بنانے ہیں، کوئی کہتا ہے بچے اسکول کالج میں پڑھتے ہیں ان کی فیس ادا کرنی ہے۔ اور لڑکیوں کا جہیز بنانے کے لئے تو مانگنے کا عام دستور ہو گیا ہے، حالانکہ ان میں سے کوئی ضرورت بھی شرعی معنی میں ضرورت نہیں۔ یہ سب مصنوعی خود ساختہ قسم کی مجبوریاں ہیں جن کے لئے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا قطعی ناجائز ہے۔ ان سائلوں میں بہت سے لوگ خود صاحبِ نصاب ہوتے ہیں جن کے لئے سوال کرنا تو از روئے شریعت حرام ہی ہے مگر دینے والے لوگ بھی بلا تحقیق و تفتیش صرف ظاہری صورت دیکھ کر زکوٰۃ و صدقات کی رقوم ان کے ہاتھ میں تھما دیتے ہیں اور اپنے تئیں مطمئن ہو کر بیٹھ جاتے ہیں کہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی، غور کریں تو انہیں نظر آئے کہ ان کی یہ بے احتیاطی کتنے گناہوں کا مجموعہ ہے؟ ایک تو اپنی زکوٰۃ بے مصرف خرچ کر کے ضائع کر دینے کا گناہ، دوسرے تعاون علی المعصیت کہ غیر مستحق پیشہ ور سائلوں کو کچھ دینا در حقیقت ان کا حوصلہ بڑھانا ہے کہ اپنا پیشہ جاری رکھیں، تیسرے مساکین کی حق تلفی کہ یہ مال دراصل نادار مساکین کا حق تھا (جن کی تلاش و دریافت صاحبِ مال کا فرض تھا) ان سے پھیر کر غیر مستحقین کے حوالہ کر دیا گیا۔

؎ فی التنویر وشرحہ: ولا یحل ان یسئل شیئاً من القوت من لہ قوت یومہ بالفعل او بالقوۃ کالصحیح المکتسب ویأثم معطیہ ان علم بحالہ لاعانتہ علی المحرّم (قولہ ویأثم معطیہ الخ) قال الاکمل فی شرح المشارق: واما الدفع الی مثل ھٰذا السائل عالماً بحالہ فحکمہ فی القیاس الاثم بہ لانہ اعانۃ علی المحرم (رد المحتار ص۳۵۴ ج۲)

اور بہت سے سائل نمازوں کے بعد کھڑے ہو کر مساجد میں سوال شروع کر دیتے ہیں، ایسے لوگوں کو منع کرنے کے بجائے ان سے تعاون کرنا مزید ایک گناہ۔ مسجد کی بے حرمتی۔ اپنے سر لینا ہے

خلاصہ یہ کہ بلا اضطرار و مجبوری لوگوں سے سوال کرنا حرام ہے، بلا ضرورت مانگ مانگ کر پیسہ جمع کرنے والے لوگ صحیح حدیث کی رو سے اپنے لئے آگ کے انگارے جمع کر رہے ہیں (صحیح مسلم) اور پیشہ ور سائلوں کو کچھ دینا بھی جائز نہیں۔

(۸۵) شریعت میں نصاب پر جو سال گذرنے کی شرط رکھی گئی ہے تو اس سے مراد قمری سال ہے۔ لہٰذا کوئی شخص قمری مہینہ کی جس تاریخ میں مالکِ نصاب بنا بس وہی تاریخ حساب کے لئے متعین ہو گئی۔ آئندہ سال خاص اسی تاریخ میں جس قدر مال زکوٰۃ ہو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے، زکوٰۃ ادا جب چاہے کرے، مگر حساب کے لئے وہی تاریخ متعین رہے گی۔ اس تاریخ سے ایک روز پہلے بھی جو مال ملک سے نکل گیا اس کی زکوٰۃ ساقط ہو گئی اور ایک روز پہلے جو نیا مال آگیا اپنے ہم جنس مال میں شامل کر کے اس کی زکوٰۃ دینا واجب ہے۔

اگر مالکِ نصاب بننے کی قمری تاریخ یاد نہ ہو تو غور و فکر کرنے سے جس تاریخ کے متعلق ظن غالب ہو وہ متعین ہو گی۔ اگر غور و فکر سے بھی کوئی تاریخ خیال میں نہ آئے تو خود ایک تاریخ متعین کر لے اور آئندہ کے لئے ہمیشہ اسی کا پابند رہے۔

بہت سے لوگ اصل تاریخ کو نظر انداز کر کے، رجب یا رمضان المبارک میں اپنا حساب کرتے ہیں، حالانکہ نصاب کی اصل تاریخ سے پہلے یا بعد میں

حساب کرنے کی صورت میں مقدارِ زکوٰۃ کا صحیح صحیح تعین دشوار ہے، دو مثالوں سے اس کو سمجھا جائے۔

(۱) ایک شخص کے حساب کی اصل تاریخ دس شعبان ہے مگر وہ دس رمضان کو حساب کرکے زکوٰۃ دیتا ہے۔ فرض کیجئے دس شعبان کو اس کے پاس پچاس ہزار روپے کا مالِ زکوٰۃ تھا جس کی زکوٰۃ ساڑھے بارہ سو روپے بنتی ہے مگر اس نے دس رمضان کو حساب کیا جبکہ اس دوران مال گھٹ کر چالیس ہزار رہ گیا تھا۔ لہٰذا اسی حساب سے اس نے ایک ہزار روپے ادا کردیئے، اب اس کے ذمہ زکوٰۃ کے اڑھائی سو قرض رہ گئے، اگر کئی سال مال اسی طرح گھٹتا رہا (اور یہ کچھ بعید بھی نہیں) تو کئی ہزار روپے کی زکوٰۃ اس کے ذمہ قرض رہے گی۔

(۲) مالکِ نصاب بننے کی اصل تاریخ تو دس شعبان ہی ہے مگر وہ دس رجب کو حساب کرتا ہے، چنانچہ دس رجب کو حساب کیا تو کُل مال چالیس ہزار ہی بنا جس کی زکوٰۃ اس نے ایک ہزار روپے ادا کردی مگر آگے چل کر دس شعبان کو مال پچاس ہزار تک پہنچ گیا اب پھر اڑھائی سو روپے اس پر قرض ہوگئے۔

غرض پیشگی حساب کرنے میں بھی وہی خرابی لوٹ آئی جو تاخیر سے حساب کرنے میں تھی۔

بعض لوگ انگریزی مہینہ کا حساب رکھتے ہیں، اس میں بھی وہی خرابی لازم آتی ہے جو پہلی مثال میں ذکر کی گئی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر لازم آئے گی اس لئے کہ اس حساب میں زکوٰۃ کی اصل تاریخ ہر سال میں دس دس دن پیچھے ہٹتی چلی جائے گی، اس طرح چند سال میں مہینوں کا فرق پڑ جائے گا۔ غرضیکہ قمری مہینہ کے حساب سے فرضیتِ زکوٰۃ کی تاریخ کا محفوظ رکھ کر اس میں حساب کرنا ضروری ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی خواہ اس سے پہلے کرے یا بعد میں۔

(۸۶) مزارعتِ صحیحہ میں عشر اور خراج مقاسمہ زمیندار و مزارع دونوں میں بقدر حصص آتا ہے، اس صورت میں زمیندار پر لازم ہے کہ مشترک طور پر کُل پیداوار کا عشر نکال کر پھر مزارع کا حصہ نکالے، اگر عشر ادا کئے بغیر مزارع کا کل حصہ اس کے حوالہ کر دیا گیا تو اس بے دینی کے دور میں اس سے یہ توقع بعید ہے کہ از خود عشر ادا کرے عہ

(۸۷) پاکستان اور ہندوستان کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی؟ اس میں یہ تفصیل ہے:

جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہنچی ہیں ارثاً و شراءً و ھلم جراً وہ زمینیں عشری ہیں، اور جو درمیان میں کوئی کافر مالک ہو گیا تھا وہ عشری نہ رہی، اور جس کا حال کچھ معلوم نہ ہو اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہے یہی سمجھا جاویگا کہ مسلمان ہی سے حاصل ہوئی ہے بدلیل الاستصحاب۔ پس وہ بھی عشری ہوگی۔

(امداد الفتاویٰ ص۵۹ ج۲۔ عزیز الفتاویٰ ص۳۵۶ ج۱)

تقسیم ہند سے قبل حکومتِ برطانیہ کی طرف سے یا تقسیم کے بعد حکومتِ ہند یا اور کسی کافر حکومت کی طرف سے جو غیر آباد اراضی مسلمانوں کو قیمتاً یا بلا

عہ والحق الحقیق بالقبول ان ھٰذا الامر مسلّم الی اصحاب الاراضی الذین یقال لھم فی العرف "زمینداراں" فعلیھم ان یخرجوا الخمس بنیۃ الخراج اولاً قبل التنصیف من البین ثم ینصفون (الی) فان اقامۃ ھٰذا الامر من المزارعین محال لان الدیانۃ قد ارتفعت والاسلام قد ضعف حتی ان ظفر المزارعون بحصۃ الارض لم یعطوھا لاصحاب الاراضی اصلاً بل یصرفونھا فی معاشھم و یبدلونھا فی ربو یاتھم لکونھم مفلسین جائعین غیر متدینین (سراج الھند للعلامۃ الھمایونی ج احسن الفتاویٰ ص۲۶۳ ج۴)

قیمت دی گئیں یہ ملک کافر سے آنے کی وجہ سے خراجی ہیں

تقسیم ہند کے بعد حکومت پاکستان سے مسلمانوں نے جو غیر آباد اراضی قیمۃً یا بلا قیمت لے کر آباد کیں یہ عشری یا خراجی ہونے میں قریب تر اراضی کے تابع ہوں گی اگر قرب میں دونوں قسم کی اراضی برابر ہوں تو یہ نو آباد اراضی عشری ہوں گی۔

پاکستان میں غیر مسلموں کی مملوکہ اراضی جو مسلمانوں کو دی گئیں یہ عشری ہیں۔

غیر مسلمین کی متروکہ زمین یا غیر آباد اراضی جو حکومت پاکستان نے کسی مسلمان کو عاریت یا اجارہ یا مزارعت کے طور پر دی ہوں بطور تملیک نہ ہوں یہ نہ عشری ہیں نہ خراجی۔

حکومت ہند کی طرف سے مسلمانوں کی متروکہ اراضی جو مسلمانوں کو ملیں یہ استیلاء کافر کی وجہ سے خراجی ہیں۔ (احسن الفتاویٰ ص۳۸ ج ۴)

(۸۸) اگر کسی مسلمان نے اپنے رہائشی پلاٹ کو باغ یا کھیت میں تبدیل کر دیا تو اس میں بھی عشر یا خراج واجب ہے، جو زمین اس سے قریب تر ہو گی اس کا اعتبار ہوگا۔ عشری زمین قریب تر ہے تو عشر واجب ہوگا ہے خراجی ہے تو خراج! اگر دونوں قسم کی زمینیں قرب میں برابر ہوں تو عشر واجب ہوگا۔

اور اگر مکان رہائشی ہی ہے صرف اس کے صحن میں باغ لگا لیا تو اس پر عشر یا خراج کچھ واجب نہیں (رد المحتار ص۳۳ ج ۲)

(۸۹) جو کنواں، نہر، چشمہ وغیرہ عشری زمین میں واقع ہو اس کا پانی عشری پانی ہے اسی طرح بارش اور بڑے دریاؤں کا پانی بھی عشری ہے۔ اور جو نہریں کفار عجم نے کھودیں ان کا پانی خراجی ہے۔ نیز جو کنواں، نہر، چشمہ خراجی زمین میں واقع ہو اس کا پانی خراجی ہے۔ (عالمگیریہ ص۱۸۶ ج ۱۔ رد المحتار ص۳۳ ج ۲)

(۹۰) کان اور دفینہ کے مختصر احکام یہ ہیں:

کان میں سے جو پگھلنے والی دھات ۔ سونا، چاندی، پیتل، لوہا، تانبا وغیرہ برآمد ہو اس کا خمس بیت المال کے لئے نکال کر باقی دریافت کرنے والے شخص کو دیدیا جائے، خواہ وہ مسلمان ہو یا ذمی ۔ یہ جب ہے کہ زمین کسی کی مملوک نہ ہو مثلاً جنگل یا پہاڑ سے دریافت ہو، ورنہ کل کا کل مالکِ زمین کو دیا جائے گا۔

نہ پگھلنے والی اشیاء ۔ جواہرات، یاقوت و زمرد فیروزہ، سرمہ وغیرہ ۔ اور بہنے والی اشیاء ۔ نمک وغیرہ میں خمس نہیں۔ اسی طرح کسی کے مکان یا دکان سے دریافت ہونے والی کان میں بھی خمس نہیں بلکہ کل مالک کی ہے ۔

دریا سمندر سے جو خزانہ برآمد ہو نکالنے والے کی ملک ہے، بشرطیکہ سلطنت اسلامیہ کی کوئی نشانی اس میں نہ ہو۔

دفینہ ۔ خواہ خزانہ ہو یا ہتھیار یا سامان وغیرہ اس میں اگر سلطنتِ اسلامیہ کا نشان پایا جائے تو وہ لقطہ (پڑے مال) کے حکم میں ہے، یعنی ممکن حد تک اعلان کرنے کے بعد مالک کا علم نہ ہو تو مساکین پر صدقہ کر دیا جائے، مستحق ہو تو خود بھی رکھ سکتا ہے۔ اور اگر اس میں کفر کی کوئی علامت پائی جائے (مثلاً بت کی تصویر یا کافر بادشاہ کا نام) تو خمس لے کر باقی دریافت کرنے والے کو دیدیا جائے، خواہ اپنی زمین میں پائے یا دوسرے کی زمین میں ۔

جس دفینہ میں نہ اسلامی علامت پائی جائے نہ کفر کی تو زمانہ کفر کا سمجھا جائے گا۔ (عالمگیریہ ص۱۸۴ ج ۱ و عامۃ الکتب)

(۹۱) شرعی بیت المال کی چار مدیں ہیں : (۱) مد صدقات، جس میں مسلمانوں کی زکوۃ، صدقۃ الفطر اور زمینوں کا عشر رکھا جاتا ہے؟ اس مد کا مصرف فقراء و مساکین ہیں جن کی تفصیل لکھی جا چکی۔ (۲) مدِ خمس، جس میں غنیمتوں اور مختلف قسم کی کانوں سے نکلنے والی اشیاء کا خمس رکھا جاتا ہے۔ اس کا مصرف یتیم، مسکین و مسافر

لوگ ہیں۔ (۳) خراج، جزیہ اور ذمی تاجروں سے وصول ہونے والے ٹیکسوں کی مد: جس کا مصرف فوجی اخراجات، سرحدوں کی حفاظت، سڑکوں پلوں کی تعمیر و اصلاح۔ مساجد و مدارس کی تعمیر۔ قضاۃ و مفتیین اور معلّمین و متعلّمین کے اخراجات ہیں (۴) لاوارث اموال کی مد: جس کا مصرف نادار، مریض، معذور و بے کس قسم کے وہ افراد ہیں جو کمانے سے عاجز ہیں (عالمگیریہ ص۱۹۰ ج۱ و عامۃ الکتب)

اس زمانہ میں شرعی بیت المال کا وجود نہیں، مسلمانوں کا فرض ہے کہ اپنے اموال کی زکوٰۃ اور زمینوں کا عشر و خراج نکال کر از خود صحیح مصارف میں خرچ کرتے رہیں۔

صدقہ فطر

صدقہ فطر ہر اس آزاد مسلمان پر واجب ہے جو مکان، لباس، سواری، ہتھیار وغیرہ حاجاتِ اصلیہ سے زائد مقدار نصاب کا مالک ہو۔ اس میں عاقل و بالغ ہونا شرط نہیں، یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ مال بڑھنے والا ہو۔ لہٰذا کسی کی ملک میں زائد از ضرورت اشیاء اگر نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت) کی مقدار میں ہوں تو اس پر صدقہ فطر واجب ہے۔ اگرچہ اس کی ملک میں زیور، نقدی یا مالِ تجارت کچھ بھی نہ ہو۔

(الجوہرۃ النیرہ ص۱۷۰ ج۱ وعامۃ الکتب)

اس مسئلہ کی مزید تشریح اسی کتاب میں مسئلہ ۱۲ اور مسئلہ ۶۰ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جو شخص روزہ نہ رکھے اس پر صدقہ فطر نہیں حالانکہ صدقہ فطر ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر واجب ہے خواہ اس نے روزے رکھے ہوں یا نہ رکھے ہوں، اور نہ رکھنا کسی عذر سے ہو جیسے بڑھاپا، مرض، سفر وغیرہ یا بلا عذر ہو بہر صورت صدقہ فطر واجب ہے۔ (بدائع الصنائع ص۷۰ ج۲ وغیرہ)

(۹۳) مستحب تو یہ ہے کہ نمازِ عید پر جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کر دیا جائے تاہم کسی نے تاخیر کی تو اس سے صدقہ فطر ساقط نہ ہوگا بلکہ عمر بھر یہ واجب اس کے ذمہ رہے گا اور جب بھی ادا کرے یہ ادا ہی ہوگا نہ کہ قضاء۔

اگر کوئی ادا کئے بغیر مر گیا تو وصیت کر جانے کی صورت میں اس کے تہائی ترکہ میں سے صدقہ ادا کرنا واجب ہے، اور وصیت نہ کرنے کی صورت میں ورثہ کے ذمہ کچھ نہیں، ہاں بالغ ورثہ تبرعاً ادا کر دیں تو جائز ہے۔

اور صدقۂ فطر واجب ہونے کے بعد اگر مال جاتا رہا تب بھی صدقہ ذمہ میں رہے گا، بخلاف زکوٰۃ وعشر کے کہ وہ مال تلف ہونے سے ساقط ہوجاتے ہیں۔ (الجوہرۃ النیرۃ ص۱۷۲ ج ۱۔ ردالمحتار ص۳۵۸ ج ۲)

(۹۴) صدقہ فطر صرف اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے ادا کرنا واجب ہے۔ نابالغ اولاد میں بھی اگر کوئی خود مالکِ نصاب ہے، تو اسی کے مال میں سے ادا کیا جائے، اور یہی حکم مجنون اولاد کا ہے۔

بیوی، بالغ اولاد، والدین، بہن بھائی غرض کسی بھی دوسرے رشتہ دار کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا واجب نہیں گو کہ یہ اس کے عیال میں ہوں یعنی اس کے زیر کفالت ہوں۔ ہاں بالغ اولاد اور بیوی کا صدقہ ان سے اجازت لئے بغیر ادا کردیا تو ادا ہوگیا بشرطیکہ بالغ اولاد اس کے عیال میں ہو ورنہ صدقہ ادا نہ ہوگا اور باقی کسی بھی رشتہ دار کی طرف سے بلا اجازت ادا کرنے سے ادا نہ ہوگا۔

ھدایہ مع فتح القدیر ص۲۲ ج ۲ عالمگیریہ ص۱۹۲ ص۱۹۳ ج ۱) عہ

(۹۵) باپ نہ ہو یا تنگدست ہو تو دادا باپ کے قائم مقام ہے یعنی اس پر واجب ہے کہ اپنا اور اپنے ان یتیم پوتے پوتیوں کا فطرانہ ادا کرے جو صاحبِ نصاب نہیں ہیں (ردالمحتار ص۳۶۲ ج ۲ وغیرہ)

لیکن ماں کے ذمہ بچوں کا فطرانہ نہیں خواہ وہ مالدار ہی ہو۔ (ایضاً ص۳۶۱ ج ۲)

عہ بعض فقہاء کے نزدیک بیوی اور بالغ اولاد کی تخصیص نہیں بلکہ ہر وہ شخص جو اس کے عیال میں ہو اس میں داخل ہے، وظاھر الظھیریۃ انہ لوادیٰ عمن فی عیالہ بغیر امرہ جاز مطلقاً بغیر تقیید بالزوجۃ والولد۔ (البحرالرائق ص۲۵۲ ج ۲)

(۹۶) جس نابالغ لڑکی کا نکاح کر کے اسے رخصت کردیا گیا اگر وہ شوہر کی خدمت کے قابل ہے تو اس کا صدقۂ فطر کسی پر نہیں، نہ باپ پر نہ شوہر پر، اور خدمت کے لائق نہیں یا صرف نکاح ہوا ہے اور رخصتی عمل میں نہیں آئی تو اس کا صدقۂ فطر بدستور باپ پر ہے۔ یہ جب ہے کہ لڑکی خود صاحبِ نصاب نہ ہو ورنہ بہرصورت اس کے اپنے مال میں سے ادا کیا جائے۔

(خلاصۃ الفتاوٰی ص۲۳۷ ج ۱، ردالمحتار ص۳۶۲ ج ۲)

(۹۷) نابالغ اور مجنون اگر صاحبِ نصاب تھے اور ان کے سرپرست نے ان کے مال میں سے صدقۂ فطر ادا نہ کیا تو بالغ ہونے پر اور جنون زائل ہونے پر دونوں کے ذمہ صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔ ہاں اگر صاحبِ نصاب نہ تھے اور ان کے باپ دادا نے بھی ان کی طرف سے ادا نہ کیا تو ان کے ذمہ کچھ نہیں۔

(بدائع الصنائع ص۶۹ ج ۲، البحرالرائق ص۲۵۲ ج ۲)

(۹۸) صدقۂ فطر عیدالفطر کی صبح صادق کے وقت واجب ہوتا ہے، لہٰذا صبح صادق سے پہلے جو بچہ پیدا ہوا یا کافر مسلمان ہوگیا یا فقیر مالدار ہوگیا تو ان پر صدقۂ فطر واجب ہے، اسی طرح صبح صادق کے بعد جو شخص فوت ہوا یا مالدار فقیر بن گیا تب بھی صدقۂ فطر واجب ہے۔

اور صبح صادق سے پہلے جو شخص فوت ہوگیا یا مالدار فقیر ہوگیا تو ان پر صدقۂ فطر واجب نہیں، اسی طرح صبح صادق کے بعد جو بچہ پیدا ہوا یا کافر مسلمان ہوا تو ان پر بھی واجب نہیں۔

(الجوہرۃ النیرۃ ص۱۷۳ ج ۱، عالمگیریہ ص۱۹۲ ج ۱)

اگر عید سے پہلے بلکہ رمضان المبارک سے بھی پہلے کسی نے صدقۂ فطر

ادا کر دیا تو جائز ہے اسی طرح اگر صاحبِ نصاب بننے سے پہلے صدقہ ادا کر دیا پھر صاحبِ نصاب بنا تب بھی جائز ہے ۔ (عالمگیریہ ص۱۹۲ ج ۱) عہ

(۹۹) صدقہ فطر کی مقدار گندم سے نصف صاع اور جو، کھجور، کشمش سے ایک صاع ہے ۔ گندم اور جو کے آٹے ستو کا بھی وہی حکم ہے جو گندم اور جو کا ۔

فطرانہ میں چاہے یہی اشیاء ادا کریں، چاہے بصورتِ نقد ان کی قیمت ادا کریں ہر طرح جائز ہے بلکہ نقد کی صورت میں ادا کرنا اس لحاظ سے زیادہ بہتر ہے کہ اس سے فقیر کی ہر ضرورت پوری ہوسکتی ہے ۔

بقیہ اجناس — مکئی ، باجرہ ، چاول وغیرہ — سے اگر ادا کرنا چاہیں تو وزن کا اعتبار نہیں بلکہ قیمت کا لحاظ ضروری ہے ۔ یعنی ان کی قیمت نصف صاع گندم یا ایک صاع جو کھجور، کشمش کے برابر ہو وزن خواہ ان سے زیادہ ہو یا کم ۔

عہ احتیاط یہ ہے کہ رمضان سے پہلے فطرانہ ادا نہ کیا جائے کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور کئی اکابر فقہاء کے نزدیک اس صورت میں ادا نہیں ہوتا : واطلق فی التقدیم فشمل ما اذا دخل رمضان وقبله وصححه المصنف فی الکافی وفی الھدایۃ والتبیین وشروح الھدایۃ وفی فتاوٰی قاضی خان وقال خلف بن ایوب یجوز التعجیل اذا دخل رمضان وھکذا ذکرہ الامام محمد بن الفضل وھو الصحیح وفی فتاوی الظھیریۃ والصحیح انہ یجوز تعجیلھا اذا دخل شھر رمضان وھو اختیار الشیخ الامام ابی بکر محمد بن الفضل وعلیہ الفتوٰی اھ فقد اختلف التصحیح کما تری لکن تأید التقیید بدخول رمضان بان الفتوی علیہ فلیکن العمل علیہ (البحر الرائق ص۲۵۵ ج ۲)

گندم اور جو کی روٹی بھی قیمت کے حساب سے دی جاسکتی ہے۔

البتہ مذکورہ بالا چاروں اشیاء میں وزن کا لحاظ ضروری ہے، قیمت کا اعتبار نہیں لہذا کسی نے ایک صاع درمیانی قیمت کی گندم کی جگہ اسی کی قیمت کے مساوی نصف صاع عمدہ قسم کی گندم ادا کی تو جائز نہیں، اسی طرح نصف صاع گندم کی جگہ اس کی قیمت کے مساوی نصف صاع کھجوریں ادا کیں تب بھی جائز نہیں بلکہ نصف صاع مزید دینا ہوں گی۔

نیز ان چاروں اشیاء میں سے کسی ایک سے مکمل فطرانہ ادا کرنے کے بجائے متعدد اشیاء سے ادا کیا تب بھی جائز ہے اور اس صورت میں بھی فطرانہ کی مقدار وزن کے لحاظ سے پورا کرنا ضروری ہے۔ مثلاً کسی نے نصف صاع جو دیئے اور نصف صاع کھجوریں دیں، یا نصف صاع کھجوریں دیں اور ایک چوتھائی صاع گندم دی، یا نصف صاع جو دیئے اور چوتھائی صاع گندم دی تو درست ہے۔

گندم اور جو مخلوط ہوں تو جو جنس غالب ہو اس کا اعتبار ہوگا یعنی گندم غالب ہو تو نصف صاع اور جو غالب ہوں تو ایک صاع ادا کیا جائے۔

(عالمگیریہ ص۱۹۱ ج ۱ رد المحتار ص۳۶۴ ج ۲)

بازار میں راشن کے آٹے کا بھاؤ کم اور گیہوں کا بھاؤ زیادہ ہوتا ہے ایسے میں صدقۃ الفطر کے لئے گیہوں کی قیمت ادا کریں، آٹے کی قیمت گیہوں سے کم ہو تو آٹا یا اس کی قیمت دینے سے صدقۃ الفطر ادا نہ ہوگا۔

(فتح القدیر ص۲۲۹ ج ۲، احسن الفتاوی ص۳۸۴ ج ۴)

(۱۰) صدقۃ الفطر کا مصرف وہی لوگ ہیں جو مصرفِ زکوٰۃ ہیں۔

(رد المحتار ص۳۶۹ ج ۲ و عامۃ الکتب)

اس مسئلہ کی تفصیل اسی کتاب میں مصارفِ زکوٰۃ کے عنوان کے تحت دیکھ لی جائے۔

ایک شخص کا فطرانہ کئی مساکین کو یا کئی شخصوں کا فطرانہ ایک مسکین کو دے سکتے ہیں۔ (ردالمحتار ص۳۶۷ ج ۲ وغیرہ) عہ

عہ احتیاط یہ ہے کہ ایک شخص کا فطرانہ متعدد مسکینوں میں تقسیم نہ کیا جائے
ولم یتعرض فی الکتاب لجواز تفریق صدقۃ شخص علی مساکین وظاهر ما فی التبیین وفتح القدیران المذهب المنع وان القائل بالجواز انما هو الکرخی وصرح الولوالجی وقاضیخان وصاحب المحیط والبدائع بالجواز من غیر ذکر خلاف فکان هو المذهب کجواز تفریق الزکوٰۃ (البحرالرائق ص۲۵۵ ج ۲)

صدقہ وخیرات

اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال کا صدقہ ایک محبوب ترین نیکی اور دینے والے کے حق میں عمدہ ترین توشۂ آخرت ہے، ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصداق انسان کا حقیقی مال ومتاع وہی ہے جسے اپنے ہاتھ سے خرچ کر کے ذخیرۂ آخرت بنا چکا ورنہ بقیہ مال وجائیداد تو وارثوں کا حصہ ہے۔ (صحیح بخاری)

اور صدقہ خیرات گناہوں کی آگ کو ایسے بجھا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو۔

(احمد۔ ترمذی)

کسی آدمی کا اپنی زندگی (یعنی صحت) میں ایک درہم خرچ کرنا موت کے وقت سو درہم خرچ کرنے سے بھی زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ (ابوداؤد)

بہت سے مالدار مسلمان اس نیکی سے محروم ہیں، وہ سمجھتے ہیں ہم زکوٰۃ و عشر ادا کر دیتے ہیں مزید صدقہ کرنے کا نہ شریعت نے پابند بنایا ہے نہ اس کی کوئی ضرورت واہمیت ہے۔ حالانکہ زکوٰۃ یا صدقاتِ واجبہ کے علاوہ خاص نفلی صدقہ کی ترغیب وتحریض میں قرآن وحدیث کی تصریحات موجود ہیں۔ حدیث میں صاف صاف ارشاد ہے:

ان فی المال حقًّا سوی الزکوٰۃ۔ یعنی مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کچھ مزید بھی حقوق ہیں۔ (ترمذی۔ دارقطنی۔ ابن ماجہ)

یہ ارشاد فرما کر آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (۲-۱۷۷)

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ..... کے بعد ارشاد ہے وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ جس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال خرچ

کرنے کا حکم ہے۔

اور اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ سے صرف صدقاتِ واجبہ مراد لینا بھی بظاہر بعید ہے اس لئے کہ اس میں رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کو دینے کی ترغیب ہے، یہ سیاقِ کلام بتا رہا ہے کہ ان پر خرچ کرنے کی یہ ترغیب ان کے احتیاج واستحقاق کی بنیاد پر ہے نہ کہ حقوقِ واجبہ کے سبب۔

ذی استطاعت مسلمانوں پر شریعت کی رو سے دو قسم کے مالی حقوق عائد ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنی ذات میں واجب ہیں اور وقتی طور پر پیش آنے والے عوارض وخصوصیات کا ان میں کوئی دخل نہیں جیسے زکوٰۃ وعشر، صدقۂ فطر، نذر وکفارات کہ کوئی مستحق پیشِ نظر ہو یا نہ ہو ان صدقاتِ واجبہ کا نکالنا بہر صورت واجب ہے اور ان کے مستحقین کی تلاش صاحبِ مال کے ذمہ فرض ہے

دوسری قسم کے حقوق وہ ہیں جو اپنی ذات میں تو واجب نہیں مگر عوارض کی بناء پر وہ واجب ہو جاتے ہیں، مثلاً بے کس اور معذور قسم کے افراد جو کمانے پر قادر نہیں ان کی کفالت ان کے قریب ترین ذی استطاعت رشتہ داروں پر واجب ہے، یا کوئی مجبور ومضطر شخص کسی کے سامنے آگیا (اور دوسرا کوئی شخص موجود نہیں جو اس کی پریشانی زائل کر سکے، تو اس کی مدد کرنا واجب ہے۔

اسی طرح کہیں بے سہارا مسافر آگیا تو اس سے تعاون اور ہمدردی مقامی لوگوں پر واجب ہے۔ کسی نے بھی نہ پوچھا تو سب گنہگار ٹھہریں گے۔

نیز کوئی اہم دینی ضرورت سامنے آگئی، مثلاً بناءِ مسجد تو اس کی تکمیل بھی استطاعت رکھنے والے مقامی لوگوں پر واجب ہے، ان عوارض سے قطع نظر عام حالات میں صدقہ وخیرات اعلیٰ درجہ کی نفل عبادت ہے۔

تفصیلِ بالا سے اس خیال کا غلط ہونا بھی پوری طرح واضح ہو گیا کہ شریعت میں

زکوٰۃ وعشر یا کسی اور صدقۂ واجبہ کے علاوہ کہیں خرچ کرنے کا حکم نہیں۔

ہر سائل کو دینا ضروری نہیں، بلکہ بعض سائل بلا احتیاج واضطرار محض پیشہ کے طور پر سوال کرتے پھرتے ہیں، ایسے سائلوں کو تو دینا جائز بھی نہیں۔ اگر سائل مستحق ہو تو حتی المقدور اس کی مدد کی جائے، دینے کی گنجائش نہ ہو تو کم از کم کچھ دلجوئی کے کلمات کہہ کر اسے مناسب انداز سے رخصت کر دیا جائے۔

سائل سے ہمدردی کے بجائے اسے جھڑکنا یا اس سے وحشت ونفرت انسانی اقدار سے گری ہوئی حرکت ہے۔ قرآن مجید نے مالداروں کے مال میں مستحق سائلوں کا حق بیان کیا ہے:

وَفِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ (۵۱-۱۹)

سائل کو دیکھ کر فوراً اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نعمتوں سے نوازا اور کسی در کا محتاج نہیں بنایا، یہ بھی شکرِ نعمت ہی کا ایک حصہ ہے کہ مستحق سائل سے شفقت ونرمی کا معاملہ کرے اپنے مال میں اس کا حق سمجھ کر حصہ نکالے۔ البتہ اگر سائل اناڑی قسم کا آدمی ہو جو پیچھا نہ چھوڑے تو اس کی ایذاء سے بچنے کے لئے کسی حد تک سختی کا لہجہ اختیار کرنا بھی درست ہے۔

بعض لوگ نفل صدقہ کرنے میں بہت غلو کرتے ہیں، یعنی باوجود اس کے کہ خود اور اہل وعیال تنگی میں مبتلا ہوں یا قرض خواہ پیچھا کرتے رہیں مگر یہ نفل صدقہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ خاص خاص تاریخوں میں خاص خاص مواقع میں صدقہ خیرات کا ناغہ کسی قیمت پر گوارا نہیں کرتے گو کہ قرض لے کر ہی کرنا پڑے اور گھر میں فاقے ہی ہوں۔ پھر کم فہمی کے سبب اسے اپنا کمال تصوّر کرتے ہیں، حالانکہ حدیث میں صاف صاف ارشاد ہے: وَابۡدَاۡ بِمَنۡ تَعُوۡلُ کہ خرچ کرنے میں اپنے زیر کفالت افراد سے ابتداء کرو یعنی انہیں دوسروں سے مقدم کرو۔ (متفق علیہ)

بعض عجلت پسند انجام سوچے بغیر مال لٹا دیتے ہیں پھر انجام کار کنگال بن کر دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے ہیں جبکہ حدیث میں ہے:

خَیرُ الصَّدَقَةِ مَا کَانَ مِنْ ظَهْرِ غِنًی کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو ضروری حقوق سے بے نیاز ہو کر دیا جائے (متفق علیہ)

بعض لوگ اسے بڑی نیکی تصور کرتے ہیں کہ مرنے سے پہلے سب کچھ لٹا دیں اور ورثہ کتنے ہی محتاج ہوں انہیں محروم کر جائیں۔ مگر انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ ورثہ کے لئے مال چھوڑ جانا اور انہیں دوسروں کی محتاجی سے بے نیاز کرنا دوسری جگہوں پر صدقہ کرنے سے کہیں بڑی نیکی ہے۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

انك ان تذر ورثتك اغنياء خير من ان تذرهم عالة يتكففون الناس الحديث

تم اپنے ورثہ کو بے نیاز چھوڑ جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ انہیں تنگدست چھوڑ جاؤ کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے رہیں (متفق علیہ)

یوں بھی قرآن و حدیث میں اہل و عیال پر خرچ کرنے کی بڑی ترغیب دی گئی ہے، جو پیسہ اہل و عیال پر خرچ کیا جائے وہ کسی بھی دوسرے مصرف پر خرچ کرنے سے افضل اور زیادہ موجب اجر و ثواب ہے، ان پر ثواب کی نیت سے جو کچھ خرچ کیا جائے وہ صدقہ ہے: لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وسعت والے کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیئے۔ الآیۃ (۶۵-۷)

اَفْضَلُ دِيْنَارٍ يُّنْفِقُهُ الرَّجُلُ دِيْنَارٌ يُّنْفِقُهٗ عَلٰی عِيَالِهٖ الحديث

بہترین دینار جسے آدمی خرچ کرتا ہے وہ دینار ہے جسے وہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے

اذا انفق الرجل علی اھلہ نفقۃً یحتسبھا فھی لہ صدقۃٌ
جب کوئی شخص اپنے اہل و عیال پر ثواب کی نیت سے خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے لئے صدقہ ہے۔ (متفق علیہ)

بعض لوگ صدقہ خیرات کرتے ہیں، مگر جہالت کی بناء پر اپنا کیا کرایا ضائع کر کے خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃ کا مصداق ٹھہرتے ہیں، مثلاً صدقہ خالصۃً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرنے کے بجائے کسی ولی یا فقیر کے نام پر کر دیا ایسی چیز کا استعمال بھی جائز نہیں، یا جانور ان کے نامزد کر دیا، یعنی ان کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اسے خاص کر دیا ایسا جانور ذبح کرنے کے بعد مردار ہے اس سے انتفاع جائز نہیں، گوکہ بوقتِ ذبح اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ ہاں! اگر جانور ذبح کرنے سے مقصد تو اللہ تعالیٰ کی رضا ہے بزرگ کو صرف ثواب بخشنا چاہتا ہے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اس میں اور کوئی غلط عقیدہ نہ ہو جیسے کئی لوگ ایسے مواقع میں یہ گمان کر لیتے ہیں کہ ہمارے اس ایصالِ ثواب کے لئے یہ بزرگ خوش ہو کر ہماری حاجات پوری کر دیں گے یا کم از کم ان کی روحانی توجہ ہو جائے گی اور ہمارے حق میں دعا کر دیں گے ان میں پہلا عقیدہ تو شرکیہ ہے دوسرا بے اصل۔

جو شخص بزرگوں کے لئے ایصال ثواب کرنا چاہے اسے یہ کام خالی الذہن ہو کر کرنا چاہئے۔ مزید اپنی کوئی غرض اس میں شامل نہ رکھے ورنہ اس میں اخلاص نہ رہے گا۔

بعض لوگ نمود و نمائش اور فخر و مباہات کے لئے مال خرچ کرتے ہیں، ایسا صدقہ بجائے اجر و ثواب کے الٹا موجبِ عذاب ہے بلکہ حدیث میں ریاکاری کی عبادت کو شرک سے تعبیر کیا گیا ہے:

مَن صَلّٰی یُرَائِی فَقَد اَشْرَکَ وَمَن صَامَ یُرَائِی فَقَد اَشرک ، وَمَن تَصَدَّقَ یُرَائِی فَقَد اَشْرَکَ (احمد)

ضیاعِ اجر کا ایک بڑا سبب صدقہ دے کر احسان جتلانا ہے ، قرآن مجید نے ان لوگوں کی مدح کی ہے جو خالصۃً لوجہ اللہ خرچ کرتے ہیں : اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا (۷۶ - ۹)
(ہم تمہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں ، تم سے بدلہ اور شکر گذاری نہیں چاہتے) صدقہ دینے کے بعد اس سے کسی قسم کی امید نہ باندھنی چاہئے کہ اب یہ ہمارا احسان مند ہوگا۔ بلکہ مستحق کے وجود کو اللہ تعالیٰ کی نعمت تصور کرے کہ یہ نہ ہوتا تو ہم صدقہ خیرات کہاں صرف کرتے ؟ یہ اجر و ثواب کیسے حاصل کرتے ؟

احسان جتلانے سے صدقہ خیرات کا ثواب غارت ہو جاتا ہے : یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی الایۃ (۲ - ۲۶۴)
(اے ایمان والو ! احسان جتلا کر اور ایذا پہنچا کر اپنے صدقات ضائع مت کرو)

بعض لوگ چن چن کر بے قیمت اور ردی چیزیں ہی صدقہ کرتے ہیں حالانکہ قرآن مجید کی تلقین ہے : وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْہُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْہِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْہِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ (۲ - ۲۶۷)
(اور ردّی چیز کی نیت نہ کرو کہ اس میں سے خرچ کرو حالانکہ تم خود اسے لینے والے نہیں مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اس میں اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے پروا ، تعریفوں کے لائق ہیں)

اسی طرح ارشاد ہے : لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (۳ - ۹۲)
(تم لوگ خیر کامل کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی پیاری چیزوں میں سے کچھ خرچ نہ کرو)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ کم قیمت یا پرانی چیز خرچ ہی نہ کی جائے بلکہ حدیث میں تو نیا کپڑا پہن کر پرانا کپڑا صدقہ کر دینے کی خود فضیلت مذکور ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس کی عادت نہ بنالے کہ صرف نکمّی چیز ہی صدقہ کرتا رہے۔ ہاں! اگر ہر قسم کی اشیاء نکالتا رہتا ہے، عمدہ اور نئی بھی، پرانی مستعمل بھی تو اس میں مضائقہ نہیں۔

بعض بدنصیب صدقہ خیرات خلوصِ دل سے کرتے ہیں جس میں ریاء و سمعہ کا شائبہ بھی نہیں ہوتا، مگر ان کی کمائی حرام کی ہوتی ہے، یا کم از کم مخلوط و مشتبہ ہوتی ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: (لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ اِلَّا الطَّیِّبَ) الحدیث کہ اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ مال ہی قبول کرتے ہیں۔ (متفق علیہ)

ایک اور جگہ ارشاد ہے: وَلَا یَکْسِبُ عَبْدٌ مَالًا مِنْ حَرَامٍ فَیُنْفِقُ مِنْہُ فَیُبَارَکُ لَہٗ فِیْہِ وَلَا یَتَصَدَّقُ فَیُقْبَلُ مِنْہُ وَلَا یَتْرُکُہٗ خَلْفَ ظَہْرِہٖ اِلَّا کَانَ زَادَہٗ اِلَی النَّارِ الحدیث کہ بندہ حرام مال کما کر خرچ کرے تو اس میں برکت نہیں ہوتی، اس سے صدقہ کرے تو قبول نہیں ہوتا، اسے اپنے پیچھے چھوڑ جائے تو اس کے لئے توشۂ جہنم ہے۔ (مسند احمد)

بعض کم فہم لوگ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے مال میں سے کچھ مقدار صدقہ کر دیا جائے تو باقی مال پاک ہو جاتا ہے، یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں نفس و شیطان کا فریب ہے، حرام مال کی ایک کوڑی بھی اپنی ملک میں رکھنا حرام ہے۔ اگر مالک معلوم ہوں یا کسی بھی ذریعہ سے ان تک رسائی ممکن ہو تو پورا مال ان پر رد کرنا واجب ہے، ورنہ پورا مال ان کی طرف سے صدقہ کر دینا واجب ہے۔

بعض لوگ دوسروں کا مال لٹانے کو کمال تصوّر کرتے ہیں جیسے مرنے والے کے تمام ورثہ سے پوچھے بغیر اس کے مشترک ترکہ میں سے صدقہ خیرات! ایسے صدقہ سے میت کو کچھ فائدہ نہیں، دوسروں کی حق تلفی کا گناہ مستزاد ہے اور

ورثہ میں نابالغ بچے بھی ہوں تو معاملہ اور سنگین ہے، نابالغ کی اجازت کا بھی شرعاً کچھ اعتبار نہیں یتیموں کا حق کھانے والے نصِ قرآن کی رو سے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں: اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا الآیہ (۴-۱۰)

بہت سے لوگ میت کے کپڑے صدقہ کر دیتے ہیں اور یہ رسم ایسی چلی ہوئی ہے کہ اس کے ورثہ سے پوچھنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں جاتی، حالانکہ یہ بھی مرحوم کے ترکہ میں شامل ہیں ان کا حکم بعینہ وہ ہے جو متروکہ رقم اور زیورات وغیرہ کا ہے، بلکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر مرحوم کی جیب سے ایک الائچی کا دانہ بھی برآمد ہو تو ورثہ کا مشترک حق ہے، ان سے پوچھے بغیر اسے لینا جائز نہیں۔

بعض لوگ صدقہ خیرات بزعم خود اخلاص و نیک نیتی سے کرتے ہیں، بظاہر ان کے عمل میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی، مگر وہ سنت کے بجائے بدعت کے طریقہ پر ہوتا ہے، اپنی طرف سے نئی قیود بڑھا کر ایک نیکی کو گناہ کی شکل دیدیتے ہیں جس سے ثواب غارت ہو جاتا ہے۔

ان مسلمانوں کو بیٹھ کر ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہئے کہ دین وہی ہے جو اسلاف سے ہم تک پہنچا۔ امام دارالھجرۃ حضرت مالک بن انس رحمہما اللہ تعالے کا ارشاد ہے: فما لم یکن یومئذ دینا لا یکون الیوم دینا کہ جو چیز عہدِ خیر القرون میں دین نہ تھی وہ آج بھی دین نہیں۔ اس بدیہی اصول کو سامنے رکھ کر سوچیں کہ آج ایصالِ ثواب یا صدقہ وخیرات کے نام سے جو انواع و اقسام کی بدعات و رسوم ہمارے معاشرے میں جاری ہیں جن کا عہدِ خیر القرون میں کہیں کوئی نام و نشان نہ تھا جو صدیوں بعد کی ایجاد ہیں۔ سوچیں کہ اگر ان مخصوص طریقوں میں شمہ برابر خیر و برکت ہوتی تو ہمارے اسلاف، صحابہ و تابعین ضرور ان کا اہتمام کرتے

کہ وہ ہر خیر میں ہم سے ہزار درجہ بڑھ کر حریص تھے۔

صدقہ خیرات سے کوئی مسلمان منع نہیں کرتا، صرف ان حدود وقیود سے روکا جاتا ہے جن کا شریعت نے پابند نہیں بنایا جو اپنی طرف سے حکم شریعت پر زیادتی ہیں۔ اگر ان پابندیوں کو اٹھا دیا جائے یعنی صدقہ خیرات کے لیے کسی مسلمان کو جس وقت بھی جو کچھ میسر ہو کسی متعین تاریخ مخصوص طعام وغیرہ کی پابندی کے بغیر وہ مستحقین پر صدقہ کر دے تو اس میں حرج کیا ہے؟

خلاصہ یہ کہ خرچ کرنے کا حکم صرف زکوٰۃ وعشر تک ہی محدود نہیں اور بھی کئی مواقع میں شریعت نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، اور صدقہ وخیرات مقبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس میں دیا جانے والا مال حلال وطیب ہو۔ دینے میں ریاء ونمود کا شائبہ نہ ہو، دینے کے بعد مسکین پر احسان نہ جتلایا جائے مروجہ رسوم کی پابندی کے بغیر جو کچھ میسر ہو جس وقت میسر ہو خرچ کر دیا جائے۔ نیز اس کام میں اعتدال ضروری ہے۔ اپنی حیثیت سے بڑھ کر صدقہ کرنا یا اس بہانے اہل وعیال کے حقوق ضائع کر دینا جائز نہیں۔ زکوٰۃ وصدقات اور مالی تبرعات میں مسلمان جو کوتاہیاں کرتے ہیں ان کی پوری تفصیل حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اصلاح انقلاب امت میں درج فرمادی ہے۔

محمد ابراهيم عفا الله عنه

۲۲ رشوال ۱۴۱۳ھ

روزہ اور اعتکاف کے

سو اہم مسائل

آئینہ

صفحہ نمبر	عنوانات
۱۸۳	روزہ کی فضیلت
۱۸۴	روزہ کے باب میں کچھ کوتاہیاں
۱۹۰	روزہ کی اقسام اور شرائطِ صحت
۱۹۷	رویتِ ہلال
۱۹۹	ان باتوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا
۲۰۳	مکروہات
۲۰۵	مفسدات
۲۱۰	موجباتِ کفارہ
۲۱۶	وجوہِ رخصت
۲۲۰	مسائلِ متفرقہ
۲۲۳	اعتکاف
۲۳۰	مباحات
۲۳۵	مکروہات
//	مفسدات
۲۳۹	عورت کا اعتکاف
۲۴۰	متفرقات

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رمضان المبارک نیکیوں، رحمتوں اور برکتوں کے موسم بہار کی حیثیت رکھتا ہے اس میں پژمردہ دلوں کی کلی کھل اٹھتی ہے، افسردہ ہمتیں بیدار ہو جاتی ہیں، خوابیدہ جذبات انگڑائیاں لینے لگتے ہیں۔

نیکیوں کو نوازا جاتا ہے، خطاکاروں کو بخشش کے پروانے ملتے ہیں، صائمین و قائمین اور معتکفین تقرب و محبوبیت کی منازل طے کرتے ہیں

پہلے ایسے لوگ بے شمار تھے اور اب بھی ان کی کمی نہیں جو ماہِ مقدس کا سال بھر انتظار کرتے ہیں تاکہ روحوں کی بالیدگی، دلوں کے تزکیہ اور ذہنوں کی تطہیر کا سامان کر سکیں۔

ماہِ مبارک کی تمام تر اہمیت و فضیلت کے باوجود مسلمانوں کی اکثریت اس کے عام مسائل سے بھی ناواقف ہے ——— صرف ناواقف ہی نہیں بلکہ جہالت کی بناء پر بہت سی ضروری چیزوں کو غیر ضروری اور غیر ضروری باتوں کو فرض اور واجب کا درجہ دے دیا جاتا ہے۔ یوں بہت سے لوگ اس مہینے میں کچھ پانے کے بجائے بہت کچھ کھو دیتے ہیں، اور ان کا قیام و صیام غارت ہو جاتا ہے۔

پیش نظر کتاب کا بغور مطالعہ کر کے اگر اس میں درج شدہ مسائل و احکام کو سامنے رکھ کر ماہِ مقدس گذارا جائے تو ان شاء اللہ کل قیامت کے دن حسرت نہیں ہوگی۔

اگر کتاب میں درج شدہ مسائل و احکام میں قارئین کو کوئی غلطی نظر آئے تو ہمیں اطلاع ضرور دیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں اصلاح کی جا سکے۔

ناشر

روزہ کی فضیلت

(۱) کل عمل ابن آدم یضاعف الحسنۃ عشر امثالھا الی سبع مائۃ ضعف، قال اللہ تعالیٰ : الا الصوم فانہ لی وانا اجزی بہ یدع شھوتہ وطعامہ من اجلی، للصائم فرحتان فرحۃ عند فطرہ وفرحۃ عند لقاء ربہ ولخلوف فمہ اطیب عند اللہ من ریح المسک

(الصحاح الستۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

انسان کے ہر نیک عمل کا اجر وثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا بڑھ جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزہ اس سے مستثنیٰ ہے وہ خاص میرے لئے ہے اور میں خود (اپنے شایان شان) اس کا بدلہ دوں گا کہ میری ہی خاطر روزہ دار نفسانی خواہشات اور کھانے پینے کو قربان کرتا ہے، روزہ دار کے لئے دو فرحتیں ہیں ایک فرحت افطار کے وقت ملتی ہے اور دوسری فرحت اپنے رب کی ملاقات کے وقت نصیب ہوگی اور روزہ دار کے منہ کی بدبو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ وپسندیدہ ہے

(۲) من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ

البخاری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ وزاد احمد وما تاخر

جس شخص نے حالتِ ایمان میں ثواب کی نیت سے رمضان کا روزہ رکھا اس کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔

(۳) اذا دخل رمضان فتحت ابواب الجنۃ واغلقت ابواب جھنم وسلسلت الشیاطین۔ رواہ الشیخان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ماہِ رمضان شروع ہوتے ہی جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں۔

④ فی الجنّة باب یدعی الریّان یدعی له الصائمون فمن کان من الصائمین دخله ومن دخله لایظمأ ابدًا (رواه الشیخان عن سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

جنت میں ایک دروازہ ہے جسے "باب الریّان" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، روزہ داروں کو اس کی طرف بلایا جائے گا (کہ اس دروازہ سے جنت میں داخل ہوں) پس تمام روزہ دار اس سے داخل ہوں گے اور جو اس سے داخل ہو گیا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

⑤ من فطر صائمًا کان له مثل اجره غیر انه لاینقص من اجر الصائم شیئًا (رواه الترمذی والنسائی وابن ماجة وابن خزیمة وابن حبان عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

جس نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا اس کے لئے بھی روزہ دار جتنا ہی اجر ہے لیکن روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہ آئے گی

⑥ تسحّروا فان فی السحور برکة (رواه الشیخان عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

سحری کھاؤ کہ سحری کھانے میں برکت ہے۔

⑦ الصّیام جُنّة مالم یخرقها (رواه النسائی وابن ماجة وابن خزیمة والحاکم عن ابی عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

روزہ (جہنم سے بچاؤ کی) ڈھال ہے، جب تک (روزہ دار اسے گناہوں کی نحوست سے) پھاڑ نہ ڈالے۔

⑧ رُبّ صائم لیس له من صیامه الّا الجوع وربّ قائم لیس له من قیامه الا السهر (رواه ابن ماجة واللفظ له والنسائی وابن خزیمة والحاکم عن ابی هریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

بہت سے روزہ دار ہیں جن کے لئے روزہ کا ثمرہ بجز بھوکا رہنے کے اور کچھ نہیں اور بہت سے شب بیدار ہیں جن کے لئے شب بیداری کا بدلہ

سوائے جاگنے کے اور کچھ نہیں ۔

(۹) من قام ليلة القدر ايمانًا واحتسابًا غفرله ماتقدّم من ذنبه (رواه الشيخان عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه)

جس نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے شبِ قدر میں قیام کیا اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے ۔

(۱۰) ان رسول الله صلی الله عليه وسلم كان يعتكف العشر الاواخر من رمضان حتی توفاه الله ثم اعتكف ازواجه بعده ۔

(الصحاح الستة عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال تک رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف میں بیٹھتے رہے اس کے بعد ازواجِ مطہرات نے بھی یہ معمول جاری رکھا ۔

روزہ کے باب میں کچھ کوتاہیاں

روزہ قصرِ اسلام کا ایک بنیادی ستون اور اعلیٰ درجہ کی بدنی عبادت ہے ۔ حضرت حق جلّ وعلا کھانے پینے سے مبرّا و منزّہ ہیں ، بندہ بھی روزہ رکھ کر تھوڑی دیر کے لئے اس شان کا مظہر بن جاتا ہے ۔ شاید "انا اجزی به" کا شاہی تمغہ بھی روزہ دار کو اسی تشبّہ کی بدولت دیا گیا ۔ روزہ کے بقیہ تمام فضائل وخصائص کو تھوڑی دیر کے لئے نظر انداز کر دیا جائے تو بھی اکیلی یہ فضیلت ہزار فضیلتوں پر بھاری ہے ۔

اس مبارک مہینہ کا سب سے بڑا امتیاز اس میں شبِ قدر کا وجود ہے ، جس سے کلّیۃً محروم رہنے والا حرمان نصیب ارشادِ نبوی "من حرمها فقد حرم

الخیر کلّہ" کا پورا مصداق ہے۔

روزہ دار کو ہر وقت یہ حقیقت سامنے رکھنی چاہئے کہ روزہ کی اصل روح ریاضت و مجاہدہ ہے، آدمی اپنے آپ کو مہینہ بھر بھوکا رکھ کر گناہ کی آلائش صاف کرتا ہے اور باطن کو مانجھ کر اجالتا ہے۔ قرآن حکیم میں روزہ کی یہی حکمت بیان کی گئی ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے من لم یدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة ان يدع طعامه وشرابه (بخاری) جو شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹے کردار و گفتار سے باز نہ آیا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے سے کوئی غرض نہیں۔

اگر کوئی رمضان المبارک کے آداب کو ملحوظ رکھے، سنّت کے موافق عبادت کا اہتمام کرے، منکرات و معاصی سے کلیۃً احتراز کرے بالخصوص ان کے غلط رسوم سے کنارہ کش رہے جو ماہِ مبارک ہی میں مختلف مواقع میں رواج پاگئی ہیں۔ عوام نے جن کا فرض و واجب کی طرح التزام کر لیا ہے۔ اپنے روزہ و تراویح اور اعتکاف کو ہر قسم کی آلودگی سے پاک رکھے تو یہ اصلاحِ نفس اور تزکیۂ باطن کے لئے نسخۂ اکسیر ہے۔

صوفیاء کرام نے سالک کے لئے چار چیزوں کو بنیادی دستور العمل قرار دیا ہے: قلّة الطعام، قلّة المنام، قلّة الکلام، قلّة الاختلاط مع الانام

رمضان المبارک میں ایک دیندار مسلمان بآسانی یہ چار چیزیں اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے۔ پہلی چیز روزہ سے، دوسری چیز تراویح سے، تیسری اور چوتھی چیز اعتکاف سے حاصل ہوتی ہے۔

اگر ان تمام عبادات کا اہتمام کرنے کے باوجود کسی کی دینی زندگی میں کوئی

نمایاں تبدیلی رونما نہیں ہوتی تو یقیناً اس کی عبادت میں نقص ہے یا کسب معاش ہیں، معاملات ہیں، اداءِ حقوق میں غرض کسی نہ کسی شعبے میں ایسا جھول موجود ہے جس نے عبادت کی روح نکال دی اور دعاؤں کو بے اثر بنا دیا۔

دوسری عبادات کی طرح روزہ کے معاملہ میں بھی مسلمانوں میں بہت سی کوتاہیاں پائی جاتی ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے۔ یہاں روزہ کے مکروہات یا مفسدات کی تفصیل پیش کرنا مدِ نظر نہیں کہ ان کی تفصیل کتاب میں درج کر دی گئی ہے۔ یہاں بعض ایسی کوتاہیوں کی نشاندہی کی جاتی ہے جن کی طرف عام روزہ داروں کی توجہ بھی کم جاتی ہے:

(۱) چاند کے معاملے میں بے احتیاطی برتی جاتی ہے، جب تک شرعی طور پر چاند کا ثبوت نہ ہو روزہ رکھنا جائز ہے نہ ہی عید کرنا، اس میں تار، ٹیلیفون یا اخباری اطلاعات کا اعتبار نہیں، عوام کے لئے ضروری ہے کہ خود کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔ رویتِ ہلال کمیٹی علماء کی نمائندہ کمیٹی ہے۔ اس کے فیصلہ کی پابندی ضروری ہے۔

(۲) معذور و مجبور آدمی کے لئے روزہ نہ رکھنا اور رکھنے کے بعد بعض حالات میں توڑنا جائز ہے مگر شرعاً کون لوگ معذور کی فہرست میں آتے ہیں؟ اس کا فیصلہ کرنا ہر شخص کا کام نہیں، بعض جی چور اور کاہل لوگ روزہ کبھی رکھتے ہی نہیں اور از خود بیٹھے ہوئے فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہم سے روزہ نہ رکھا جائے گا، حالانکہ رکھ کر دیکھ لیں تو آسانی سے رکھ سکیں، بے ہمتی اور کم حوصلگی کا نام مجبوری رکھ لیا۔ بعض لوگوں کو عذر ہوتا ہے مگر وہ اختیاری اور خود ساختہ قسم کا ہوتا ہے، مثلاً شرعی سفر کے دوران روزہ رکھنے کی رخصت ہے مگر اسے سفر کی ضرورت درپیش

نہیں یونہی گھر سے نکل پڑا غرض کسی مفتی سے پوچھے بغیر عذر کا فیصلہ جائز نہیں۔

(۳) بعض بے باک قسم کے لوگ اس گھمنڈ میں روزے ضائع کرتے رہتے ہیں کہ ہم فدیہ دے دیں گے۔ حالانکہ زندگی میں فدیہ ادا کرنا صرف ایسے شخص کے لئے جائز ہے جو روزہ رکھنے سے بالکل معذور اور آئندہ کے لئے بھی مایوس ہو، اگر مرنے سے پہلے کسی وقت بھی روزہ رکھنے کی قوت آگئی تو یہ فدیہ معتبر نہ رہے گا جو بلا عذر روزہ ضائع کردے اس پر قضاء فرض ہے اور توبہ و استغفار بھی۔

(۴) بعض دیندار لوگ بھی بچوں سے روزہ نہیں رکھواتے، حالانکہ ان بچوں کی عمر اور قوت وصحت ایسی ہوتی ہے کہ بآسانی روزہ کا تحمل کرسکتے ہیں، بلوغ سے پہلے گو بچوں پر روزہ واجب نہیں مگر ان کے سرپرستوں پر لازم ہے کہ جب روزہ کا تحمل کرسکیں ان سے روزہ رکھوائیں، بچہ جب عبادت کا خوگر ہوگا تو بلوغ کے بعد اعمال کی پابندی میں اسے کوئی دشواری نہ ہوگی۔

(۵) بعض لوگ افراط اور غلو کا شکار ہوکر شریعت کی دی ہوئی رخصت سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتے مثلاً سفر یا تکلیف دہ بیماری میں بھی روزہ نہیں چھوڑتے۔ بعض حاملہ یا دودھ پلانے والی عورتیں اپنی جان اور بچے کو ضرر پہنچا کر بھی روزہ رکھتی رہتی ہیں اور بعض غلط اندیش کمسن معصوم بچوں سے بھی روزہ رکھواتے ہیں حالانکہ انہیں روزہ کا تحمل نہیں ہوتا، یہ سب باتیں علماء وصلحاء کی صحبت سے دور رہنے اور منشاء شریعت نہ سمجھنے کا نتیجہ ہیں

(۶) بعض لوگ قاعدے سے روزہ رکھواتے ہیں اور افراط وتفریط میں نہیں پڑتے مگر ان کا روزہ محض نام کا روزہ ہوتا ہے۔ رمضان سے پہلے جن گناہوں کے خوگر تھے رمضان میں روزہ رکھ کر بھی ان گناہوں میں جوں کے توں مبتلا رہتے

ہیں، یہ روزہ حدیث من لم یدع قول الزور . . . کے مصداق بے جان محض نام کا روزہ ہے جس پر مقبول روزہ کے ثمرات و برکات مرتب نہیں ہوسکتے۔

⑦ سحری بعض لوگ بہت جلد آدھی رات میں ہی کھا کر فارغ ہوجاتے ہیں، ایسی تعجیل بھی گو جائز ہے مگر سحری کی اصل حکمت (کہ روزہ میں ضعف لاحق نہ ہو اور قوت برقرار رہے) کے خلاف ہے اور بعض جگہ عوام یہ غلط اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ جب ایک بار سحری کھا کر نیت کرلی یا سو گئے تو اب کوئی چیز کھانا پینا جائز نہیں گو کہ رات باقی ہو، اس غلط اعتقاد سے توبہ کرنا واجب ہے۔

بعض اس کے برعکس سحری اتنی تاخیر سے کرتے ہیں کہ روزہ ہی مشتبہ ہوجاتا ہے، ان کی نظر نقشوں اور گھڑیوں پر ٹکی رہتی ہے، حالانکہ دونوں میں غلطی کا امکان ہے۔ پس احتیاط اسی میں ہے کہ نقشوں اور گھڑیوں کے وقت سے بھی کچھ دیر پہلے آدمی فارغ ہوجائے۔

اور کچھ حضرات یہ سوچ کر کہ لوگ سحری چھوڑ دیں فجر کی اذان وقت سے کچھ پہلے دیتے ہیں اس میں بھی بہت سی قباحتیں ہیں اس لئے اذان اپنے وقت پر ضروری ہے۔

⑧ افطار میں بھی بعض لوگ بہت عجلت سے کام لیتے ہیں جس سے روزہ مشتبہ ہوجاتا ہے، اس میں نقشوں اور گھڑیوں پر کلی اعتماد درست نہیں۔ نقشوں میں تو اختلاف بھی بہت پایا جاتا ہے۔

بعض نا سمجھ ریڈیو کی اذان (خواہ وہ کسی دوسرے شہر کی ہی ہو) سن کر افطار کردیتے ہیں، جہاں اتنے گھنٹے صبر کرلیا وہاں دو تین منٹ کا انتظار کیا مشکل ہے؟ اور بعض وہمی لوگ وقت ہوجانے کے باوجود افطار میں تاخیر کرتے ہیں ایسی تاخیر حدیث کی رو سے ممنوع ہے اور کئی لوگ افطار کرنے میں اتنی تاخیر

کر دیتے ہیں کہ مغرب کی جماعت بالکل فوت ہو جاتی ہے یا ایک دو رکعت نکل جاتی ہیں اور مسجد کی جماعت نکل جانے پر کچھ حضرات گھر میں اپنی جماعت کر لیتے ہیں جو اکیلے نماز پڑھنے سے تو بہر حال بہتر ہے مگر مسجد کی جماعت کا کسی طرح بدل نہیں، اس مسئلہ کا آسان حل یہ ہے کہ افطار گھر کے بجائے مسجد میں کیا جائے، لیکن اس میں بھی مسجد کے آداب کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ کھانے کی کوئی چیز اس میں گرنے نہ پائے، اس میں شور و غل بلکہ بلا ضرورت گفتگو بھی نہ ہو اور کوئی ایسا کام بھی نہ کیا جائے جس سے مسجد آنے والے نمازیوں کو تشویش ہو۔

(۹) تراویح ادا کرنے میں بھی متعدد منکرات داخل ہو گئے ہیں ایک تو لوگ تراویح سے فارغ ہونے کی جلدی میں نماز عشاء ایسی عجلت میں پڑھتے ہیں کہ بعض مساجد میں اذان بھی وقت سے پہلے دے دی جاتی ہے۔

دوسرے: بعض حفاظ قرآن مجید ایسی تیز رفتاری سے پڑھتے ہیں کہ سامعین کو کچھ پلے نہیں پڑتا اور ثناء، رکوع و سجدہ کی تسبیحات، تشہد وغیرہ بھی اسی رفتار میں پڑھتے ہیں۔

تیسرے: ترویحہ (چار رکعت) کے بعد وقفہ نہیں کرتے یا برائے نام کرتے ہیں۔

چوتھے: بعض لوگ نابالغ بچوں کو تراویح میں امام بنا دیتے ہیں۔

پانچویں: ختم تراویح پر حفاظ کو اجرت دینے کی وبا پورے ملک میں بُری طرح پھیل چکی ہے۔

چھٹے: ختم کے موقع پر مٹھائی کا فرض و واجب کی طرح التزام اور اس کے لئے لوگوں سے چندہ کی اپیلیں، مساجد میں چراغاں، شور و غل اور دیگر کئی خرافات۔

ساتویں: بعض گھروں میں عورتیں جمع ہوکر نامحرم حافظ کی اقتداء میں تراویح ادا کرتی ہیں۔

آٹھویں: بہت سے مقامات پر مروج شبینہ کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں کئی منکرات کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ نماز قرآن اور مسجد کا ادب واحترام بالکل نظرانداز کردیا جاتا ہے۔ یہ تمام کام ناجائز ہیں ان میں ثواب کے بجائے الٹا گناہ کمایا جاتا ہے۔

(۱۰) کئی حضرات بڑے چاؤ سے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھتے ہیں مگر اعتکاف کے آداب وضوابط کو بے دردی سے پامال کردیتے ہیں۔ مثلاً حدودِ مسجد کی تحقیق نہ کی اور مسجد سے باہر قدم رکھ کر اعتکاف توڑ دیا یا ایسی بات کا بہانہ بناکر باہر نکل گئے جو شرعی معنی میں عذر نہیں جیسے ہاتھ دھونے، کلّی کرنے یا بلغم ڈالنے کے لئے باہر نکل گئے اور اعتکاف توڑ دیا یا اعتکاف میں عبادت ودعاء (جو روحِ اعتکاف ہے) میں مشغول رہنے کے بجائے واہیات باتوں میں وقت ضائع کردیا یا اس گناہ سے تو بچے رہے مگر معتکف ساتھیوں کی رعایت نہ کی ان کی عبادت یا راحت میں مخل بن کر انہیں ایذاء پہنچائی۔

یہ چند کوتاہیوں کا اجمالی تذکرہ تھا۔ اکثر عبادات میں پھیلی ہوئی کوتاہیوں اور ان کے علاج کے لئے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی "اصلاحِ انقلابِ امت" کا مطالعہ ضروری ہے۔

روزہ کی اقسام اور شرائط صحت

(۱) روزہ ارکانِ اسلام میں سے ایک بنیادی رکن ہے جس کی فرضیت قرآن و سنّت، اجماعِ امّت اور عقل ودرایت سے ثابت ہے، اس کا منکر کافر ہے، روزہ کی حقیقت مخصوص شرائط کی رعایت کے ساتھ صبح صادق سے غروبِ

آفتاب تک کھانے پینے اور بیوی کے پاس جانے سے رُکے رہنا ہے۔

(ہدایہ ص ۱۹۱ ج ا بدائع الصنائع ص ۵، ج ۲)

② ہر عاقل بالغ مسلمان پر روزہ فرض ہے، مگر ادائیگی کے لئے تندرست و مقیم ہونا شرط ہے لہٰذا مریض اور مسافر چاہیں تو رمضان میں ادا کرنے کے بجائے بعد میں قضاء بھی رکھ سکتے ہیں۔

نیز صحتِ روزہ کے لیے عورت کا حیض و نفاس سے پاک ہونا اور روزہ دار کا روزہ کی نیّت کرنا بھی شرط ہے۔ نیت بس اس حد تک کافی ہے کہ دل میں اسے معلوم ہو کہ فلاں روزہ، مثلاً رمضان کا یا نذر کا رکھ رہا ہوں، بلکہ روزہ کا تذکرہ کئے بغیر صرف سحری کھالے تو یہ بھی نیّت کے قائم مقام ہے۔

البتہ اگر سحری کھاتے ہوئے نیت کرلی کہ صبح روزہ نہ رکھوں گا تو یہ کھانا نیتِ روزہ کے قائم مقام نہ ہوگا۔

اگر رات کو روزہ کی نیت کرلی پھر نیت بدل گئی اور پختہ ارادہ کرلیا کہ روزہ نہیں رکھنا تو روزہ کی نیت باطل ہوگئی اب تجدیدِ نیت کے بغیر یونہی بھوکا پیاسا دن گذار دیا تو روزہ نہیں ہوا۔

اگر روزہ رکھنے کے بعد دل میں توڑنے کی نیّت کرلی تو روزہ نہ ٹوٹے گا جب تک کہ کوئی بات روزہ کو توڑنے والی صادر نہ ہو۔

اسی طرح رات کو روزہ کی نیت کرکے سو گیا پھر صبح ہونے سے پہلے اٹھ کر کچھ کھا پی لیا تب بھی نیت میں کوئی خلل نہ آئے گا اور روزہ صحیح ہوجائے گا۔

(خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۵۱ ج ا۔ عالمگیریہ ص ۱۵۵ ج ا)

③ ماہِ رمضان میں ہر روزہ کی الگ الگ نیت کرنا ضروری ہے اگر شروع رمضان میں ہی نیت کرلی کہ پورے مہینہ کے روزے رکھوں گا تو یہ نیت صرف پہلے روزے

کی حد تک معتبر ہے۔

اور نیت کا وقت غروبِ آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے اس سے پہلے کی نیت کا اعتبار نہیں۔ لہٰذا کسی نے غروبِ آفتاب سے پہلے نیت کرلی کہ کل میرا روزہ ہوگا۔ پھر وہ سوگیا یا بے ہوش ہوگیا یا غفلت طاری ہوگئی اور دوسرے روز نصف النہار کے بعد بیدار ہوا تو روزہ نہ ہوا۔ ہاں اگر غروبِ آفتاب کے بعد نیت کرتا تو روزہ درست تھا۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۵۲ ج۱۔ عالمگیریہ ص ۱۹۵ ج۱)

④ روزہ کی کُل نو قسمیں ہیں :

۱- **فرض معیّن** : رمضان کے اداء روزے۔

۲- **فرض غیر معیّن** : رمضان کے قضاء روزے۔ اور تمام کفارات کے روزے۔

۳- **واجب معیّن** : نذر معیّن کے روزے۔

۴- **واجب غیر معیّن** : نذر مطلق کے روزے۔ کئی علماء نے نذر کی دونوں قسموں کو فرض روزوں میں شمار کیا ہے۔ نیز نفل روزہ شروع کرنے کے بعد واجب ہوجاتا ہے، اگر رکھ کر توڑ دیا (خواہ عذر سے خواہ بلاعذر) تو اس کی قضاء رکھنا بھی واجب ہے اسی طرح نذر کے اعتکاف کا روزہ بھی واجب ہے۔

۵- **مسنون** : عاشوراء یعنی دس محرم اور اس کے ساتھ نو یا گیارہ محرم کا روزہ۔

۶- **مستحب** : ہر مہینہ کے تین روزے اور افضل یہ ہے کہ یہ تین روزے ایامِ بیض یعنی تیرہ، چودہ، پندرہ تاریخ کے ہوں۔ پیر اور جمعرات کا روزہ، یوم عرفہ یعنی نو ذی الحجہ کا روزہ، شش عید یعنی شوال کے چھ روزے خواہ لگاتار رکھے جائیں یا متفرق طور پر۔ وہ تمام روزے جن کی حدیث میں ترغیب دی گئی جیسے صوم داؤد علیہ السلام یعنی ایک دن روزہ ایک دن افطار۔

۷- **نفل** : مذکورہ بالا روزوں کے سوا سال بھر میں کسی دن کا روزہ جس کی

حدیث میں نہ ممانعت آئی ہو اور نہ کسی مخصوص وقت میں اس کی ترغیب آئی ہو۔

۸- **مکروہ تنزیہی** : صرف عاشوراء کا روزہ رکھنا، صرف جمعہ یا صرف ہفتہ کا روزہ رکھنا، صرف نوروز یا صرف مہرگان کا روزہ رکھنا۔ یہ دونوں مجوسیوں کے مخصوص دن ہیں۔ ہاں! اگر کسی شخص کا کسی مخصوص تاریخ کو روزہ رکھنے کا معمول ہے اور وہ تاریخ اتفاق سے مذکورہ بالا دنوں میں سے کسی دن میں آگئی تو اس کا روزہ بلا کراہت جائز ہے۔ صوم وصال یعنی غروبِ آفتاب کے بعد افطار کئے بغیر لگاتار دو دن کا روزہ رکھنا، صومِ دہر یعنی ہمیشہ روزہ رکھنا، صوم سکوت یعنی خاموشی کا روزہ رکھنا کہ کسی سے ضرورت کی بات بھی نہ کرے۔ اور شوہر کی رضا کے بغیر بیوی کے لئے نفل روزہ رکھنا، اسی طرح اگر حاجی کو عرفہ کے دن روزہ رکھنے میں ضعف لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے یہ روزہ مکروہ ہے۔

۹- **مکروہ تحریمی** : عیدین اور ایام تشریق یعنی گیارہ، بارہ، تیرہ ذوالحجہ کا روزہ اور شک والے دن (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) رمضان کا روزہ رکھنا مکروہ تحریمی اور کسی دوسرے واجب کا روزہ رکھنا مکروہ تنزیہی ہے۔

(البحر الرائق ص ۲۷۵ ج ۲ - طحطاوی علی مراقی الفلاح ۳۵۰)

(۵) رمضان نذر معین اور نفل روزہ کو متعین کئے بغیر اگر مطلق روزہ کی نیت کرلی کہ "آج میرا روزہ ہے"، یا نفل روزہ کی نیت کرلی تب بھی جائز ہے، اور ان تینوں قسم کے روزوں کی نیت رات میں اور نصف النہار[1] (دوپہر) سے پہلے پہلے دن

---

[1] اس سے مراد نصف النہار شرعی ہے یعنی صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کل وقت کا نصف اور نماز کی کراہت میں نصف النہار عرفی کا اعتبار ہے جو طلوعِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک کل وقت کا نصف ہے۔ (رد المحتار ص ۳۷۷ ج ۱، احسن الفتاویٰ ص ۱۳۷ ج ۲)

دن میں بھی ہو سکتی ہے، روزہ رکھنے والا خواہ مسافر ہو یا مقیم، تندرست ہو یا بیمار۔
لیکن دل میں نیت کرنے والا یہ نیت کرے کہ شروع دن (صبح صادق) سے میرا روزہ ہے اس کے بجائے اگر یوں نیت کی کہ اس وقت سے میرا روزہ ہے تو روزہ نہ ہوگا۔

اگر رمضان میں کسی پر بے ہوشی طاری ہوگئی یا جنون لاحق ہوا پھر نصف النہار سے پہلے پہلے ہوش میں اگر روزہ کی نیت کرلی تو روزہ درست ہے۔

یہ حکم ان تینوں قسم کے روزوں کی اداء کا تھا۔ ان کی قضاء اور روزہ کی بقیہ تمام اقسام (قضاء، کفارات و نذر مطلق) میں ہر روزہ کی متعین طور پر نیت کرنا اور رات سے نیت کرنا ضروری ہے اگر ان میں سے کسی روزہ کی نیت صبح صادق کے بعد کی تو وہ نفل روزہ ہوگا جسے پورا کرنا مستحب ہے، اور توڑنے پر قضاء نہیں۔ اور مذکورہ بالا تینوں قسم کے روزوں میں بھی افضل یہ ہے کہ رات میں ان کی نیت کرلی جائے۔

(عالمگیریہ ص ۱۹۵ ج ۱، طحطاوی علی مراقی الفلاح ۳۲۵)

(۶) اگر رمضان میں کسی نے دوسرے فرض و واجب روزہ کی نیت کرلی تو یہ نیت لغو ہو جائے گی اور اس کا روزہ رمضان ہی کا ہوگا خواہ تندرست ہو یا بیمار۔ البتہ مسافر اگر رمضان میں کسی دوسرے واجب روزہ کی نیت کرلے تو وہی واجب ادا ہوگا۔ اور نفل کی نیت کرلے یا متعین کئے بغیر مطلق روزہ کی نیت کرے تو رمضان کا روزہ ہوگا۔

اگر کسی نے نذر معین کے دن نذر کے بجائے کسی دوسرے واجب روزہ کی نیت کرلی تو یہ اسی واجب کا روزہ ہوگا اور نذر معین کی قضاء رکھنا پڑے گی۔ البتہ اس دن نفل روزہ کی نیت کی تو اس کا اعتبار نہیں اور روزہ نذر معین ہی کا ہوگا۔ (عالمگیریہ ص ۱۹۷ ج ۱۔ ردالمحتار ص ۳۷۸ ج ۲)

⑦ روزہ کی ابتداء طلوعِ صبحِ صادق سے اور انتہاء غروبِ آفتاب پر ہوتی ہے کسی نے اس گمان میں سحری کھالی کہ صبحِ صادق ابھی طلوع نہیں ہوئی حالانکہ صبح صادق طلوع ہوچکی تھی یا یہ سمجھ کر روزہ افطار کرلیا کہ آفتاب غروب ہوچکا حالانکہ غروب نہ ہوا تھا تو دونوں صورتوں میں اسے روزہ کی قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔

اگر طلوع صبح صادق میں شک ہو تو افضل یہ ہے کہ کھانا پینا چھوڑ دے تاہم ایسی صورت میں کسی نے کھاپی لیا تب بھی روزہ ہوجائے گا جب تک کسی ذریعے سے اس کا یقین نہ ہوجائے کہ صبح صادق کے بعد کھایا ہے، یقین حاصل ہونے کے بعد بھی فقط قضاء لازم آئے گی۔ اور اگر غالب رائے یہ تھی کہ صبح صادق ہوچکی پھر بھی کھاتا رہا تو اس صورت میں بھی روزہ درست ہے جب تک کہ صبح ہونے کا یقین نہ حاصل ہوجائے اور بعض علماء کے نزدیک بلا یقین بھی اس صورت میں قضاء واجب ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔

اور کسی ذریعے سے صبح ہونے کا یقین حاصل ہوجائے تو قضاء واجب ہے کفّارہ نہیں۔ کسی کے سامنے دو آدمی گواہی دیتے ہیں کہ صبح صادق طلوع ہوگئی اور دو آدمی گواہی دیتے ہیں کہ طلوع نہیں ہوئی تو پہلے فریق کی گواہی معتبر اور دوسرے کی گواہی غیر معتبر ہے اگر دوسرے فریق کا اعتبار کرتے ہوئے اس نے کچھ کھالیا پھر ظاہر ہوا کہ صبح طلوع ہوچکی تھی تو اس پر قضا و کفارہ لازم ہیں اگر دونوں طرف ایک ایک شخص نے گواہی دی تھی تو فقط قضا واجب ہوگی۔ اگر غروب آفتاب میں شک ہو تو افطار کرنا جائز نہیں۔ اگر افطار کرلیا اور بعد میں تحقیق نہ ہوسکی کہ غروب ہوچکا تھا یا نہیں تو روزہ کی قضاء لازم ہے اور ایک قول کے مطابق کفارہ بھی۔ اور اگر متحقق ہوجائے کہ غروب نہ ہوا تھا تو قضا و کفّارہ دونوں لازم ہیں۔ اور اگر

اس حالت میں افطار کیا کہ غروب نہ ہونے کا گمان غالب ہے، تب بھی قضاء و کفارہ لازم ہیں خواہ بعد میں غروب نہ ہونا کسی ذریعے سے متحقق ہو یا نہ ہو۔ ہاں! غروب ہونا متحقق ہو جائے تو قضاء نہیں (مگر گناہ اس صورت میں بھی ہوگا) جب دو آدمیوں نے آفتاب غروب ہونے کی گواہی دی اور دو نے غروب نہ ہونے کی تو اگر پہلے فریق کی گواہی پر کسی نے افطار کر لیا پھر غروب نہ ہونا متحقق ہو گیا تو فقط قضا لازم آئے گی۔

(عالمگیریہ ص ۱۹۴ ج ۲ - رد المحتار ص ۴۰۶ ج ۲)

⑧ شک کے دن یعنی ۲۹ شعبان کے بعد والے دن جس کا نہ شعبان ہونا متحقق ہو نہ رمضان ہونا، رمضان یا کسی بھی واجب روزہ کی نیت کرنا مکروہ ہے۔ پھر اگر اس دن کا رمضان ہونا ظاہر ہو گیا تو یہ رمضان ہی ہوگا خواہ کسی بھی نیت سے رکھا ہو۔ اور اگر شعبان ہونا ظاہر ہوا تو پہلی صورت میں (جبکہ روزہ رمضان کی نیت کی تھی) روزہ نفل ہوگا اسے توڑنے پر قضاء بھی نہ آئے گی اور دوسری صورت میں (جبکہ کسی واجب کی نیت کی تھی) وہی روزہ ہوگا جس کی نیت کی۔ اور اگر کچھ تحقیق نہ ہو سکی کہ یہ دن شعبان کا ہے یا رمضان کا تو دوسری صورت میں واجب کا روزہ نہ ہوگا۔

(فتح القدیر ص ۲۴۴ ج ۲ - رد المحتار ص ۳۸۱ ج ۲)

⑨ اگر شک کے دن میں خالص نفل روزہ کی نیت کی تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔

پھر اگر اس دن کا رمضان ہونا ظاہر ہو گیا تو یہ روزہ بھی رمضان کا ہوگا اور شعبان ہونا ظاہر ہوا تو یہ نفل روزہ ہوگا اور توڑنے پر قضاء واجب ہوگی۔ اور اس دن کسی روزہ کو متعین کئے بغیر مطلق نیت کی کہ "آج میرا روزہ ہے"

تو یہ بھی مکروہ ہے، پھر اگر اس کا شعبان ہونا ظاہر ہوا تو یہ روزہ نفل کا ہے اور رمضان ہونا ظاہر ہوا تو رمضان کا۔ اگر تردد کے ساتھ نیت کی کہ یہ دن رمضان کا ہے تو میرا روزہ ہے اور شعبان کا ہے تو روزہ نہیں تو یہ روزہ صحیح نہ ہوگا۔ اور اگر نیت پختہ کرلی مگر روزہ کی تعیین میں متردد رہا کہ یہ دن رمضان کا ہے تو رمضان کا روزہ اور شعبان کا ہے تو فلاں واجب کا روزہ ہے تو یہ صورت بھی مکروہ ہے۔ پھر اگر اس کا رمضان ہونا ظاہر ہوا تو یہ روزہ رمضان کا ہے اگر شعبان ہونا ظاہر ہوا تو دونوں صورتوں میں نفل ہوگا جس کے توڑنے پر قضا نہیں۔

شک کے دن کوئی نفل روزہ بھی نہ رکھے تو اس پر انتظار کرنا ضروری ہے اگر نصف النہار سے پہلے پہلے چاند کی تحقیق ہو جائے تو روزہ کی نیت کرلے ورنہ کھا پی لے۔ اگر انتظار کی صورت میں بھولے سے کچھ کھا پی لیا تب بھی روزہ کی نیت کر سکتا ہے۔ (حوالہ بالا)

رویتِ ہلال

(۱۰) اگر مطلع بالکل صاف ہو اور گرد و غبار دھواں بادل وغیرہ کوئی چیز چاند دیکھنے میں حائل نہ ہو تو دو تین آدمیوں کا چاند دیکھنا اور گواہی دینا قابلِ اعتماد نہیں، چاند خواہ رمضان کا ہو یا عید کا۔ بلکہ ایسی صورت میں مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کا گواہی دینا شرط ہے۔

اگر مطلع صاف نہ ہو تو رمضان کے چاند کے لئے ایک ایسے مسلمان کی خبر کافی ہے جو عاقل و بالغ اور عادل ہو۔ یعنی گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو اور کسی صغیرہ پر اصرار نہ کرتا ہو نیز کوئی کام خلافِ مروت و انسانیت نہ کرتا ہو

جیسے بازار میں چلتے پھرتے کھانا

اور عیدین کے چاند کے لئے دو عادل مردوں یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کی گواہی کافی ہے۔ (کنز مع البحر ص ۲۲۶ ج ۲ وعامۃ الکتب)

(۱۱) کسی نے رمضان یا شوال کا چاند دیکھ کر گواہی دی مگر اس کی گواہی رد کر دی گئی تب بھی اس پر روزہ رکھنا فرض ہے لیکن توڑنے پر صرف قضاء لازم آئے گی۔

اگر رمضان کا چاند اکیلے نے دیکھ کر روزہ رکھ لیا اور اس کے ساتھ تیس روزے پورے ہو گئے مگر لوگوں نے اگلے روز بھی روزہ رکھا تو ان کے ساتھ اس شخص کو اکتیسواں روزہ رکھنا بھی فرض ہے لیکن اس کے توڑنے پر صرف قضاء لازم آئے گی۔ (کنز مع البحر ص ۲۷۵ ج ۲ وعامۃ الکتب)

(۱۲) دن میں اگر چاند دکھائی دیا تو یہ آئندہ رات کا ہے، خواہ زوالِ آفتاب سے پہلے دکھائی دے یا زوال کے بعد۔ لہٰذا کسی نے شعبان کے آخری دن میں چاند دیکھا تو اس دن کا روزہ واجب نہیں۔

اسی طرح رمضان کے آخری دن میں چاند دیکھا تو روزہ توڑنا جائز نہیں لیکن جہالت سے توڑ دیا تو اس پر کفارہ نہیں صرف قضاء آئے گی خواہ زوال سے پہلے توڑا ہو یا زوال کے بعد۔ (خلاصۃ الفتاوی ص ۲۵۰ ج ۱)

لیکن عصر کے وقت چاند دیکھ کر توڑ دیا تو اکثر علماء کے نزدیک کفّارہ بھی واجب ہوگا۔ (بزازیہ علی ھامش الھندیہ ص ۱۰۰ ج ۴)

(۱۳) رویت ہلال کمیٹی کی تشکیل سے پہلے ملک میں عید الفطر کے موقع پر بارہا انتشار ہوا، علماء اور حکومت کے مابین تصادم کے افسوسناک واقعات پیش آئے، نتیجۃً ملک بھر میں دو دو عیدیں پڑھی جاتی رہیں۔ اس صورتحال

پر قابو پانے کے لئے اکابر علماء نے حکومت کے سامنے مسئلہ کی شرعی حیثیت واضح کر کے اس کے حل کے لئے چند معقول تجاویز پیش کیں جن کی تفصیل جواہر الفقہ ص ۳۹۸ ج ۱، اور احسن الفتاوی ص ۴۱۶ ج ۴ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ان حضرات کی مساعی کے نتیجے میں رویت ہلال کمیٹی وجود میں آئی جو ملک بھر کے تمام مکاتب فکر کی ترجمان اور واحد نمائندہ کمیٹی ہے اس لئے روزہ اور عیدین کے حق میں کمیٹی کے اعلان کی پابندی ملک بھر کے عوام پر ضروری ہے۔ کمیٹی کے فیصلہ کے خلاف کسی کا فیصلہ دینا اور اپنی الگ عید پڑھنا موجب فتنہ وانتشار ہے اس قسم کے کسی فیصلہ کا اتباع عوام کے لئے قطعاً جائز نہیں۔

ان باتوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا

(۱۴) بھول کر کھانے پینے یا جماع کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا خواہ فرض و واجب روزہ ہو یا نفل۔ اور خواہ روزہ کی نیت کرنے سے پہلے یہ کام کئے یا نیت کرنے کے بعد، مگر کسی کو یاد دلایا گیا کہ تو روزہ دار ہے پھر بھی اسے یاد نہ آیا اور کھاتا پیتا رہا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس صورت میں صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ کسی کو کھاتے پیتے دیکھ کر روزہ یاد دلانا ضروری ہے یا نہیں؟ تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ روزہ دار اسی قدر کمزور اور لاغر ہے کہ یاد دلانے پر کھانا تو چھوڑ دے گا مگر کمزوری بڑھ جائے گی اور روزہ پورا کرنا بھی دشوار ہو گا تو یاد نہ دلانا بہتر ہے، اور قوی ہو تو یاد دلانا واجب ہے۔ (فتح القدیر ص ۲۵۴ ج ۲۔ رد المحتار ص ۳۹۴ ج ۲)

(۱۵) کسی قسم کی خوشبو خواہ وہ کتنی ہی تیز ہو سونگھنے سے روزہ نہیں جاتا۔ اسی طرح گرد و غبار، مکھی یا کسی قسم کا دھواں بے اختیار حلق میں اتر جائے

تب بھی روزہ نہیں ٹوٹتا گو کہ روزہ یاد ہو۔ ہاں! اگر اپنے قصد واختیار سے دھواں پہنچایا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، مثلاً از خود جلتی سگریٹ، لوبان، اگربتی وغیرہ کے قریب آکران کا دھواں لیتا رہا تو روزہ ٹوٹ گیا۔

(ردالمحتار ص ۳۹۵ ج ۲ وعامۃ الکتب)

(۱۶) روزہ میں سرمہ (یا آنکھ کی کوئی دوا) ڈالنا اور ڈاڑھی مونچھوں پر تیل لگانا بھی بلا کراہت جائز ہے اگرچہ ان کا مزہ حلق میں محسوس ہو یا تھوک میں سرمہ کا رنگ بھی دکھائی دے، جب کہ یہ چیزیں ضرورت کے تحت استعمال کی جائیں اور مقصد زینت وزیبائش نہ ہو ورنہ ان کا استعمال مکروہ ہوگا۔ اسی طرح پچھنے لگوانے میں بھی کراہت نہیں بشرطیکہ کمزوری لاحق ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

اور مسواک جیسے بغیر روزہ کے ہر وضو میں سنت ہے یونہی روزہ میں بھی سنت ہے خواہ صبح استعمال کی جائے یا شام اور خواہ تر ہو یا خشک، اسی طرح بلا ضرورت وضو ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے کُلی کرنا، ناک میں پانی چڑھانا، غسل کرنا، گیلا کپڑا بدن پر لپیٹنا بلا کراہت جائز ہے جبکہ مقصد صرف ٹھنڈک حاصل کرنا ہو بے صبری اور پریشانی ظاہر کرنے کے لئے یہ کام مکروہ ہیں۔

(مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص ۳۷۲ وعامۃ الکتب)

اور مسواک کرتے ہوئے اس کا کوئی ریشہ بے اختیار حلق میں چلا جائے تو اس سے روزہ نہ ٹوٹے گا۔ (کذا فی احسن الفتاویٰ ص ۴۴۵ ج ۴)

(۱۷) بیوی سے بوس وکنار کیا اور انزال نہ ہوا تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح کسی کو روزہ میں احتلام ہو گیا یا بیوی کو شہوت کی نظر سے دیکھ کر یا شہوانی خیالات میں ڈوب کر انزال ہو گیا تب بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ بشرطیکہ بیوی کو

ہاتھ نہ لگا یا ہو۔ (ردالمحتار۔ص ۳۹۵ ج ۲ و عامۃ الکتب)

(۱۸) روزہ رکھ کر جنابت کی حالت میں صبح کی یا دن بھر اسی حالت میں رہا یا کلی کر کے پانی بالکل پھینک دیا لیکن جو تھوڑی سی تری منہ میں رہ گئی اسے تھوک کے ساتھ نگل گیا یا کوئی دوا کوٹی اور اس کا مزہ حلق میں محسوس ہوا، یا ہلیلہ یا اور کوئی چیز منہ میں چوستا رہا مگر اس کا کوئی جز حلق میں نہیں اترا یا کان میں پانی پڑ گیا یا خود ڈالا (تیل اور اس جیسی دوا کا یہ حکم نہیں) یا تنکا لے کر کان کھجایا اور اسے میل لگ گئی اور اسی میل سمیت دوبارہ بار بار کان میں ڈالا۔ یا دانتوں کے درمیان چنے سے کم مقدار کی کوئی چیز پھنسی رہ گئی اسے نگل گیا یا دانتوں سے خون نکل کر حلق تک پہنچا اور پیٹ تک نہ پہنچا یا پیٹ تک پہنچ گیا مگر تھوک اس پر غالب تھا، یا ناک کی رطوبت سڑک کر حلق میں لے گیا اور وہ پیٹ میں اتر گئی یا منہ کی رال اور بلغم اسی طرح نگل گیا خواہ یہ چیزیں اندر ہی اندر نگل لیں یا ناک اور منہ سے باہر نکل کر بہنے لگیں لیکن دھار ٹوٹنے نہ پائی تھی کہ نگل لیں۔ یا گفتگو کرتے ہوئے ہونٹ لعاب سے تر ہو گئے اور اسے زبان سے چاٹ کر نگل لیا، یا تل یا اس جیسی خفیف سی چیز منہ میں ڈال کر چبائی اور وہ حلق میں اتر گئی مگر اس کا مزہ محسوس نہ ہوا تو ان تمام صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹا۔ (مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص ۳۶۲۔ ردالمحتار ص ۹۷، ۳۹ ج ۲)

(۱۹) بھول کر جماع میں مشغول ہوا اور یاد آتے ہی فوراً الگ ہو گیا یا صبح صادق ہونے سے پیشتر جماع میں مشغول تھا پھر صبح ہوتے ہی فوری الگ ہو گیا تو روزہ نہیں ٹوٹا اگرچہ دونوں صورتوں میں جدا ہونے کے بعد انزال بھی ہو گیا ہو، اگر فوری طور پر الگ نہ ہوا تو روزہ ٹوٹ گیا اگرچہ کوئی حرکت نہ کی ہو، یونہی کوئی بھولے سے کھا رہا تھا یا صبح صادق سے پیشتر کھانے میں

مشغول ہوا پھر یاد آنے پر اور صبح صادق ہونے پر ہاتھ روک لیا اور منہ سے لقمہ بھی اگل دیا تو روزہ نہیں ٹوٹا اور نگل لیا تو روزہ ٹوٹ گیا۔ (رد المحتار ص ۳۹۷ ج ۲ وعامۃ الکتب)

(۲۰) کسی بدطینت نے جانور سے بدفعلی کی، یا کسی نے بیوی سے سبیلین (دونوں راستوں کے سوا) کسی جگہ جماع کیا یا کسی نے مشت زنی کی تو تینوں صورتوں میں جب تک انزال نہ ہو روزہ نہ ٹوٹے گا۔ (عالمگیریہ ص ۲۰۵ وعامۃ الکتب)

روزہ ٹوٹنے کے باوجود بدفعلی اور مشت زنی کے گناہ کا وبال سر پر رہے گا۔

لما قال صلی اللہ علیہ وسلم : من اتی بھیمۃ فاقتلوہ الحدیث (ترمذی، ابوداؤد)

وقال سعید بن جبیر عذب اللہ امۃ کانوا یعبثون بمذاکیرھم

(۲۱) صبح صادق سے پہلے پان کھا کر منہ اچھی طرح صاف کر لیا مگر صبح ہونے کے بعد بھی پان کی سرخی تھوک میں دکھائی دیتی ہے تو تھوک نگلنے سے روزہ نہ ٹوٹے گا۔ (معالم التنزیل ص ۱۳۹ ج ۴)

(۲۲) انجکشن لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اس لئے کہ انجکشن کے ذریعہ دوا جوفِ عروق میں پہنچائی جاتی ہے اور خون کے ساتھ شرایین یا اوردہ میں اس کا سریان ہوتا ہے جوفِ دماغ یا جوفِ بطن میں دوا نہیں پہنچتی اور فسادِ صوم کے لئے مفطر کا جوفِ دماغ یا جوفِ بطن میں بذریعہ منفذِ اصلی پہنچنا ضروری ہے۔ مطلقاً کسی عضو کے جوف میں یا عروق (شرایین واوردہ) کے جوف میں پہنچنا مفسدِ صوم نہیں، لہٰذا انجکشن کے ذریعہ سے جو دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے مفسدِ صوم نہیں۔ (امداد الفتاویٰ ص ۱۴۵ ج ۲، امداد المفتین ص ۴۸۹)

خلاصہ یہ کہ روزہ اس چیز سے ٹوٹتا ہے جو منفذ (اندر پہنچنے کے راستہ) کے ذریعہ دماغ یا پیٹ میں پہنچے۔ انجکشن کی دوا منفذ سے نہیں بلکہ مسامات اور رگوں کے ذریعے اندر پہنچتی ہے اس لئے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

روزہ میں طاقت کے لئے انجکشن لگوانے اور گلوکوز چڑھوانے کا بھی یہی حکم ہے مگران سے چونکہ روزہ کا مقصد (بھوک اور پیاس کے ذریعہ نفس کی قوت کو توڑنا) متاثر ہوتا ہے اس لئے روزہ میں یہ کام مناسب نہیں خون دینے لینے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

مگر چونکہ یہ دونوں فعل بغیر روزہ کے بھی ناجائز ہیں اس لئے شدید ضرورت کے بغیر نہ کئے جائیں۔

آکسیجن جو ناک کے ذریعہ مریض کو دی جاتی ہے اگر اس میں دوا کے لطیف اجزاء بھی شامل ہوں تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور خالص آکسیجن بلا دوا ہو تو روزہ نہ ٹوٹے گا۔

مکروہات

(۲۳) بلا عذر زبان سے کوئی چیز چکھنا یا منہ میں رکھ کر چبانا روزہ دار کے لئے مکروہ ہے اگر عذر سے چکھے مثلاً کسی عورت کا خاوند بدمزاج ہے اور عورت کو ڈر ہے کہ اگر سالن میں نمک کم و بیش ہو گیا تو خاوند بگڑ جائے گا تو زبان سے چکھنے میں کراہت نہیں۔

اسی طرح عورت کا چھوٹے بچے کو بلا عذر کوئی چیز چبا کر کھلانا بھی مکروہ ہے لیکن عذر سے کھلائے کہ بچہ کے لئے دوسری نرم غذا موجود نہ ہو، نہ ہی بغیر روزہ کے کوئی دوسرا آدمی موجود ہو جو بچے کو غذا چبا کر دے تو ایسی صورت میں کراہت نہیں اسی طرح روزہ دار اگر کھانے کی چیز خریدتے وقت زبان سے چکھ لے تو کراہت نہیں بشرطیکہ اس چیز کی طرف اسے سخت احتیاج ہو اور بغیر چکھے خریدنے میں نقصان کا اندیشہ ہو، ان تمام صورتوں میں کراہت کا حکم فرض و واجب روزہ سے متعلق تھا، نفلی روزہ ہو تو کراہت نہیں۔

(عالمگیریہ ص ۱۹۹ ج ۱، ردالمحتار ص ۱۶۴ ج ۲)

(۲۴) بیوی سے بوس وکنار، معانقہ یا شہوت سے اسے چھونا بھی مکروہ ہے جب کہ انزال ہوجانے یا جماع میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو، ورنہ کراہت نہیں اور مباشرتِ فاحشہ اور اس کے ہونٹ یا زبان منہ میں لے کر چوسنا مطلقاً مکروہ ہے خواہ انزال یا جماع کا اندیشہ ہو یا نہ ہو۔ (رد المحتار ص ۱۴۷ ج ۲ وغیرہ)

(۲۵) منہ میں قصداً تھوک جمع کر کے نگل جانا مکروہ ہے لیکن بلا قصد جمع ہوجائے تو نگلنا مکروہ نہیں۔ (مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص ۳۷۲)

کسی نے لفافہ بند کرنے کے لئے اس کا گوند زبان سے تر کیا تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر گوند چاٹ کر تھوک نگل گیا تو روزہ فاسد ہوجائے گا اور اگر چاٹنے کے بعد تھوک دیا تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا مگر ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ (احسن الفتاوٰی ص ۴۵۲ ج ۴)

(۲۶) فصد کھلوانا، پچھنے لگوانا، جب کہ ضعف کا اندیشہ ہو، بلکہ کوئی ایسا عمل جس میں ضعف لاحق ہونے کا خطرہ ہو مکروہ ہے، جیسے بہت مشقت کا کام کرنا اور ضعف کا خطرہ نہ ہو تو مکروہ نہیں (حوالہ بالا)

اور کسی کو یہ اندیشہ ہو کہ اگر روزہ رکھ لیا تو کمزور ہوجائے گا اور کھڑے ہو کر نماز بھی نہ پڑھ سکے گا تو اسے چاہیئے کہ روزہ رکھ لے اور نماز بیٹھ کر پڑھے۔

(البحر الرائق ص ۲۸۲ ج ۲ وغیرہ)

(۲۷) استنجا کرنے میں مبالغہ کرنا (نیچے زیادہ زور دینا) یونہی کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ کرنا مکروہ ہے۔ پانی میں ریح خارج کرنا بھی مفسد نہیں مکروہ ہے۔ (عالمگیریہ ص ۱۹۹ ج ۱)

(۲۸) کوئلے، منجن اور ٹوتھ پیسٹ سے دانت صاف کرنا اور عورتوں کا مسی یا دنداسہ لگانا مکروہ ہے اگر ان کا کوئی جز حلق سے نیچے اتر گیا تو روزہ فاسد

ہو جائے گا۔ (کذافی امداد الفتاویٰ ص ۱۴۱ ج ۲ و احسن الفتاویٰ ص ۴۳۹ ج ۴)

(۲۹) روزہ میں خون نکلوانا مفسد نہیں، البتہ اگر ایسے ضعف کا خطرہ ہو کہ روزہ کی طاقت نہ رہے گی تو مکروہ ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۴۲۵ ج ۴)

یوں ہی روزہ میں ڈاکٹر سے دانت یا ڈاڑھ نکلوانا اور اس جگہ دوا لگانا بوقت ضرورتِ شدیدہ جائز ہے اور بلا ضرورت مکروہ ہے۔ اگر دوا یا خون پیٹ کے اندر چلا جائے اور تھوک پر غالب ہو یا اس کے برابر ہو یا اس کا مزہ محسوس ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (ردالمحتار ص ۳۹۶ ج ۴)

(۳۰) سحری کھانا اور اس میں تاخیر کرنا تو مستحب ہے مگر اتنی تاخیر کر دینا کہ صبح صادق کا شک گذرنے لگے مکروہ ہے۔ (عالمگیریہ ص ۲۰۰ ج ۱)

(۳۱) غیبت، چغلی، جھوٹ، بہتان تراشی، بیہودہ گوئی، گالی گلوچ، ایذا رسانی اور گناہ کے تمام کام یوں تو ہر وقت ہر حال میں حرام و ناجائز ہیں، مگر روزہ دار آدمی کے لئے ان کی حرمت و شناعت دوچند ہو جاتی ہے اور ان کے سبب روزہ سخت مکروہ ہو جاتا ہے، بلکہ اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ ان کی نحوست سے کہیں روزہ کا اجر و ثواب ہی غارت ہو کر نہ رہ جائے۔ لما جاء فی غیر واحد من الاحادیث الصحیحۃ الثابتۃ۔

مفسدات

(۳۲) روزہ یاد تھا مگر کلی کرتے ہوئے یا ناک میں پانی چڑھاتے ہوئے بے اختیار کچھ پانی حلق سے اتر گیا۔ یا نیند میں کسی نے پانی منہ میں انڈیل دیا اور پی گیا۔ یا یہ گمان کر کے کہ ابھی صبح صادق نہیں ہوئی کھاتا پیتا رہا بیوی سے صحبت کی، پھر معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی، یا کھانے پینے اور جماع پر مجبور کیا گیا، یعنی روزہ نہ توڑنے

کی صورت میں جان سے مار دینے یا کسی عضو کے تلف کردینے یا کسی بڑے صدمے سے دوچار کرنے کی دھمکی دی گئی اور اس نے روزہ توڑ دیا، یا بھول کر کھا پی لیا تھا، جماع کرلیا تھا یا احتلام ہوگیا یا نظرِ شہوت سے دیکھ کر انزال ہوگیا یا قے ہوئی ان صورتوں میں اس نے یہ گمان کرکے کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا قصداً کھا پی لیا یا جماع کرلیا تو ان تمام صورتوں میں روزہ ٹوٹ گیا جس کی قضاء میں صرف ایک روزہ رکھنا فرض ہے۔ (ردالمحتار ص ۱۰۴ ج ۲ وغیرہ)

(۳۳) روزہ میں حقنہ لیا یا ناک کے راستے دوا چڑھائی یا کان میں تیل یا ایسی ہی چکنی دوا ٹپکائی یا پیٹ یا سر میں گہرا زخم تھا اس میں دوا ڈالی جو پیٹ اور دماغ کے اندر پہنچ گئی یا کنکر نگل لیا یا کوئی ایسی چیز کھالی جس کی طرف طبیعت راغب نہیں ہوتی، جیسے مٹی، گٹھلی، روئی، کاغذ، خشک یا گوندھا ہوا آٹا، یا پورا رمضان بھوکا پیاسا گذار دیا مگر روزہ کی نیت کئے بغیر یا صبح سے روزہ کی نیت نہ کی پھر نصف النہار سے پہلے روزہ کی نیت کرلی اس کے بعد قصداً کھا پی لیا، یا نیت تو صبح سے کرلی مگر خاص روزۂ رمضان کی نیت نہ کی بلکہ مطلق روزہ کی نیت کی یا بارش کا قطرہ یا اولے بے اختیار حلق میں اتر گیا۔ یا پسینہ یا آنسوؤں کے کچھ قطرے نگل گیا یا جانور سے وطی کی یا بیوی سے سبیلین کے سوا کسی جگہ جماع کیا یا اس سے بوس وکنار کیا یا اس حالت میں اس کا بدن چھوا کہ کوئی کپڑا وغیرہ حائل نہ تھا یا حائل تھا مگر پھر بھی بدن کی حرارت محسوس ہوتی رہی۔ یا مشت زنی کی اور ان تمام صورتوں میں انزال بھی ہوگیا یا اداء رمضان کے سوا کوئی روزہ توڑ دیا، خواہ وہ قضاء رمضان ہی ہو۔ یا روزہ دار عورت سورہی تھی اسی حالت میں اس سے وطی کی گئی یا یہ سمجھ کر کہ ابھی رات باقی ہے سحری کھالی حالانکہ صبح ہوچکی تھی یا یہ گمان کرکے کہ آفتاب غروب ہوگیا افطار کرلیا حالانکہ غروب نہ ہوا تھا تو ان تمام صورتوں

میں بھی روزہ ٹوٹ گیا جس کی قضاء واجب ہے کفارہ نہیں۔

(مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص ۳۶۲ ج ۳)

مسافر نصف النہار سے پہلے اپنے گھر لوٹ آیا اور روزہ کی نیت کرلی یا
مجنون نصف النہار سے پہلے ہوش میں آگیا اور روزہ کی نیت کرلی تو اس روزہ
توڑنے پر بھی صرف قضا ہے کفارہ نہیں۔ (عالمگیریہ ص ۲۰۶ ج ۱)

(۳۴) رات کو روزہ کی نیت کرلی پھر صبح سے پہلے سفر پر روانہ ہوگیا یا اس کے
برعکس سفر پر نکل کر بعد میں روزہ کی نیت کی پھر سفر کا ارادہ ملتوی کردیا اور روزہ
توڑ دیا یا روزہ توڑ کر بعد میں ارادہ ملتوی کیا یا رات میں روزہ کی نیت کی اور صبح
کے بعد سفر پر روانہ ہوا یا روزہ کی نیت بھی صبح کے بعد ہی کی پھر سفر پر نکلا اس کے
بعد یہ روزہ توڑ دیا تو ان تمام صورتوں میں صرف قضاء واجب ہے۔

(مراقی الفلاح ص ۳۶۹)

(۳۵) کوئی خشک چیز مقعد (پاخانہ کے مقام) میں داخل کی اور اس کا دوسرا
سرا باہر رہا تو روزہ نہ ٹوٹا اور غائب ہوگئی تو ٹوٹ گیا اسی طرح اگر تر چیز
داخل کی اور اس کی تری اندر چلی گئی تو ہر حال میں روزہ ٹوٹ گیا۔ یہی تفصیل
عورت کی شرمگاہ سے متعلق ہے، یا استنجا کرنے میں اس قدر مبالغہ سے کام
لیا کہ پانی مقام حقنہ تک پہنچ گیا تو روزہ ٹوٹ گیا مگر ایسا بہت کم اور شاذ و
نادر ہی ہوتا ہے کہ پانی اس مقام تک پہنچ جائے۔

مرد نے پیشاب گاہ میں پانی، تیل یا کوئی بھی چیز داخل کی تو روزہ نہ
ٹوٹا اگرچہ وہ مثانہ تک پہنچ جائے اور عورت کے ایسا کرنے سے روزہ ٹوٹ
جائے گا اگرچہ مثانہ تک نہ پہنچے۔

(عالمگیریہ ص ۲۰۴ ج ۱ - ردالمحتار ص ۳۹۷ ج ۲)

(۳۶) بواسیری مسے موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں اور براہِ مقعد داخل ہونے والی چیز جب تک موضع حقنہ تک نہ پہنچے مفسد نہیں۔ لہٰذا مسوں کو پانی سے تر کرکے چڑھانے سے اور مسوں پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ کانچ کو تر کرکے چڑھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اس لئے کہ یہ موضع حقنہ تک پہنچ جاتی ہے

(احسن الفتاوی ص۴۴۴ ج۴ ومثلہ فی امداد الفتاوی ص۱۴۹ ج۲ وامداد الاحکام ص۱۲۹ ج۲)

(۳۷) قے کی بہت ساری صورتیں ہیں ان میں سے صرف دو صورتوں میں روزہ ٹوٹتا ہے، ایک یہ کہ قصداً بھر کر قے کی، خواہ باہر پھینک دے یا منہ میں لوٹا لے، دوسری صورت یہ ہے کہ بے اختیار منہ بھر کر آئی اور اس نے قصداً منہ میں لوٹا لی اگرچہ چنے کے برابر ہی لوٹائی ہو، ان دونوں صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور صرف قضا واجب ہوجاتی ہے بشرطیکہ قے کرتے وقت روزہ یاد ہو اور قے میں بھی کھانا یا پانی یا صفراء یا خون آئے، بلغم نکلنے سے کسی صورت میں روزہ نہیں جاتا، ان دونوں صورتوں کے ماسوا قے کی جتنی صورتیں ہیں کسی میں روزہ نہیں ٹوٹتا مثلاً قصداً قے کی اور منہ بھر کر نہ آئی، یا بے اختیار آئی مگر منہ بھر سے کم تھی یا منہ بھر تھی مگر لوٹائی نہیں خواہ وہ باہر نکل آئی یا بے اختیار لوٹ گئی یا لوٹا لی مگر چنے کی مقدار سے بھی کم یا قصداً منہ بھر قے کی یا بلا قصد منہ بھر آئی اور لوٹا لی لیکن روزہ دار ہونا یاد نہ تھا تو ان تمام صورتوں میں روزہ نہ ٹوٹا۔

(قاضی خان علی ھامش الہندیہ ص ۲۱۱ ج ۱۔ رد المحتار ص ۱۴۴ ج ۲)

اگر ایک مجلس میں قصداً بار بار قے کی جس کا مجموعہ منہ بھر کی مقدار کو پہنچ گیا تو روزہ ٹوٹ گیا اور مجموعی مقدار اس سے کم ہو یا کئی مجالس میں اتنی قے کی تو نہ ٹوٹا۔ (فتح القدیر ص ۲۶۰ وغیرہ)

(۳۹) مسافر نصف النہار سے پہلے گھر لوٹ آیا اور ادا۔ رمضان یا نفل یا نذر معین کے روزہ کی نیت کرلی تو روزہ صحیح ہے بلکہ روزۂ رمضان کی نیت کرنا ضروری ہے بشرطیکہ روزہ کے منافی کوئی کام نہ کیا ہو۔

اسی طرح کوئی مقیم روزہ رکھنے کے بعد دن میں سفر پر روانہ ہوگیا تو اس روزہ کا توڑنا بھی جائز نہیں، تاہم اس مقیم یا مسافر نے یہ روزہ توڑ دیا تو اس پر صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔

(فتح القدیر ص ۲۴۸ ج ۲ - رد المحتار ص ۱۳۱ ج ۲)

(۴۰) کسی نے رات کے گمان میں سحری کھائی حالانکہ صبح ہوچکی تھی یا غروب کے گمان میں افطار کرلیا حالانکہ دن ابھی باقی تھا یا مسافر دن میں سفر سے لوٹ آیا، یا عورت دن میں حیض و نفاس سے پاک ہوگئی یا مجنون کو دن میں افاقہ ہوگیا یا کسی کا روزہ ٹوٹ گیا خواہ جبراً توڑوا دیا گیا یا غلطی سے پانی وغیرہ حلق میں اتر گیا یا کافر دن میں مسلمان ہوگیا یا نابالغ بالغ ہوگیا تو ان تمام صورتوں میں دن کا بقیہ حصہ بغیر کھائے پئے روزہ داروں کی طرح گذارنا واجب ہے اور آخر کے دو شخصوں (نومسلم، نوبالغ) کے سوا بقیہ تمام لوگوں پر اس روزہ کی قضاء بھی واجب ہے اور ان دونوں نے نصف النہار سے پہلے روزہ کی نیت کرلی تو یہ نفل روزہ ہوگا جس کے توڑنے پر قضا واجب ہوگی۔ ہاں! مسافر، مجنون اور مریض نصف النہار سے پہلے نیت کریں تو ان کا روزہ فرض ہوگا۔ عورت صبح صادق کے بعد پاک ہوکر روزہ کی نیت کرلے تو اس کا روزہ نہ ہوگا نہ فرض نہ نفل۔

(البحر الرائق ص ۲۸۸ ج ۲ رد المحتار ص ۱۴۰ ج ۲)

موجباتِ کفّارہ

(۴۱) عاقل و بالغ انسان نے رمضان میں اداء رمضان کی نیت سے روزہ رکھا اور دن میں کسی قابلِ شہوت آدمی کے ساتھ آگے یا پیچھے کے راستے قصداً جماع کیا یا اس سے جماع کیا گیا دونوں صورتوں میں خواہ انزال ہوا یا نہیں، یا قصداً کوئی غذا یا دوا کی چیز کھا پی لی، یا کوئی ایسا فعل کیا جس سے روزہ ٹوٹنے کا گمان نہیں پیدا ہوتا جیسے پچھنے لگوائے یا سرمہ ڈالا یا بیوی کو ہاتھ لگایا یا بوسہ لیا یا ساتھ لٹایا یا مباشرتِ فاحشہ کی یا جانور سے وطی کی اور ان صورتوں میں انزال نہ بھی ہوا یا مقعد میں خشک انگلی داخل کی اور ان سب صورتوں میں یہ گمان کرکے کہ روزہ جاتا رہا قصداً کھا پی لیا تو قضاء و کفارہ دونوں واجب ہیں۔ ہاں اگر ان صورتوں میں کسی قابل اعتماد مفتی نے اسے روزہ ٹوٹنے کا فتویٰ دیا تھا یا اس نے کوئی حدیث سنی اور اس کا غلط طور پر یہ مطلب سمجھا کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا پھر قصداً کھا لیا تو کفّارہ نہیں، اگرچہ مفتی کا فتویٰ غلط ہو اور حدیث ثابت نہ ہو۔

(ردالمحتار ص ۹۴ ج ۲ وغیرہ)

(۴۲) کسی درخت کا پتا کھا لیا تو صرف قضاء واجب ہے، لیکن اگر اس قسم کا پتا ہو جو مرغوب ہے اور عادتاً کھایا جاتا ہے تو کفّارہ بھی واجب ہوگا۔

اپنا تھوک منہ سے نکالنے کے بعد چاٹ لیا یا کسی دوسرے عام آدمی کا تھوک چاٹ لیا تب بھی قضاء واجب ہے۔ لیکن کسی دوست اور محبوب شخص کا تھوک چاٹ لیا تو کفارہ بھی واجب ہے، کچا گوشت، خواہ حلال ہو یا حرام کھانے سے بھی قضاء و کفارہ دونوں واجب ہیں، ہاں اگر بدبودار ہو یا کیڑے پڑ گئے ہوں تو صرف قضاء واجب ہے (ردالمحتار ص ۱۰۴ وغیرہ)

کچی چربی کا بھی وہی حکم ہے جو کچے گوشت کا ہے۔

(خلاصۃ الفتاوی ص ۲۵۵ ج ۱)

(۴۳) سرکہ پیا یا زعفران، لوبیہ، خربوزہ، تربوز، کھیرے، ککڑی میں سے کسی چیز کا پانی پی لیا، بارش یا برف یا اولوں میں سے کسی کا پانی قصداً پی لیا یا گل ارمنی کھائی یا ایسی مٹی کھائی جو عادتاً کھائی جاتی ہے یا آٹا گھی ساتھ ملاکر استعمال کیا یا کسی کو نمک کھانے کی عادت ہے اور اس نے نمک کھالیا تو قضاء و کفارہ واجب ہیں۔ (عالمگیریہ ص ۲۰۵)

(۴۴) حقہ، سگریٹ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس پر قضاء و کفارہ واجب ہیں۔

(مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص۳۶۲، ردالمحتار ص ۲/۳۹۵، امداد الفتاوی ص ۱۲۴ ج ۲)

ہاں اگر حقہ کا دم نہ بھرا جائے بلکہ ویسے ہی خفیف سا دھواں منہ میں آجائے جو دماغ تک نہ پہنچے یا نسوار کو ناک کے اندر رکھ کر اس طرح نکال دیا جائے کہ دماغ میں نہ پہنچے تو بیشک وہ مفسدِ صوم نہیں لیکن عرف عام کے اعتبار سے ایسا ہونا بہت بعید بلکہ عادتاً متعذر کہا جائے تو صحیح ہے اس لئے حقہ پینے اور نسوار سونگھنے کو مفسدِ صوم ہی کہا جائے گا۔ (امداد المفتین ص ۴۹۴)

(۴۵) جماع کرنے سے مرد و عورت دونوں پر کفارہ واجب ہوتا ہے جب کہ عورت کی رضا شامل ہو۔ اگر مرد نے اس پر جبر کیا تو مرد پر قضاء و کفارہ اور عورت پر صرف قضاء ہے، اگر ابتداء میں عورت پر جبر کیا گیا اس کے بعد اس کی رضا بھی شامل ہوگئی تب بھی اس پر فقط قضاء ہے۔ (قاضی خان علی الہندیہ ص ۲/۲۱۳)

اگر شوہر نابالغ اور بیوی بالغہ ہے تو جماع کی صورت میں صرف بیوی پر کفارہ ہے اور مرد اگر مشتہاۃ نابالغہ لڑکی سے جماع کرے تو مرد پر کفارہ واجب ہے، عورت

نابالغ لڑکے یا مجنون سے وطی کرائے تو اس پر کفارہ واجب ہے

(ردالمحتار ص ۴۰۹ ج ۲)

(۴۶) بھول کر کھاپی لیا یا جماع کیا پھر یہ گمان کر کے کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا قصداً کھاپی لیا تو اس صورت میں صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں، بلکہ یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ بھول کر کھانے پینے اور جماع کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا بھولنے کے بعد قصداً کھاپی لیا تب بھی صحیح قول کے مطابق صرف قضاء ہی ہے کفارہ نہیں۔ یا روزہ میں قے آئی یا احتلام ہوگیا اس کے بعد یہ گمان کر کے کہ روزہ ان سے ٹوٹ گیا قصداً روزہ توڑ دیا تب بھی صرف قضاء ہے اور ان کا شرعی حکم (کہ ان سے روزہ نہیں جاتا) جانتے ہوئے روزہ توڑ دیا تو قضاء کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوگا اور غسل کرنے کے بعد قصداً روزہ توڑا تو ہر حال میں کفارہ واجب ہوگا۔ اگر پچھنے لگائے اور انہیں مفسد سمجھ کر قصداً روزہ توڑ دیا تو قضاء و کفارہ واجب ہیں۔ ہاں! کسی عالم نے روزہ ٹوٹنے کا فتویٰ دیا تھا تو صرف قضاء لازم ہوگی۔ اسی طرح سرمہ لگایا یا مالش کی پھر اسے مفسد گمان کر کے قصداً کھاپی لیا تو قضاء و کفارہ دونوں لازم ہیں الّا یہ کہ یہ شخص جاہل تھا اور اسی طرح اسے فتویٰ دیا گیا، پھر قصداً کھایا تو کفارہ واجب نہیں۔

اگر مسواک کی پھر اسے مفسد سمجھ کر توڑ دیا تو قضاء و کفارہ واجب ہیں۔ اگر غیبت کرنے کے بعد قصداً روزہ توڑ دیا تب بھی یہی حکم ہے۔

اگر جانور سے بدفعلی کی اور انزال نہ ہوا پھر اسے مفسد خیال کر کے قصداً روزہ توڑ دیا تو اگر علم رکھتا تھا تو قضاء و کفارہ دونوں واجب ہیں اور جاہل تھا تو صرف قضاء ہے۔

اگر دبر میں انگلی داخل کی یا تاگا نگل گیا مگر دوسرا سرا ہاتھ میں پکڑے رہا پھر ان دونوں صورتوں کو مفسد سمجھ کر روزہ توڑ دیا تو ان میں بھی یہی تفصیل ہے۔

شہوت کی نظر سے عورت کی طرف دیکھ کر انزال ہوگیا پھر قصداً روزہ توڑدیا تو اگر مفسد گمان کر کے روزہ توڑا تو صرف قضاء ہے ورنہ کفارہ بھی واجب ہے۔

(خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۵۸ ج ۱ عالمگیریہ ۲۰۶ ج ۱)

(۴۷) جس روزہ کے توڑنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے ضروری ہے کہ رات سے اس روزہ کی نیت کی جائے، صبح ہونے کے بعد نیت کی تو اس روزہ کے توڑنے پر کفارہ نہیں، اور یہ کہ اس روزہ کے توڑنے پر اسے مجبور نہ کیا گیا ہو پس اگر بیوی نے جماع کے لئے شوہر پر جبر کیا تو صحیح قول کے مطابق شوہر پر صرف قضاء ہے، اور بیوی پر کفارہ بھی! نیز روزہ توڑنے کے بعد کوئی ایسی بات پیش نہ آئی ہو جو روزہ کے منافی ہے پس اگر روزہ توڑنے کے بعد عورت کو اسی دن حیض یا نفاس آگیا تو کفارہ ساقط ہوجائے گا۔

اور روزہ توڑنے کے بعد قدرتی طور پر ایسا امر پیش نہ آیا ہو جس کے سبب سے روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہو، لہٰذا روزہ توڑنے کے بعد اسی دن اتفاق سے اس حد تک بیمار پڑ گیا جس میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے تو بھی کفارہ ساقط ہوجائے گا اور روزہ توڑنے کے بعد اسی دن اپنے آپ کو زخمی کر کے بیمار کر دیا جس سے ضعف لاحق ہوگیا یا سفر پر روانہ ہوگیا بلکہ سفر پر مجبور کیا گیا! تب بھی کفارہ ساقط نہ ہوگا۔

(رد المختار ص ۱۱۳ ج ۲ ومثلہ فی فتاویٰ قاضی خان علی الہندیہ ص ۲۰۵ ج ۲ وغیرہ)

(۴۹) کسی کو باری کا بخار آتا تھا اس نے یہ سوچ کر کہ آج باری کا دن ہے اور یقیناً بخار آئے گا روزہ توڑ دیا لیکن بخار نہ آیا یا عورت کو معین ایام میں ماہواری آتی تھی اس نے یہ گمان کر کے کہ آج ماہواری شروع ہونے کا دن ہے، روزہ توڑ دیا لیکن ماہواری نہ آئی یا کسی نے اس گمان میں کہ آج دشمن سے لڑنا ہے روزہ توڑ دیا

پھر لڑائی نہ ہوئی تو دونوں صورتوں میں کفارہ ساقط ہو جائے گا اور یونہی ہو گا جیسے کوئی شخص آفتاب غروب ہونے کے گمان پر روزہ افطار کردے پھر اسے معلوم ہو کہ ابھی غروب نہیں ہوا۔ (ردالمحتار ص ۴۱۳ ج ۲ وغیرہ ۳۶۹)

اور کئی علماء کے نزدیک پہلی دونوں صورتوں میں کفارہ واجب ہے۔

(البحرالرائق ص ۲۸۲)

(۴۹) روزہ توڑنے کا کفارہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو دو ماہ لگاتار روزے رکھے۔

اگر مہینہ کی پہلی تاریخ سے روزے رکھنے شروع کئے تو دوسرے مہینے کے ختم ہونے پر کفارہ ادا ہو جائے گا اگرچہ یہ دونوں مہینے انتیس (۲۹) تاریخ کے ہوں اگر پہلی تاریخ سے شروع نہ کئے تو پورے ساٹھ روزے رکھے، اگر درمیان میں حیض آجائے تو اس سے تسلسل نہیں ٹوٹے گا، بشرطیکہ حیض سے پاک ہوتے ہی روزہ رکھنا شروع کردے۔ اگر روزوں کی قدرت نہ ہو کہ بہت بوڑھا ہے یا ایسی بیماری میں مبتلا ہے جس سے صحت یاب ہونے کی کوئی امید نہیں تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، خواہ ایک ہی دن صبح وشام کھلا دے یا متفرق طور پر۔ اگر ایک وقت ساٹھ مسکینوں کو کھلایا دوسرے وقت ان کے سوا دوسرے ساٹھ مسکینوں کو کھلایا تو کفارہ ادا نہ ہوا بلکہ ضروری ہے کہ انہی دو فریقوں میں سے ایک فریق کو دوبارہ ایک وقت کھلائے اور ضروری ہے کہ وہ بالغ یا قریب البلوغ ہوں ان میں کوئی بچہ نہ ہو۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ہر مسکین کو صدقہ فطر کی مقدار میں غلہ یا غلہ کی قیمت کا مالک بنا دے یا ایک وقت پیٹ بھر کر کھلا دے دوسرے وقت غلہ یا قیمت ادا کردے یا کچھ مساکین کو کھانا کھلائے کچھ کو غلہ یا قیمت دے۔ غرض ساٹھ کی تعداد کسی طرح پوری کرے۔ غلہ یا قیمت دینے میں یہ شرط ہے کہ مسکین

کو پورے طور پر مالک بنا دیا جائے۔ صرف اباحت (یعنی برتنے کی اجازت دینا) کافی نہیں۔ اگر ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن تک صبح وشام کھانا کھلایا یا ہر روز صدقہ فطر کی مقدار غلہ یا قیمت اس کی ملک میں دیتا رہا تب بھی کفارہ ادا ہو گیا۔ اور اگر ایک ہی دن اسے ساٹھ دن کا کھانا یا غلہ یا قیمت دے دی تو صرف اسی ایک دن کا کفارہ ادا ہوا، یونہی اگر تیس مسکینوں کو ایک دن میں دو چند کر کے دے دیا یعنی ہر ایک کو دو آدمی کا کھانا یا غلہ کی قیمت دے دی تب بھی آدھا کفارہ ہوا اور ساٹھ مسکینوں کو صدقہ فطر کی آدھی آدھی مقدار ادا کی تو انہی مساکین کو اتنی مقدار اور دے ورنہ کفارہ ادا نہ ہو گا۔

ایک سو بیس مسکینوں کو ایک وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیا تو آدھا کفارہ ادا ہوا، اب ضروری ہے کہ انہی میں سے ساٹھ کو پھر کسی وقت پیٹ بھر کر کھلائے، اگر وہ مساکین نہ ملیں تو نئے ساٹھ مساکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھلائے۔

اس تفصیل کے مطابق چاہے خود مساکین کو دے یا اس کے حکم سے دوسرا آدمی اس کی طرف سے دے دونوں طرح صحیح ہے لیکن دوسرے نے اس کے حکم کے بغیر دے دیا تو کفارہ ادا نہ ہو گا۔ (کنز مع البحر ص ۱۰۱ ج ۴ وعامۃ الفتاویٰ)

(۵۰) اگر ایک روزہ توڑ کر اس کا کفارہ ادا کر دیا پھر دوسرا روزہ توڑا تو اس کے لئے دوسرا کفارہ ادا کرے۔ اور پہلا کفارہ ادا کرنے سے پہلے دوسرا کفارہ واجب ہو گیا تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ دونوں کفارے اگر ایک ہی رمضان کے روزے توڑنے پر واجب ہوتے ہوں تو ان میں تداخل ہو سکتا ہے یعنی ایک کفارہ ادا کرنے سے دونوں ادا ہو سکتے ہیں خواہ دونوں کفارے جماع کے سبب واجب ہوتے ہوں یا کھانے پینے کے سبب اور متعدد رمضان کے کفارے ہوں تو اگر جماع کے سبب سے واجب ہوئے تو ہر ایک روزے کا الگ الگ کفارہ دینا ہو گا اور کھانے پینے کے

سبب واجب ہوئے تو سب میں تداخل ہو سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ دو یا ان سے زائد رمضان کے کفارے جماع کے سبب واجب ہوئے تو ان میں تداخل نہیں، باقی تمام صورتوں میں تداخل ہے۔

ردالمحتار ص ۴۱۳ ج ۲۔ احسن الفتاویٰ ص ۴۴۳ ج ۴)

وجوہِ رخصت

(۵۱) ان وجوہ سے روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے: سفر، حمل، بچہ کو دودھ پلانا، مرض، بڑھاپا، جبر و اکراہ، ہلاکت کا خوف، نقصانِ عقل اور جہاد۔ سفر سے مراد شرعی سفر ہے یعنی تین دن کی مسافت (موجودہ حساب سے جس کے سوا استتر کلومیٹر بنتے ہیں) جو شخص اتنی مسافت کی نیت کر کے گھر سے نکلے خواہ کسی ناجائز مقصد کے لئے ہی نکلے اس کے لئے روزہ نہ رکھنا جائز ہے، لیکن مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے اور مشقت یا ضرر ہو تو نہ رکھنا افضل ہے اور ہلاکت کا اندیشہ ہو تو نہ رکھنا واجب ہے۔ (البحرالرائق ص ۲۸۲ ردالمحتار ص ۴۲۱ ج ۲)

(۵۲) حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت (خواہ وہ ماں ہو یا دائی) کو اپنی یا بچے کی جان کو نقصان پہنچنے کا قوی اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح مریض کو اپنے مرض کے بڑھ جانے یا دیر سے تندرست ہونے کا ظن غالب ہو یا خادم یا خادمہ کو بہت زیادہ ضعف ہونے کا ظن غالب ہو تو ان کے لئے بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے ظن غالب کسی خاص علامت یا تجربہ سے حاصل ہو یا کسی ماہر مسلمان ڈاکٹر و طبیب کے کہنے سے، صرف اپنے وہم یا گمان سے روزہ چھوڑنا جائز نہیں اور توڑنے پر کفارہ ہے، یہی حکم غیر مسلم غیر ماہر اور فاسق و بے دین ڈاکٹر یا طبیب کے غلط مشورہ کا ہے کہ ان کی بات کا اعتبار نہیں۔

بھوک پیاس کی شدت سے موت یا نقصانِ عقل کا اندیشہ ہو تو روزہ توڑنا جائز ہے، اسی طرح کوئی روزہ توڑنے پر مجبور کرے تو بھی توڑ سکتا ہے اور جبر کے باوجود نہ توڑے تو اجر پائے گا، سانپ نے ڈس لیا اور ہلاکت یا نقصانِ عقل کا اندیشہ ہے تو دوا پی سکتا ہے۔ (رد المحتار ص ۴۲۱ ج۲ وغیرہ)

(۵۳) حیض و نفاس کا خون آتے ہی عورت کا روزہ ٹوٹ گیا اس کے لئے کھانا پینا جائز ہے خواہ چھپ کر کھائے خواہ ظاہر (الجوھرۃ النیرۃ ص ۱۸۶ ج ۱) لیکن چھپ کر کھانا بہتر ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۴۳۸ ج ۴)

پھر صبح صادق سے پہلے ٹھیک دس دن پر حیض سے پاک ہوئی تو اس دن میں روزہ رکھنا ضروری ہے اور دس دن سے کم میں پاک ہوئی تو اگر اتنا وقت باقی ہے کہ صبح ہونے سے ذرا سی پہلے پھرتی سے غسل کر کے فارغ ہو سکے تو روزہ رکھنا ضروری ہے اور غسل کرتے ہی معاً صبح ہو گئی تو روزہ نہ رکھے۔

(عالمگیریہ ص ۲۰۷ ج ۲)

مذکورہ بالا تمام لوگوں پر فوت شدہ روزوں کی قضاء رکھنا فرض ہے، لیکن فوری رکھنا یا لگاتار رکھنا ضروری نہیں۔ ایسا کریں تو افضل ہے، اگر قضاء روزے ذمہ میں باقی تھے کہ دوسرا رمضان آگیا تو ادا روزوں کی نیت بھی کی تو نیت لغو ہے اور بہر صورت یہ موجودہ رمضان کے روزے ادا ہوں گے۔

اگر عذر زائل ہونے سے پہلے یہ مر گئے تو ان پر فدیہ کی وصیت کرنا واجب نہیں اور عذر زائل ہونے کے بعد روزے نہ رکھے اور موت آگئی تو اتنے روزوں کے فدیہ کی وصیت کرنا واجب ہے جتنے رکھ سکتے تھے یعنی ازالہ عذر کے بعد جتنے ایام زندہ رہے اور کسی نے بلا عذر روزہ نہ رکھے تو اس پر ہر حال میں فدیہ کی وصیت کرنا واجب ہے۔ اگرچہ قضا رکھنے کی

مہلت نہ پائی ہو[1] اگر بلا وصیت یہ لوگ مر گئے تو ورثہ کے ذمہ فدیہ ادا کرنا ضروری نہیں، تاہم ورثہ از خود احسان کرتے ہوئے فدیہ دے دیں تو جائز ہے اور اس کا ثواب ورثہ کو ہی ملے گا۔ ہر روزہ کا فدیہ صدقہ فطر کی مقدار ہے اور وصیت صرف تہائی مال میں نافذ ہوگی، ہاں مرنے والے کا کوئی وارث نہ ہو تو کُل مال میں نافذ ہوگی، یا بالغ ورثہ خوشی سے چاہیں تو تہائی سے زائد میں بھی نافذ کر سکتے ہیں اور کسی زندہ یا مردہ شخص کی طرف سے دوسرا آدمی نماز روزہ نہیں ادا کر سکتا۔

(عالمگیریہ ص ۲۰۷ ج ۲ رد المحتار ص ۴۲۳)

(۵۵) شیخِ فانی یعنی اس قدر نحیف اور کمزور بوڑھا جو روزہ رکھنے سے مستقل طور پر معذور ہو اور سال بھر کسی موسم میں بھی روزہ نہ رکھ سکے تو اسے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے وہ ہر روزہ کے بدلے صدقہ فطر کی مقدار میں فدیہ ادا کرتا رہے اور یہی حکم ہر اس روزہ کے متعلق ہے جو خود اصل اور مقصود ہے جیسے قضاء رمضان نذر اور کفّارہ ظہار و افطار کے روزے اور کفّارہ قسم یا کفارہ قتل کے روزوں کی ادائیگی سے عاجز ہو تو فدیہ نہیں دے سکتا کہ یہ روزے خود مقصود نہیں بلکہ دوسری چیز کا بدل ہیں اور فدیہ چاہے رمضان شروع ہوتے ہی اکٹھا دے دے چاہے بعد میں ادا کرے اور ایک روزہ کا فدیہ ایک

---

[1] مگر بلا عذر روزہ ضائع کرنے کا گناہ اس وصیت سے ساقط نہ ہوگا بلکہ اس کے لئے توبہ و استغفار ضروری ہے۔ نیز ایام رمضان میں جو روزہ رکھنے کی فضیلت تھی اس کا حصول بھی اب ممکن نہیں، چنانچہ حدیث میں ہے جس شخص نے ایک روزہ بھی بلا عذر ضائع کر دیا تو اس کی تلافی نہیں کر سکتا اگرچہ عمر بھر روزے رکھ لے من افطر یومًا من رمضان من غیر رخصة ولا مرض لم یقض عنه صوم الدهر كله (احمد، دارمی، ابو داؤد)

مسکین کے بجائے کئی مساکین میں تقسیم کر دے تب بھی جائز ہے۔

اور فدیہ ادا کرنے کے بعد اگر روزہ رکھنے کی طاقت آگئی تو روزے رکھنا ضروری ہے اور وہ فدیہ نفل صدقہ بن گیا اور تنگدستی کے سبب، فدیہ دینے سے بھی عاجز ہو تو توبہ و استغفار کرے۔

(عالمگیریہ ص ۲۰۷ ج ۲ ردالمحتار ص ۴۲۷ ج ۲ مع التحریر المختار)

راجح قول کے مطابق صدقۃ الفطر کی طرح متعدد روزوں کا فدیہ بھی ایک مسکین کو دیا جاسکتا ہے۔ (کذا فی احسن الفتاوی ص ۴۳۸ ج ۴)

لیکن احتیاط یہ ہے کہ نہ دے گو کہ دینے کی گنجائش ہے۔

(کذا فی امداد الفتاویٰ ص ۱۵۱ ج ۲)

(۵۶) نفل روزہ قصداً شروع کیا تو پورا کرنا واجب ہے اگر توڑ دیا یا بلا قصد ٹوٹ گیا مثلاً روزہ میں حیض آگیا تو قضا رکھنا واجب ہے۔ اور نفل روزہ بلا قصد رکھ لیا مثلاً یہ گمان کر کے روزہ رکھا کہ میرے ذمہ قضا یا کفارہ کا روزہ ہے لیکن رکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ ذمہ میں نہیں ہے تو یہ نفل ہے اب اگر علم ہوتے ہی (کہ میرے ذمہ نہیں) فوری توڑ دیا تو کچھ نہیں، اگر ذرا سا وقفہ کیا تو اس کا پورا کرنا واجب ہو گیا، اب توڑا تو اس کی قضا واجب ہو گی، نفلی روزہ بلا عذر توڑنا جائز نہیں، اگر مہمان کو اصرار ہو کہ میزبان میرے ساتھ کھائے یا میزبان مہمان سے اصرار کرے تو یہ بھی عذر ہے، اس صورت میں روزہ توڑنا جائز ہے بشرطیکہ اپنے اوپر بھروسہ ہو کہ بعد میں اس کی قضا رکھ لوں گا اور یہ کہ نصف النہار سے پہلے پہلے ہو، نصف النہار کے بعد صرف والدین کی خاطر توڑ سکتا ہے وہ بھی عصر تک، عصر کے بعد کسی کے لئے توڑنا جائز نہیں۔ اور عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر نفل منت اور قسم کے روزے نہیں رکھ سکتی، خاوند چاہے

توروزہ تڑوا سکتا ہے، بلکہ اس کی ناراضی کا اندیشہ ہو تو خود بھی توڑ سکتی ہے پھر ان کی قضاء رکھنے کے لئے بھی خاوند کی اجازت ضروری ہے اگر وہ اجازت نہ دے تو طلاق بائن یا موت کے سبب کبھی دونوں میں جدائی ہو تو رکھ لے۔ ہاں اگر اس کے روزہ رکھنے سے خاوند کا کوئی ضرر نہ ہو، مثلاً خاوند بیمار ہے یا سفر میں ہے یا حج یا عمرے کا احرام باندھے ہوئے ہے تو اسے بیوی کو نفل روزہ سے روکنے کا حق نہیں، اگر روک دے تب بھی بیوی روزہ رکھ سکتی ہے، لیکن بعض علماء کے نزدیک ہر حال میں شوہر کو روکنے کا حق ہے۔

نوکر، مزدور اگر نفل روزہ رکھ کر سست پڑ جائے اور کام پورا نہ کر سکے تو نفل روزہ کے لئے مالک سے اجازت لینا ضروری ہے اور کام پورا کر دے تو اجازت لینا ضروری نہیں، والدین اگر بیماری کا اندیشہ کرتے ہوئے اولاد کو نفل روزہ سے منع کر دیں تو اولاد کے لئے اولیٰ و افضل یہ ہے کہ ان کی اطاعت کرے۔

(البحر الرائق ص ۲۸۷ ج ۲ - رد المحتار ص ۴۲۸ ج ۲)

مسائلِ متفرقہ

(۵۷) نیت روزہ کی ہو یا کسی اور عبادت کی، اس کا تعلق دل سے ہے، زبان سے کہنا کچھ ضروری نہیں واما النیة نعمل القلب لا تعلق لها باللسان (الجوهرة النيرة ص ۱۷۵ ج ۱) کوئی شخص اطمینان کے لئے عربی یا اپنی زبان میں الفاظ بھی کہہ دے تو مضائقہ نہیں لیکن کسی مخصوص دعاء کو سنت سمجھنا بدعت ہے۔ بعض کتابوں میں روزہ رکھنے کی یہ دعاء لکھی ہے: بصوم غدٍ نویتُ من شهر رمضان یہ الفاظ بلکہ روزہ رکھنے کی کوئی دعا بھی حدیث سے ثابت نہیں والشرط فيها ان يعلم بقلبه ای صوم يصومه (قوله والسنة) ای سنة المشائخ

لا النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعدم ورود النطق بھا عنہ۔ (رد المحتار ص۳۸۰ ج۲)
البتہ افطار کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی دعائیں پڑھنا ثابت ہے، معروف دعا یہ ہے: ذھب الظمأ وابتلّت العروق وثبت الاجر ان شاء اللہ

(ابوداود۔ حاکم وغیرھا)

(۵۸) افطار میں تاخیر کرنا مکروہ ہے، احادیث میں جلد افطار کرنے کی بہت تاکید وارد ہوئی ہے، لیکن اس میں اتنی احتیاط برتنا ضروری ہے کہ غروب کا یقین ہوجائے بعض مقامات پر سائرن بہت جلدی بجا دیا جاتا ہے جب کہ غروب آفتاب کا پورا یقین نہیں ہوتا، اسی طرح بعض مؤذن بھی اذان وقت سے پہلے شروع کردیتے ہیں، ایسے موقع پر افطار کرنا جائز نہیں۔ اگر کسی نے افطار کرلیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ ابھی غروب نہیں ہوا تھا تو اس پر روزہ کی قضا واجب ہے جب کہ اسے غروب کا ظن غالب ہو اگر غروب میں شک تھا اور افطار کرلیا تو کئی فقہاء کے نزدیک کفارہ بھی واجب ہے

(قاضی خان علی ھامش الہندیہ ص ۲۱۴ ج ۱ وغیرہ)

(۵۹) جو شخص ہوائی جہاز کے ذریعے مغرب کی سمت جارہا ہو اور سورج غروب نہیں ہو رہا تو وہ انتظار کرے۔ اگر طلوعِ فجر سے لے کر چوبیس گھنٹے کے اندر غروب ہوجائے تو غروب کے بعد افطار کرے۔ ورنہ چوبیس گھنٹے پورے ہونے سے اتنا وقت پہلے کہ اس میں بقدرِ ضرورت کھا پی سکتا ہو افطار کرلے جو شخص مشرق جارہا ہے وہ روزہ غروب کے بعد افطار کرے۔ (رد المحتار ص ۳۶۶ ج ۱، احسن الفتاوٰی ص ۴۷۰)

(۶۰) مکہ مکرمہ میں پاکستان سے ایک یا دو روز پہلے چاند دکھائی دیتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص رمضان میں مکہ مکرمہ سے پاکستان آیا اور پاکستان میں انتیس کی شام کو چاند نظر نہ آیا تو یہ اہلِ پاکستان کے ساتھ اکتیسواں روزہ بھی رکھے۔ اور انہی کے ساتھ عید کرے اور اس کے برعکس پاکستانی اگر مکہ مکرمہ گیا تو وہ بھی اہلِ مکہ کے ساتھ عید کرے اور چھوٹے ہوئے

روزہ کی قضاء رکھے۔ (ردالمحتار ص ۳۸۴ ج ۲- احسن الفتاویٰ ص ۴۳۳ ج ۴)

(۶۱) اگر کسی کا ایک روزہ چھوٹ گیا تو اس کی قضاء رکھتے وقت تعیین ضروری نہیں کہ فلاں تاریخ اور فلاں دن کا روزہ رکھتا ہوں اور ایک ہی رمضان کے متعدد روزے ہوں تب بھی ہر ایک کی تعیین ضروری نہیں تاہم اگر کرلے کہ یہ پہلے روزہ کی قضاء رکھتا ہوں یہ دوسرے کی ..... تو بہتر ہے۔ اور متعدد رمضانوں کے روزے ہوں تو ہر رمضان کے روزوں کی الگ الگ تعیین ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اگر بلا تعیین رکھ لئے تب بھی ادا ہوجائیں گے مگر احتیاط یہ ہے کہ متعین کرلے کہ مثلاً یہ فلاں رمضان کے پہلے روزے کی قضاء ہے یہ دوسرے کی یہ ....

(ردالمحتار ص ۳۴۰ ج ۶ وغیرہ)

(۶۲) کوئی معذور یا مریض آدمی گذشتہ سالوں کا فدیہ ادا کرنا چاہے اور فدیہ میں غلہ کے بجائے غلہ کی قیمت دینا چاہے تو وہ قیمت دے جو ادائیگی کے وقت ہے نہ کہ وقتِ وجوبِ فدیہ کی، اس لئے کہ فدیہ میں اصل واجب خود گیہوں ہے، قیمت اس کے قائم مقام ہے اس لئے بہرصورت وقت اداء کے نرخ کا اعتبار ہے

کذا فی احسن الفتاویٰ ص ۴۴۱ ج ۴)

(۶۳) جن صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور کفارہ واجب نہیں ہوتا (جیسے مٹی، کنکر کھانا یا تھوک نکال کر چاٹ لینا) ان میں شرط ہے کہ غلطی ایک ہی بار صادر ہوئی ہو اگر معصیت اور سرکشی کے قصد سے دوسری بار یہ غلطی دہرائی تو کفارہ بھی واجب ہوگا۔ (البحر الرائق ص ۲۷۵ ج ۲، ردالمحتار ص ۴۰۲ ج ۲)

(۶۴) جو شخص کسی عذرِ شرعی کے بغیر روزہ نہ رکھے یا رکھ کر توڑ دے پھر سرِعام کھائے پیئے تو وہ واجب القتل ہے اس لئے کہ یہ دین کا مذاق اڑاتا ہے یا دین کے ایک بنیادی حکم کا منکر ہے، یقتل لانہ مستھزئ بالدین او منکر لما ثبت منہ

بالضرورة ولاخلاف فی حل قتله والامر به

(ردالمحتار ص ۴۱۴ ج ۲ وغیرہ)

لیکن اسے قتل کرنا حکومت کا فرض ہے، کسی عام آدمی کے لئے ایسا اقدام جائز نہیں، البتہ عوام پر ضروری ہے کہ ایسے شخص سے مقاطعہ کرکے اس سے تعلقات منقطع کردیں تاوقتیکہ وہ اس کبیرہ سے علانیہ توبہ نہ کرلے۔

(۶۵) بچہ اگر دس سال کا ہوجائے اور اس کی قوت وصحت ایسی ہو کہ روزہ بآسانی رکھ سکے تو اس کے سرپرست پر (خواہ والد ہو یا استاذ یا کوئی اور) ضروری ہے کہ اس سے روزہ رکھوائے، نہ رکھے تو مار کر رکھوائے، اگر پورا مہینہ نہ رکھ سکے تو جتنے روزے آسانی سے رکھ سکے اتنے رکھوائے جائیں۔ اگر روزہ رکھ کر توڑ دے تو اس پر قضاء نہیں لیکن نماز توڑ دے تو دوبارہ پڑھوائی جائے۔

(ردالمحتار ص ۴۰۹ ج ۲ وغیرہ)

اعتکاف

(۶۶) اعتکاف کہتے ہیں عبادت کی نیت سے مسجد میں ٹھہرنے کو، صحتِ اعتکاف کے لئے درج ذیل شرائط کا وجود ضروری ہے۔

(۱) مسلمان ہونا، کافر کا اعتکاف نہیں۔

(۲) عاقل ہونا، مجنوں آدمی کا اعتکاف نہیں۔ بالغ ہونا شرط نہیں اس لئے نابالغ سمجھدار بچہ بھی اعتکاف میں بیٹھ سکتا ہے۔

(۳) جنابت اور حیض ونفاس سے پاک ہونا، ناپاک آدمی کا مسجد میں داخلہ ممنوع ہے۔

(۴) اعتکاف کی نیت کرنا، بلا نیت مسجد میں بیٹھنے سے اعتکاف نہ ہوگا۔

(۵) ایسی مسجد میں اعتکاف بیٹھنا جس میں اذان واقامت کے ساتھ پانچوں وقت

نماز باجماعت ادا کی جاتی ہو۔[1]

(۶) سنت اور واجب اعتکاف میں روزہ سے ہونا۔

(عالمگیریہ ص ۲۱۴ ج ۱ مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص ۳۸۱)

(۶۷) اعتکاف کی تین قسمیں ہیں:

(۱) **واجب**: جس کی منت مان لی جائے خواہ منت کسی شرط پر موقوف ہو، مثلاً میرا فلاں کام ہوگیا تو اتنے دن کا اعتکاف کروں گا۔ یا منت کسی شرط کے بغیر ہو مثلاً اللہ تعالیٰ کے لئے اتنے دنوں کا اعتکاف میرے ذمہ ہے، منت کا اعتکاف اس صورت میں واجب ہوتا ہے کہ زبان سے الفاظ ادا کرکے اپنے ذمہ واجب کرے۔ صرف دل میں نیت کرنے سے منت نہیں ہوتی

(۲) **مسنون**: رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔

(۳) ان دو قسموں کے سوا جو اعتکاف کیا جائے وہ مستحب ہے۔

(رد المحتار ص ۴۴۱ ج ۲، عامۃ الکتب)

رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف شہر کے ہر محلہ کے حق میں سنت علی الکفایہ ہے۔ یعنی ہر محلہ کی مسجد میں ایک آدمی اعتکاف بیٹھے ورنہ پورا محلہ تارکِ سنت ہوگا۔ (کذا فی احسن الفتاویٰ ص ۵۰۸ ج ۴)

---

[1] علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو راجح قرار دیا ہے کہ صحتِ اعتکاف کے لئے مسجدِ جماعت شرط نہیں، ہر مسجد میں اعتکاف صحیح ہے۔ قال فی الدر: وقالا یصح فی کل مسجد وصححہ السروجی (قولہ وصححہ السروجی) وھو اختیار الطحاوی قال الخیر الرملی وھو ایسر خصوصًا فی زماننا فینبغی ان یعول علیہ (رد المحتار ص ۴۴۳ ج ۲

اعتکاف کے لئے سب سے افضل جگہ مسجد حرام ہے، اس کے بعد مسجدِ نبوی، پھر مسجدِ اقصٰی (بیت المقدس) بشرطیکہ اس میں پانچوں وقت جماعت ہوتی ہو ورنہ اپنے محلہ کی مسجد افضل ہے۔ پھر بڑی مسجد جس میں نمازی زیادہ آتے ہوں

(فتح القدیر ص ۳۰۸ ج ۲ وغیرہ)

(۶۸) اعتکافِ واجب کے لئے چونکہ روزہ شرط ہے اس لئے اگر کسی نے ایک ماہ کے اعتکاف کی منت مانی اور کہا کہ روزہ نہ رکھوں گا تب بھی اعتکاف کے ساتھ روزہ رکھنا واجب ہوگا۔ اگر صرف رات کے اعتکاف کی منت مانی تو منت صحیح نہیں کہ رات میں روزہ ممکن نہیں اور اگر دن میں کھانا کھانے کے بعد منت مانی کہ آج کا دن اعتکاف بیٹھوں گا تب بھی منت صحیح نہیں اس لئے کہ روزہ کی شرط نہ پائی گئی۔ (عالمگیریہ ص ۲۱۱ ج ۱، ردالمحتار ۴۴۲ ج ۲)

(۶۹) اعتکافِ واجب میں روزہ سے ہونا ضروری ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ خاص اعتکاف کے لئے ہی وہ روزہ رکھا ہو۔ مثلاً منت مانی کہ اس رمضان کا پورا مہینہ اعتکاف بیٹھوں گا تو اس اعتکاف کے لئے رمضان کے روزے ہی کافی ہیں۔ لیکن اگر رمضان کے روزے رکھ لئے اور اعتکاف نہ بیٹھا تو اب ضروری ہے کہ ایک ماہ کے مستقل متواتر روزے رکھے اور ساتھ اعتکاف بیٹھے، اگر اس میں تاخیر کی حتی کہ دوسرا رمضان آگیا تو اس رمضان کے روزے اس اعتکاف کے لئے (جس کی منت مان رکھی ہے) کافی نہ ہوں گے۔

اسی طرح اگر کسی اور واجب کے روزے رکھے تو ان کے ساتھ بھی یہ اعتکاف ادا نہ ہوگا بلکہ مستقل روزے رکھنا ضروری ہیں۔ ہاں اگر رمضان کے اعتکاف کی منت ماننے کے بعد نہ رمضان کے روزے رکھے نہ اعتکاف بیٹھا تو قضاء روزوں کے ساتھ اعتکاف بیٹھ سکتا ہے۔ اگر رمضان کی تخصیص کئے بغیر

ایک ماہ کے اعتکاف کی منت مانی تو اس کے لئے بھی مستقل روزے رکھنا ضروری ہے۔ پس رمضان کے ادا یا قضا ء یا دوسرے واجب روزوں کے ساتھ یہ اعتکاف صحیح نہ ہوگا۔ (عالمگیریہ ص ۲۱۱ ج ۱ ردالمحتار ص ۴۴۳ ج ۲)

(۷۰) کسی نے ایک دن کے اعتکاف کی منت مانی تو صرف دن کا اعتکاف واجب ہوگا، یعنی صبح صادق سے پہلے آکر مسجد میں بیٹھ جائے اور غروبِ آفتاب کے بعد اُٹھ جائے۔ اگر دن بول کر رات مراد لیا تو دونوں کا اعتکاف واجب ہوگا یعنی غروب آفتاب سے پہلے بیٹھے اور دوسرے دن غروب آفتاب کے بعد اٹھ جائے۔ اگر ایک رات کے اعتکاف کی منت مانی تو یہ منت صحیح نہیں اس صورت میں کچھ واجب نہ ہوگا اور رات بول کر دن مراد لیا تو ایک دن کا اعتکاف واجب ہوگا۔ اگر دو یا تین یا اس سے زائد دنوں کی منت مانی تو اتنے دنوں کے ساتھ ان کی راتوں کا اعتکاف بھی واجب ہوگا۔

اسی طرح دو یا تین راتوں کی منت مانی تب بھی اتنے دن اور اتنی راتوں کا اعتکاف واجب ہوگا۔ اگر دو یا تین یا زائد دنوں کی منت مان کر صرف دن ہی مراد لئے تو اتنے دنوں کا اعتکاف واجب ہوگا (راتوں کا نہ ہوگا)۔ اور دو یا تین یا زائد دنوں کی منت مان کر صرف راتوں کی نیت کی تو کچھ واجب نہ ہوگا، اگر دو یا تین یا زائد دنوں کی منت مان کر صرف راتوں کی نیت کی تو اتنے ہی دنوں اور راتوں کا اعتکاف واجب ہوگا۔ اگر دو یا تین یا زائد راتوں کی منت مان کر صرف دن مراد لئے تو صرف دنوں کا اعتکاف واجب ہوگا۔

(البحرالرائق ص ۳۰۴ ج ۲ ردالمحتار ص ۴۵۱ ج ۲)

(۷۱) منت کی جن صورتوں میں صرف دنوں کا اعتکاف واجب ہوتا ہے۔ ان میں چاہے تو لگاتار تمام دنوں کا اعتکاف کرے اور چاہے تو متفرق دنوں میں

کرے دونوں طرح اختیار ہے۔

اور جن صورتوں میں راتوں اور دنوں کا اعتکاف واجب ہوتا ہے ان میں پورا اعتکاف لگاتار بیٹھنا ضروری ہے۔

اگر ایک متعین مہینہ کے اعتکاف کی منت مانی مثلاً یوں کہا کہ ماہِ رجب کا اعتکاف بیٹھوں گا یا متعین کئے بغیر یوں کہا کہ ایک مہینہ اعتکاف بیٹھوں گا یا یہ کہا کہ تیس دن اعتکاف بیٹھوں گا تو تینوں صورتوں میں لگاتار اعتکاف بیٹھنا ضروری ہے۔

اگر عید کے دن کے اعتکاف کی منت مانی تو عید کے دن اسے پورا کرنا جائز نہیں کسی اور دن اس کی قضاء کرلے، تاہم اگر عید کے دن ہی اعتکاف بیٹھ گیا تو منت پوری ہوگئی مگر گنہگار ہوا۔

اگر کسی مخصوص دن یا متعین مہینہ کے اعتکاف کی منت مانی پھر اس سے پہلے ہی اعتکاف کرلیا یا مسجدِ حرام میں اعتکاف بیٹھنے کی منت مانی پھر کسی دوسری مسجد میں بیٹھ گیا تو جائز ہے۔ (البحرالرائق ص ۲۰۶ ج ۲ عالمگیریہ ص ۲۱۴ ج ۱)

(۷۲) اگر متعین مہینہ کے اعتکاف کی منت مانی پھر لگاتار اعتکاف بیٹھنے کے بجائے درمیان میں توڑ دیا تو نئے سرے سے اعتکاف بیٹھنا واجب نہیں صرف بقیہ دنوں کا اعتکاف کرلے لیکن اگر یہ متعین مہینہ پورا گذر گیا اور اس میں اعتکاف نہ بیٹھا تو اب اس کی قضا میں لگاتار مہینہ بیٹھنا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر غیر متعین مہینہ کی منت مان کر درمیان میں اعتکاف توڑ دیا تب بھی نئے سرے سے لگاتار پورے مہینہ کا اعتکاف کرنا ضروری ہے۔ خواہ کسی عذر سے اعتکاف توڑا ہو یا بلا عذر۔

اگر ایک مہینہ کے اعتکاف کی منت مانی پھر اعتکاف میں بیٹھنے سے پہلے

یا دورانِ اعتکاف مرتد ہوگیا تو اسلام لانے کے بعد اس کی قضاء واجب نہیں۔ اگر متعین مہینہ کے اعتکاف کی منت مانی اور اس مہینہ میں اعتکاف نہ کیا پھر قدرت رکھنے کے باوجود اس کی قضاء بھی نہ کی حتیٰ کہ آخری وقت آن پہنچا اور زندگی سے مایوس ہوگیا تو ہر دن کے بدلے ایک مسکین کے کھانے کی وصیت کرجانا واجب ہے، اور یہ روزوں کا فدیہ ہوگا (جو اعتکاف کے سبب واجب ہوئے تھے) نہ کہ اعتکاف کا۔

اگر قضاء کر دینے کے بعد چند دن کی مہلت پائی تب بھی پورے مہینہ کے فدیہ کی وصیت کرنا واجب ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ منت مانتے وقت تندرست ہو اگر منت بیماری میں مانی اور تندرست ہونے سے پہلے دنیا سے رخصت ہوگیا تو اس کے ذمہ کچھ نہیں۔ لیکن اگر ایک دن کے لئے بھی تندرست ہوگیا تو پورے مہینہ کے فدیہ کی وصیت کرنا واجب ہے۔

اور متعین کئے بغیر ایک ماہ کے اعتکاف کی منت مانی تو اس میں قضاء ہونے کا اندیشہ نہیں زندگی میں جب بھی اس کو پورا کرے ادا ہی ہوگا لیکن آخر عمر تک بھی یہ اعتکاف نہ کیا تو آخری وقت فدیہ کی وصیت کرنا واجب ہے۔

اگر وصیت کئے بغیر مرگیا تو اس کے ترکہ میں سے فدیہ نہ نکالا جائے گا، نہ ہی وارثوں کے ذمہ فدیہ نکالنا ضروری ہوگا ہاں اگر وارث بخوشی چاہیں تو تبرعاً فدیہ نکال دیں (بدائع الصنائع ص ۱۱۷ ج ۲)

(۲۳) مسنون اعتکاف میں بیٹھنے کے لئے ضروری ہے کہ ۲۰ رمضان کو غروب آفتاب سے پہلے پہلے مسجد میں داخل ہوجائے اور اعتکاف کی نیت بھی غروب سے پہلے کرلے، خواہ مسجد میں داخل ہوتے ہوئے کرے یا داخل ہونے کے بعد کرے۔

اگر غروب کے بعد مسجد میں داخل ہوا یا مسجد میں پہلے سے موجود تھا مگر نیت غروب کے بعد کی تو یہ اعتکاف مسنون نہ ہوگا مستحب ہو جائے گا۔ اس لئے کہ پورے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف نہ ہوا۔

(کذا فی امداد الفتاویٰ ص ۱۵۴ ج ۲ جواہر الفقہ ص ۳۸۲ ج ۱)

(۷۴) اگر اعتکاف کی منت مانتے ہوئے یا نیت کرتے ہوئے کسی خاص کام یا مخصوص جگہ کو اعتکاف سے مستثنیٰ کر لیا مثلاً یوں کہا کہ اتنے دن اعتکاف میں بیٹھنے کی منت مانتا ہوں مگر اس شرط سے کہ دورانِ اعتکاف فلاں بیمار کی بیمار پرسی کے لئے جاتا رہوں گا یا کوئی نماز جنازہ ہوئی تو اس کے لئے نکل جاؤں گا یا فلاں عالم کے درس میں حاضری کے لئے نکلتا رہوں گا تو یہ استثناء جائز ہے اور خاص ان استثنائی صورتوں میں مسجد سے نکلنے سے اعتکاف نہ ٹوٹے گا۔

(عالمگیریہ ص ۲۱۳ ردالمحتار ص ۴۴۸ ج ۲)

(۷۵) اعتکاف میں بیٹھنے والے کے لئے درج ذیل کام مستحب ہیں:

(۱) لایعنی باتوں سے اپنے کو بچائے زبان سے صرف کلمۂ خیر نکالے۔

(۲) رمضان کے عشرہ اخیرہ کے اعتکاف کا اہتمام کرے اور کسی ایسی مسجد میں اعتکاف بیٹھنے کا اہتمام کرے جس میں اجر زیادہ ہو جیسے مسجدِ حرام، جامع مسجد۔

(۳) قرآن مجید کی تلاوت کثرت سے کرے نیز مطالعہ حدیث اور مذاکرہ علم، (بالخصوص مستند دینی کتب کی تعلیم وتدریس کا التزام کرے۔

(۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ، حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاکیزہ حالات اور سلف صالحین کے واقعات وملفوظات کا مطالعہ کرے۔

(۵) اس اثناء میں مسائلِ دینیہ (حضرات اہل یا مستند کتب کی مدد سے) سیکھنے پر خصوصی توجہ دے (عالمگیریہ ص ۲۱۲ ج ۱۔ ردالمحتار ص ۴۵۰ ج ۲)

علاوہ ازیں نفل نمازوں (یعنی تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد، اشراق، چاشت، اوّابین اور تہجد) کی حتی الامکان پابندی رکھے، صلوٰۃ التسبیح ہو سکے تو روزانہ پڑھے ورنہ جس حد تک ممکن ہو، تمام اذکارِ مسنونہ پابندی سے پڑھے۔ درود شریف، کلمہ طیبہ اور استغفار کی کثرت کرے۔ شبِ قدر کی پانچوں راتوں میں ممکن ہو تو رات بھر بیدار رہے اور انہیں مختلف قسم کی عبادات میں بسر کرے، نوافل اور ذکر و تلاوت کے علاوہ دعاء کی کثرت کرے۔ جہاں اپنے لئے دعاء کرے وہاں اپنے والدین، اعزہ و احباب، ملک و ملّت بلکہ پوری امت کے حق میں دعا کرے۔ اور شبِ قدر کی راتوں میں یہ دعا بھی اہتمام و توجہ سے کرے اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔ (اے اللہ! بے شک آپ معاف کرنے والے ہیں معافی کو پسند کرتے ہیں پس مجھے بھی معاف کر دیجئے) کما رواہ الترمذی و احمد و ابن ماجہ

مُباحات

درج ذیل کام صرف معتکف کے لئے مباح (جائز) ہیں۔

(۷۶) مسجد ہی میں کھائے پیئے، لیٹے اور آرام کرے (ھدایہ ص ۲۲ ج ۱)
نفل اعتکاف بیٹھنے والے کے لئے بھی یہ کام بلاکراہت مسجد میں جائز ہیں۔
(ردالمحتار ص ۴۴۸ ج ۲)

اور گھر سے کوئی کھانا لانے والا نہ ہو تو ایسی مجبوری میں معتکف خود جاکر کھانا لا سکتا ہے مگر وقت سے پہلے نکلنا جائز نہیں اس لئے غروبِ آفتاب کے بعد جائے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ کھانا لے کر فوراً واپس آجائے اور مسجد میں

کھائے (البحرالرائق ص ۳۰۳ کفایت المفتی ص ۲۲۳ ج ۴)

اگر گھر جانے پر معلوم ہوا کہ کھانے کی تیاری میں معمولی دیر ہے مثلاً سالن کو بگھار لگ رہا ہے تو اس کا انتظار کرلینا بھی جائز ہے (احسن الفتاویٰ ص ۵۱۷ ج ۴)

(۷۷) اپنی یا بیوی بچوں کی ضرورت سے مسجد میں کسی چیز کی خرید و فروخت کرنا جائز ہے مگر سودا سلف مسجد میں رکھنا جائز نہیں ہاں اگر ایسی ہلکی پھلکی چیز ہو جو مسجد میں جگہ نہ گھیرے تو اسے لانے کی گنجائش ہے۔ اور جو چیز اپنی یا اہل وعیال کی ضرورت کی نہ ہو یا بہ نیتِ تجارت اس کی خرید و فروخت کی جائے تو یہ خرید و فروخت ناجائز ہے گو کہ صرف زبانی ہی ہو۔ (ردالمحتار ص ۴۴۸ ج ۲ وغیرہ)

نکاح کرنا اور بیوی کو اگر طلاق رجعی دے رکھی ہے تو اس سے زبانی رجوع کرنا بھی جائز ہے (حوالہ بالا)

(۷۸) لباس تبدیل کرنا، خوشبو استعمال کرنا اور تیل لگانا جائز ہے۔ (بدائع الصنائع ص ۱۱۶ ج ۱)

مگر تیل لگانے کے بعد یہ احتیاط ضروری ہے کہ مسجد کی چٹائی، دری یا اور کوئی بھی چیز آلودہ نہ ہو۔ (حوالہ بالا)

بقدرِ ضرورت مباح قسم کی باتیں کرنا درست ہے۔ یا بالکل خاموش رہنا بھی جب کہ اسے ثواب و قربت نہ سمجھے۔ (ردالمحتار ص ۴۴۹ ج ۲)

اور گفتگو کرنے میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ کسی دوسرے معتکف یا نمازی کی راحت و عبادت میں خلل نہ آئے، ورنہ یہ گفتگو ناجائز ہوگی۔

سر مسجد سے باہر نکال کر بال اور داڑھی وغیرہ دھونا بھی جائز ہے خواہ خود دھوئے یا کسی سے دھلوائے، اسی طرح مستعمل پانی کے لئے کوئی بڑا برتن رکھ کر ہاتھ منہ یا سر مسجد میں دھونا چاہے بلکہ وضو بھی کرنا چاہے تو مضائقہ نہیں، بشرطیکہ

پانی مسجد میں گرنے نہ پائے۔ (البحر الرائق ص ۳۰۳ ج ۲)

(۷۹) اذان دینے کی جگہ (مثلاً منارہ، حجرہ وغیرہ) اگر حدودِ مسجد کے اندر ہے تو معتکف کو اس میں جاکر اذان دینا بلا کراہت جائز ہے بلکہ اذان کے علاوہ کسی دوسرے مقصد سے وہاں جانا چاہے تب بھی مضائقہ نہیں۔ اور اگر یہ جگہ مسجد سے باہر ہے لیکن اس میں جانے کا دروازہ مسجد کے اندر سے ہے تو اس میں بھی اذان یا کسی دوسرے مقصد سے جانا جائز ہے مگر احتیاط اس میں ہے کہ اذان کے سوا کسی دوسرے کام کے لئے اس میں نہ جائے۔

اور اگر یہ منارہ، حجرہ وغیرہ حدودِ مسجد سے باہر ہے اور جانے کا راستہ بھی مسجد سے باہر ہے تو معتکف اس میں صرف اذان دینے کے لئے جاسکتا ہے اور ان تینوں صورتوں میں یہ معتکف مؤذن ہو (یعنی اذان دینا اس کی ذمہ داری ہو) یا غیر مؤذن! دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ (ردالمحتار ص ۴۴۵ ج ۲ وغیرہ)

(۸۰) حج یا عمرے کا احرام باندھنا جائز ہے اور احرام باندھتے ہی اس کے احکام لازم ہوجائیں گے، احرام کے بعد بھی احرام پورا کرکے اٹھے۔ ہاں اگر وقت تنگ ہے کہ اعتکاف پورا کرنے کی صورت میں حج فوت ہوجائے گا تو اعتکاف چھوڑ کر حج کو چلا جائے۔ پھر واپس آکر نئے سرے سے اعتکاف کرے۔ (بدائع الصنائع ص ۱۱۷ ج ۲)

(۸۱) حاجاتِ طبعیہ کے لئے نکلنا درست ہے جیسے پیشاب پاخانہ اور غسلِ جنابت جب کہ حدودِ مسجد میں اس طور سے غسل کرنا ممکن نہ ہو کہ مستعمل پانی کا کوئی قطرہ مسجد میں گرنے نہ پائے۔ (ردالمحتار ص ۴۴۵ ج ۲)

(۸۲) کسی کو ریح کا تقاضا ہو تو مسجد کے اندر بھی خارج کرنے کی گنجائش ہے مگر زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ مسجد سے باہر نکل جانا چاہیے[1] (کذا فی امداد الفتاویٰ ص ۱۵۲ ج ۲)

---

[1] عام عبارات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس صورت میں معتکف کے لئے مسجد سے خروج جائز نہیں۔ نیز اس صورت میں اخراجِ ریح کا اظہار ہے جو طبعاً، عقلاً و شرعاً قبیح ہے (احسن الفتاویٰ ص ۵۱۶ ج ۴)

حقہ اور سگریٹ مسجد میں بیٹھ کر پینا جائز نہیں اور معتکف کے لئے مسجد سے باہر جانا بھی جائز نہیں ۔ اگر معتکف ان چیزوں کا عادی ہے تو اسے مدتِ اعتکاف میں ان چیزوں کو ترک کر دینا چاہیئے ۔ (کفایت المفتی ص ۲۳۳ ج ۴)

اگر کسی کو شدید تقاضا ہو تو وہ کسی ضرورت کے موقع پر مسجد سے نکلتے ہوئے راستہ میں یا بیت الخلاء میں بیٹھ کر سگریٹ، بیڑی، نسوار استعمال کر لے مگر اس کے بعد فوری منہ سے بدبو زائل کر دے ۔

(۸۳) حاجاتِ شرعیہ کے لئے نکلنا بھی جائز ہے مثلاً کوئی ایسی مسجد میں اعتکاف بیٹھا ہے جس میں جمعہ نہیں ہوتا تو جمعہ کے لئے نکلنا جائز ہے اور اندازہ کر کے اذانِ ثانی سے اتنی دیر پہلے نکلے کہ جامع مسجد میں پہنچ کر دو رکعت تحیۃ الوضو اور چار رکعت سنت اطمینان سے پڑھ کر اذانِ خطبہ سُن سکے ۔ اگر اندازہ کرنے میں غلطی لگ گئی اور اس سے پہلے پہنچ گیا تو بھی مضائقہ نہیں ۔ اور جمعہ کے فرضوں سے سلام پھیر کر اطمینان سے چھ رکعت سنت پڑھ کر اپنی مسجد میں واپس آجائے ۔ اگر اس سے زیادہ وقت جامع مسجد میں ٹھہر گیا یا جمعہ کے بعد نکلا ہی نہیں اور اعتکاف کے بقیہ ایام جامع مسجد ہی میں بیٹھ کر پورے کر لے تب بھی جائز ہے مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔[1]

(بدائع الصنائع ص ۱۱۴ ج ۲ ردالمحتار ص ۴۴۶ ج ۲)

نیز کسی طبعی یا شرعی ضرورت سے مسجد سے نکلا اور راہ چلتے کسی کو سلام کر لیا، بات چیت کی، کوئی بیمار مل گیا اس کی بیمار پرسی کر لی یا نماز جنازہ میں (جو پہلے سے تیار تھی) شرکت کر لی تو کوئی حرج نہیں، لیکن خاص انہی کاموں کے لئے مسجد سے نکلنا جائز نہیں ۔

(بدائع الصنائع ص ۱۱۴ ص ۲ ۔ البحر الرائق ج ۲)

(۸۴) کسی طبعی یا شرعی حاجت کے لئے نکلے تو حتی الامکان ایسی جگہ حاجت پوری کر کے

---

[1] معتکف اگر گاؤں کی مسجد میں بیٹھا ہے تو جمعہ کے لئے شہر میں آنا جائز نہیں ورنہ اعتکاف فاسد ہو جائے گا ۔ (کذافی کفایت المفتی ص ۲۳۲ ج ۴ ، فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۵ ج ۳)

لوٹے جو مسجد سے نزدیک ہو مثلاً مسجد کے بیت الخلاء اور غسل خانے نزدیک ہوں اور گھر سے دور یا کسی کے دو گھر ہیں ایک مسجد سے نزدیک ہے دوسرا مسجد سے دور، تو نزدیک جاکر ضرورت پوری کرے، البتہ نزدیک والی جگہ سے طبیعت مانوس نہ ہو یا اور کوئی رکاوٹ حائل ہو خواہ طبعی خواہ شرعی، تو دور کی جگہ جانے میں کوئی حرج نہیں۔ اور کسی حاجت کے لئے نکلنے کے بعد یہ بھی ضروری نہیں کہ تیز رفتاری سے چلے، بلکہ طبعی رفتار سے چلتے ہوئے اطمینان سے حاجت پوری کرے

(عالمگیریہ ص ۲۱۳ ج ۱، ردالمحتار ص ۴۴۵ ج ۲)

(۸۵) کوئی ضروری کام درپیش ہو تو بیوی یا کوئی محرم خاتون (ماں، بیٹی، بہن، بھتیجی وغیرہ) مسجد میں آکر معتکف سے مل سکتی ہے لیکن ضروری ہے کہ ایسے وقت آئے جب مسجد میں عام لوگ نہ ہوں اور باپردہ آئے، نیز اس موقع پر کسی دوسرے شخص کی نظر پڑ جائے تو اس کے سامنے فوری وضاحت کر دے کہ یہ میری بیوی یا محرم خاتون ہے تاکہ اس کے لئے بدگمانی کا موقع نہ رہے۔ کما قال صلی اللہ علیہ وسلم علی رسلکما انما ھی صفیۃ بنت الحی۔ (رواہ البخاری)

(۸۶) یہ کام بھی جائز ہیں۔ جگہ تبدیل کرنا، یعنی مسجد میں ایک جگہ اعتکاف بیٹھنے کے بعد اٹھ کر دوسری جگہ بیٹھ جانا (کذافی فتاویٰ دارالعلوم ص ۵۰۲ ج ۶)

بوقت ضرورت مسجد میں ٹہلنا (احسن الفتاویٰ ص ۵۱۱ ج ۴)

مریض کا حال سن کر یا معائنہ کرکے اسے دوا وعلاج بتانا اور نسخہ لکھ دینا۔

(کذافی فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۷۸ دارالعلوم ص ۵۰۲ ج ۶)

اپنی حجامت خود بنانا، اور حجام سے بنوانے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ بدون عوض کام کرتا ہے تو مسجد کے اندر جائز ہے اور اگر بالعوض ہے تو معتکف مسجد کے اندر رہے مگر حجام مسجد سے باہر بیٹھ کر حجامت بنائے، مسجد کے اندر اجرت سے کام کرنا جائز نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ص ۵۱۶ ج ۴)

بوقت ضرورت اپنے کپڑے دھونا اور سینا (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۴ ج ۳)
مگر اس میں احتیاط ضروری ہے کہ پانی مسجد میں گرنے نہ پائے علاوہ بریں جتنے کام
اعتکاف کے لئے مفسد یا مکروہ نہیں اور فی نفسہٖ مباح ہیں وہ اعتکاف میں بھی جائز
ہیں۔

مکروہات

دورانِ اعتکاف بیوی سے صحبت کرنا، شہوت سے چھونا، اس سے بوس وکنار
یا اس نوع کی گفتگو کرنا حرام ہے (ھدایہ ص ۲۱۱ ج ۱ و عامۃ الکتب)
اور یہ کام مکروہ ہیں: اُجرت لے کر تعلیم دینا، خواہ دینی ہو یا دنیوی۔ یا
اجرت پر کوئی اور عمل کرنا، البتہ جو شخص مسجد کا پہرے دار اور محافظ ہو اس کے لئے
اجرت پر تعلیم کی گنجائش ہے (البحر الرائق ص ۳۰۳ ج ۲) بالکل خاموشی اختیار
کرلینا، جب کہ اسے عبادت تصور کرے اور زبان کے گناہوں سے بچنے کے
لئے خاموش رہے تو یہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ (قدوری مع جوھرہ ص ۱۹۰ ج ۱)
سامان مسجد میں لاکر فروخت کرنا یا بلا ضرورت صرف تجارت اور مال بڑھانے
کے لئے خرید و فروخت کرنا (ھدایہ مع فتح القدیر ص ۳۱۲ ج ۲)
جو باتیں اعتکاف سے باہر حرام یا مکروہ ہیں جیسے گالم گلوچ، فضول گفتگو،
غیبت و عیب جوئی و ریاکاری، کسی بدبودار چیز کا استعمال، دورانِ اعتکاف
ان کی حرمت و کراہت اور بڑھ جاتی ہے۔ ایسا اخبار یا رسالہ دیکھنے میں مضائقہ
نہیں جو جاندار کی تصویر سے پاک ہو اور اس کے مضامین بھی درست ہوں لیکن
اخبار کا کوئی صفحہ بھی عموماً تصاویر اور جھوٹی خبروں سے پاک نہیں ہوتا اس لئے اسے
مسجد میں لانا کراہت سے خالی نہیں، بالخصوص اگر معتکف دینی مقتدا ہے تو عوام
اس کے عمل سے غلط استدلال کریں گے۔

مفسدات

(۸۸) طبعی اور شرعی حاجات (جن کی تفصیل اور پر مباحات کے ذیل میں گذر چکی)

کے سوا کسی بھی سبب سے مسجد سے باہر نکلنا اعتکاف کو توڑ دیتا ہے (عامۃ الکتب) یہ نکلنا خواہ لمحہ بھر کے لئے ہی ہو اور جان کر ہو یا بھول کر، خوشی سے ہو یا مجبوری سے۔ البتہ مجبوری سے اعتکاف توڑا تو گناہ نہ ہوگا، مثلاً بیماری کے عذر سے نکلا یا مسجد گرنے لگی تھی اس لئے نکل گیا یا جبراً کسی نے مسجد سے نکال دیا[1] یا پیشاب پاخانہ کے لئے نکلا تھا مگر قرض خواہ نے پکڑ کر روک لیا یا جنازہ کے لئے نکلا یا اپنا سامان تلف ہونے کا اندیشہ تھا اس لئے نکل گیا یا اعتکاف یاد نہ رہا اور بھول کر نکل گیا تو ان تمام صورتوں میں نکلنے پر کوئی گناہ نہیں گو کہ اعتکاف ٹوٹ جائے گا بلکہ بعض صورتوں میں اعتکاف توڑ دینا واجب ہے، مثلاً کوئی انسان ڈوب رہا ہے یا جل رہا ہے، اسے بچانے کے لئے! یا جنازہ تیار ہے اور اس پر نماز پڑھنے والا کوئی نہیں، یا ایسی گواہی کے لئے نکلنا جو اس کے ذمہ واجب ہے جس کے بغیر کسی کا حق مارا جاتا ہو۔ (فتاویٰ قاضی خان علی ھامش الھندیہ ص ۲۲۲ ج ۱، البحر الرائق ص ۳۰۲)

(۸۹) معتکف کو کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کے لئے نکلنا جائز نہیں۔ مسجد ہی میں کسی برتن میں دھولے، منجن یا مسواک وغیرہ وضو کے ساتھ کر سکتا ہے، صرف منجن وغیرہ کے لئے نکلنا جائز نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ص ۵۱۰ ج ۴)

وضو سے قبل یا بلا قصد وضو وضو خانہ پر بیٹھ کر صابن سے ہاتھ منہ دھونا بھی جائز نہیں، اسی طرح وضو کے بعد وضو خانہ پر کھڑے ہو کر رومال سے وضو کا پانی خشک کرنا بھی جائز نہیں۔ احسن الفتاویٰ ص ۵۱۰ ج ۴)

ان صورتوں میں اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

اور جس طبعی یا شرعی ضرورت کے لئے نکلے اس سے فارغ ہوتے ہی فوری مسجد میں لوٹ آئے ورنہ اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ (عالمگیریہ ص ۲۱۲ ج ۱)

---

[1] اگر مسجد گرنے لگی یا کسی نے جبراً نکال دیا اور نکلتے ہی فوری دوسری مسجد میں چلا گیا تو اعتکاف نہیں ٹوٹا فان خرج من المسجد الذی یعتکف فیہ لعذر بان انھدم المسجد او اخرجہ السلطان مکرھا او غیر السلطان فدخل مسجداً اخر غیرہ من ساعتہ لم یفسد اعتکافہ استحساناً (بدائع الصنائع ص ۱۱۴ ج ۳۔ عالمگیریہ ص ۲۱۲ ج ۱)

مسجد سے باہر نکلنے کا حکم تب لگے گا جب دونوں پاؤں مسجد سے باہر ہوں اور دیکھنے والے بھی سمجھیں کہ یہ مسجد سے باہر ہے لہٰذا صرف سر باہر نکالنے سے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔ (البحر الرائق ص ۳۰۲ ج ۲)

(۹۰) بیوی سے صحبت کرنے پر اعتکاف ٹوٹ جائے گا خواہ انزال ہو یا نہ ہو صحبت مسجد میں کرے یا مسجد سے باہر، دن میں کرے یا رات میں انجان کر کرے یا بھول کر اور صرف بوس و کنار کرنے یا شرمگاہ کے سوا جسم کے کسی دوسرے حصہ سے مباشرت کرنے پر اعتکاف نہ ٹوٹے گا جب تک کہ انزال نہ ہو اور شہوت سے کسی کو دیکھنے یا دل میں غلط تصور جمانے سے اگر انزال ہو گیا تب بھی اعتکاف نہ ٹوٹے گا۔ اگرچہ یہ تمام کام اعتکاف میں حرام ہیں۔ (رد المحتار ص ۴۵۰ ج ۲)

(۹۱) دن میں قصداً کھا پی لیا تو روزہ کے ساتھ اعتکاف بھی ٹوٹ جائے گا اور بھول کر کھانے پینے سے روزہ کی طرح اعتکاف بھی نہیں ٹوٹتا۔ العیاذ باللہ کوئی مرتد ہو گیا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا اور اس کی قضاء بھی نہیں۔ اور بے ہوشی یا جنون اگر مسلسل اتنا وقت طاری رہے جس میں ایک روزہ قضا ہو جائے تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا اس سے کم مقدار میں ہو تو نہ ٹوٹے گا۔

(بدائع الصنائع ص ۱۱۶ ج ۲ رد المحتار ص ۴۵۰ ج ۲)

(۹۲) اعتکاف منذور معین (جو نذر مان کر متعین دنوں میں واجب کیا جائے) یا غیر معین ٹوٹ جائے تو سب ایام کی قضاء واجب ہے، نئے سرے سے اتنے دن پورے کرے، کیونکہ ان میں تتابع (مسلسل بیٹھنا) لازم ہے

اور عشرہ اخیرہ رمضان کے مسنون اعتکاف میں صرف اس دن کی قضاء واجب ہے جس میں اعتکاف ٹوٹا۔ فساد کے بعد یہ اعتکاف نفل ہو گیا، ایک دن کی قضاء چاہے رمضان ہی میں کرلے یا رمضان کے بعد نفل روزہ کے ساتھ کرے۔
ایک دن کی قضاء میں رات دن دونوں کی قضاء واجب ہے یا صرف دن کی؟ اس سے متعلق کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گذرا، قواعد سے یوں مفہوم ہوتا ہے

کہ اعتکاف دن میں فاسد ہوا تو صرف دن کی قضاء واجب ہوگی، صبح صادق سے قبل شروع کرکے غروبِ آفتاب تک کرے، اور اگر رات میں اعتکاف فاسد ہوا تو رات دن دونوں کی قضاء واجب ہے غروبِ آفتاب سے قبل شروع کرکے دوسرے روز غروب کے بعد ختم کرے۔

اگر ایک دن کے اعتکاف کی نذر کی تو صرف دن کا اعتکاف واجب ہے اور رات دن دونوں کی نذر میں چوبیس گھنٹے کا اعتکاف واجب ہے، اور قضاء اعتکاف بھی وجوب میں نذر کی طرح ہے۔ اس لئے اس کا بھی وہی حکم ہوگا، وھو المراد من مفھوم القواعد۔

(احسن الفتاویٰ ص ۵۱۱ ج ۴ و مثلہ فی امداد الفتاویٰ ص ۱۵۴ ج ۲)

(۹۳) اعتکاف کے فاسد ہونے اور اس کی قضاء سے متعلق مذکورہ بالا تمام احکام اعتکافِ واجب و مسنون سے متعلق تھے، نفلی اعتکاف ہر مسجد میں ہوسکتا ہے، خواہ اس میں نماز باجماعت کا اہتمام ہو یا نہ ہو اس کے لئے روزہ روزہ بھی شرط نہیں، نہ ہی کسی وقت کی تحدید ہے، دن رات میں آدمی جس وقت بھی مسجد میں داخل ہو اس اعتکاف کا ثواب حاصل کرسکتا ہے۔ خواہ ذراسی دیر کے لئے ہی داخل ہو۔

اگر مسجد میں داخل ہوتے ہوئے اعتکاف کی نیت کرنا بھول گیا تو اب یاد آنے پر مسجد میں بیٹھے ہوئے بھی نیت کرسکتا ہے۔

اگر متعین وقت کے لئے نفل اعتکاف کی نیت کرکے بیٹھا مثلاً ایک دن کی نیت کی، پھر وقت پورا کرنے سے پہلے پہلے کسی عذر سے یا بلا عذر اٹھ گیا تو نفل اعتکاف ختم ہوگیا۔ اسے اعتکاف توڑنا نہ کہیں گے، اس لئے اس کی قضاء بھی واجب نہیں۔ (مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی ص ۳۸۳ و عامۃ الکتب)

عورت کا اعتکاف

(۹۴) عورت گھر کی مسجد (یعنی نماز کی مخصوص جگہ) میں اعتکاف کرے اور یہ جگہ اس کے حق میں بمنزلہ مسجد کے ہوگی، یعنی کھانا پینا لیٹنا اسی جگہ ہوگا اور کسی طبعی یا شرعی ضرورت کے بغیر اس جگہ سے باہر ہونے پر اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

اگر گھر میں پہلے سے نماز کی مخصوص جگہ موجود ہے تو اسی میں اعتکاف کرے اس سے ہٹ کر گھر میں دوسری جگہ اعتکاف کرنا جائز نہیں اور پہلے سے کوئی جگہ نماز کے لئے مخصوص نہیں ہے تو اب مخصوص کرلے اور اسی میں اعتکاف کرے گھر کے بجائے مسجد میں اعتکاف کرنا عورت کے لئے مکروہ ہے (اس پر کچھ ثواب نہ ہوگا)

(۹۵) عورت کو اعتکاف میں بیٹھنے کے لئے خاوند سے اجازت حاصل کرنا بھی ضروری ہے اور خاوند اسے اعتکاف سے منع بھی کرسکتا ہے، لیکن جب ایک بار اجازت دے دی تو اب منع نہیں کرسکتا۔

اعتکاف کی منت ماننے کے لئے بھی خاوند کی اجازت ضروری ہے اگر بلا اجازت منت مان لی تو بھی منت منعقد ہوگئی اور اس کو پورا کرنے کے لئے بھی خاوند کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ اجازت نہ دے تو طلاق یا خاوند کی موت سے جدائی ہونے کے بعد منت پوری کرے۔

خاوند نے جب اجازت دے دی تو اب اس کے لئے بیوی سے ہم بستر ہونا، بوس وکنار کرنا یا اس ارادہ سے بیوی کی اعتکاف گاہ میں داخل ہونا جائز نہیں تاہم اس نے ہم بستری کرلی تو بیوی کا اعتکاف فاسد ہوگیا، ہمبستری کے سوا دوسری باتوں سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا۔

(۹۶) حیض و نفاس کی حالت میں عورت کو اعتکاف میں بیٹھنا جائز نہیں اور دورانِ اعتکاف یہ باتیں پیش آئیں تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ اگر مسنون اعتکاف تھا تو پاک ہونے کے بعد خاص اسی دن کی قضاء کرے جس میں خون آیا اور نذرِ معین کا تھا تو پاک ہوکر فوری اعتکاف میں بیٹھ جائے اور صرف بقیہ ایام کا اعتکاف کرے اگر تاخیر سے بیٹھی تو پورے ایام کا اعتکاف نئے سرے سے کرنا پڑے گا۔

(بدائع الصنائع ص ۱۰۸-۱۱۶ ج ۲۔ البحر الرائق ص ۳۰۱ ج ۲)

مُتفرّقات

(۹۷) مسجد کی چھت کا بھی وہی حکم ہے جو مسجد کا، اسی طرح مسجد کئی منزلہ ہو تو اوپر نیچے کی تمام منزلوں کا ایک ہی حکم ہے، معتکف سب میں آجا سکتا ہے۔ بشرطیکہ آنے جانے کا زینہ حدودِ مسجد کے اندر ہو۔ (البحر الرائق ص ۳۰۳ ج ۲)

اور مسجد سے مراد خاص وہ حصۂ زمین ہے جو نماز کے لئے تیار کیا گیا، یعنی اندر کا کمرہ، برآمدہ اور صحن، باقی جو حصّہ اس سے خارج ہو وہ مسجد کے حکم میں نہیں، خواہ ضروریاتِ مسجد ہی کے لئے وقف ہو، جیسے امام کا حجرہ، مسجد سے ملحق مدرسہ، جنازہ گاہ وضوخانہ، غسل خانے، استنجا خانے، یہ تمام جگہیں مسجد سے خارج ہیں، اس لئے حالتِ جنابت میں بھی ان میں آنا جانا جائز ہے، اگر معتکف نے بلاضرورت ان میں قدم رکھ دیا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ اس مسئلہ میں بہت سے معتکف کوتاہی کا شکار ہوکر اپنا اعتکاف توڑ بیٹھتے ہیں اس لئے معتکف کو چاہیئے کہ اعتکاف میں بیٹھنے سے پہلے متولی مسجد سے پوچھ کر مسجد کی حدود پوری طرح معلوم کرلے۔

(۹۸) اعتکاف میں پردے لٹکانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد ان یعتکف صلی الفجر ثم دخل

فی معتکفہ وانہ امر بخبائہ فضرب لما اراد الاعتکاف فی العشر الاواخر من رمضان الحدیث (رواہ البخاری ومسلم واللفظ لہ)

معتکف کو چاہیئے کہ دلجمعی ویکسوئی کے لئے پردے لٹکالے اور اس خلوتخانہ میں دعا، وعبادت کا مشغلہ رکھے اور نمازوں کے اوقات میں اگر ضرورت ہو تو یہ پردے اٹھالئے جائیں۔

(۹۹) احتلام ہونے سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا (فتح القدیر ص ۳۱۱ ج ۲ وغیرہ)

احتلام ہونے پر معتکف کو چاہیئے کہ بیدار ہوتے ہی پہلے تیمم کرلے پھر فوری مسجد سے نکل جائے، جسے احتلام کا اندیشہ ہو اس کے لئے بہتر ہے کہ پہلے سے اپنے ساتھ کوئی ڈھیلا وغیرہ رکھ لے ورنہ مسجد کی زمین پر ہی تیمم کرلے۔ اگر کسی ضرر کا اندیشہ ہو یا پانی ملنے میں کچھ دیر ہو یا پانی گرم ہو رہا ہو تو اسی تیمم کے ساتھ مسجد میں بیٹھ کر انتظار کرے۔ (ردالمحتار ص ۴۴۳ ج ۱)

(۱۰۰) بلغم ڈالنے یا ناک صاف کرنے کے لئے مسجد سے نکلنا جائز نہیں، اس مقصد کے لئے معتکف اگالدان مسجد میں رکھے یا مسجد میں ہی کھڑے ہو کر بلغم اور رینٹ باہر ڈال دے۔ وضو کی ضرورت کے لئے نکلنا جائز ہے۔

اگر مسجد کے اندر بیٹھ کر وضو کرنے کی ایسی جگہ ہو کہ پانی مسجد سے باہر گرے تو مسجد سے باہر جانا جائز نہیں، ورنہ جائز ہے۔ وضو خواہ فرض نماز کے لئے ہو یا نفل یا تلاوت یا ذکر کے لئے سب کا یہی حکم ہے

(احسن الفتاویٰ ص ۵۱۰ ج ۴)

بسم الله الرحمن الرحيم

قربانی اور عیدین کے

احکام و مسائل

آئینہ

عنوانات	صفحہ نمبر
عشرۂ ذی الحجہ اور قربانی کے فضائل	۲۴۶
چند کوتاہیاں	۲۵۲
منکراتِ عید	۲۵۸
نماز عیدین	۲۶۶۶
مسائلِ متفرقہ	۲۷۳
شرائط وجوب قربانی	۲۷۶
قربانی کے جانور	۲۷۸
جانور کے عیوب	۲۸۳
اوقاتِ قربانی	۲۸۵
غیر کی طرف سے قربانی	۲۸۹
آداب و مستحبات	۲۹۳
اغلاط العوام	۲۹۶
گوشت اور چرم قربانی	۲۹۷
متفرق مسائل	۳۰۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

برادرم مفتی محمد ابراہیم صاحب زید مجدہٗ نے ایک خاص ترتیب کے ساتھ مختلف عبادات و معاملات سے متعلق "سو مسائل" کا جو سلسلہ شروع فرمایا ہے، اس کی چوتھی قسط "قربانی اور عیدین کے سو اہم مسائل" کے عنوان سے پیش خدمت ہے۔

قربانی اور عیدین کی ادائیگی میں ہمارے ہاں مختلف کوتاہیاں پائی جاتی ہیں، اور بعض بدعات بھی رواج پذیر ہوچکی ہیں، اکثر لوگ ان کے مسائل و آداب سے ناواقف ہیں۔

حضرت مفتی صاحب نے زیر نظر رسالہ میں قربانی اور عیدین کے تمام اہم مسائل و احکام انتہائی سہل انداز و عام فہم زبان میں جمع کر دیئے ہیں، لطف یہ کہ عوامی تسہیل و تفہیم کو پیش رکھنے کے باوجود علم و تحقیق کا رشتہ کہیں بھی ٹوٹنے نہیں پایا، مستند مآخذ و مراجع کے حوالہ جات کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔

قربانی اور عیدین کے موضوع پر لکھی گئی مختصر اور مطول کتابوں میں ان شاء اللہ یہ کتاب نمایاں حیثیت حاصل کرے گی۔

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ حضرت مفتی صاحب کے لئے دعا کریں، کہ ان کا قلم یوں ہی رواں دواں رہے اور وہ امت کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے رہیں۔

ناشر

عشرۂ ذی الحجّہ اور قربانی کے فضائل

① وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ (۸۹ - ۳)

قسم ہے فجر (کے وقت) کی اور (ذی الحجہ کی) دس راتوں (یعنی دس تاریخوں) کی (کہ وہ نہایت فضیلت والی ہیں، کذا فسّر فی الحدیث) اور جفت کی اور طاق کی (جفت سے مراد دسویں تاریخ ذی الحجہ کی اور طاق سے نویں تاریخ۔ کذا فی الحدیث...) بیان القرآن۔

امام قرطبی اور دیگر کئی مفسّرین نے بھی ان آیات کے ذیل میں یہی تحریر فرمایا ہے کہ دس راتوں سے مراد عشرۂ ذی الحجّہ اور طاق وجفت سے مراد ذی الحجہ کی نویں دسویں تاریخ ہے [1]

② عن ابن عبّاسٍ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] چنانچہ امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: وقال جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم " وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ " قال ھو الصبح وعشر النحر والوتر یوم العرفة والشفع یوم النحر وھو قول ابن عباس وعکرمة واختارہ النحاس وقال حدیث ابی الزبیر عن جابر ھو الذی صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو اصح اسنادا من حدیث عمران بن حصین فیوم عرفة وتر لانہ تاسعھا ویوم النحر شفع لانہ عاشرھا (الجامع لاحکام القرآن ص ۴۰ ج ۲۰)

مَا مِنْ اَيَّامٍ اَلْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهَا اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ يعنى ايام الْعَشْرِ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ؟ قَالَ وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ

(بخاری، ابوداود، ترمذی وغیرہم)

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عشرۂ ذی الحجہ کے دوران نیک عمل سے بڑھ کر کوئی عمل پسندیدہ نہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا جہاد فی سبیل اللہ سے بھی یہ بڑھ کر ہے؟ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاد فی سبیل اللہ سے بھی بڑھ کر ہے۔ ہاں وہ شخص جو اپنی جان اور مال لے کر راہِ خدا میں نکلا پھر ان میں سے کوئی چیز بھی واپس لے کر نہ آیا۔ (سب کچھ راہِ خدا میں نثار کر دیا۔ بیشک یہ سب سے بڑھ کر ہے)

(۳) عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قَالَ مَا مِنْ اَيَّامٍ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَلَا اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنَ الْعَمَلِ فِيْهِنَّ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ الْعَشْرِ فَاَكْثِرُوْا فِيْهِنَّ مِنَ التَّهْلِيْلِ وَالتَّكْبِيْرِ وَالتَّحْمِيْدِ (احمد، بیہقی وغیرہما)[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں ان دس ایام کی عبادت سے بڑھ کر عظیم تر اور محبوب تر کوئی عبادت نہیں لہٰذا ان میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کا ورد کثرت سے کرو

[1] سندہ جید (الفتح الربانی بترتیب مسند الامام احمد۔ ص ۱۶۸ ج ۲۰

④ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ الآیة (۲۲-۳۴)

ہم نے (جتنے اہل شرائع گذرے ہیں ان میں سے) ہر امت کے لئے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپاؤں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمایا تھا۔ (بیان القرآن)

امام ابن کثیر اور امام رازیؒ وغیرہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں تصریح کی ہے کہ خون بہا کر جانوروں کی قربانی کا دستور شروع دن سے ہی تمام ادیان و مذاہب میں چلا آرہا ہے۔[۱]

اور اسی مضمون میں یہ آیت بھی ہے:

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ (۲۲-۶۷)

(جتنی امتیں اہل شرائع گذری ہیں) ہم نے (ان میں) ہر امت کے واسطے ذبح کرنے کا طریق مقرر کیا ہے کہ وہ اسی طریق پر ذبح کیا کرتے تھے۔ (بیان القرآن)

⑤ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (۱۰۸-۲)

سو (ان نعمتوں کے شکر میں) آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھئے (کہ اعظم نعم کے شکر میں اعظم عبادات مناسب ہے) اور (تکمیل شکر کے لئے عبادتِ بدنیہ کے ساتھ عبادتِ مالیہ یعنی اسی کے نام کی) قربانی کیجئے (بیان القرآن)

---

[۱] امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: یخبر تعالی انه لم یزل ذبح المناسك واراقة الدماء علی اسم الله مشروعا فی جمیع الملل (تفسیر القرآن العظیم ص ۲۲۰ ج ۳)

اور امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: فالمعنی شرعنا لکل امة من الامم السابقة من عهد ابراهیم علیه السلام الی من بعده ضربا من القربان وجعل العلة فی ذلك ان یذکروا اسم الله تقدست اسماءه علی المناسك (التفسیر الکبیر ص ۳۴ ج ۲۳)

متعدد ائمہ تفسیر نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ کفار و مشرکین چونکہ غیر اللہ کی عبادت کرتے اور انہی کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہی قربانی کریں۔[1]

⑥ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ وَّجَدَ سَعَۃً فَلَمْ یُضَحِّ فَلَا یَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا (احمد، ابن ماجہ، ابو یعلیٰ، حاکم)[2]

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص استطاعت رکھنے کے باوجود قربانی نہیں کرتا وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ پھٹکے۔

⑦ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنھا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا عَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ یَوْمَ النَّحْرِ عَمَلًا اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ ھِرَاقَۃِ دَمٍ وَ اِنَّہٗ لَیَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِقُرُوْنِھَا وَ اَظْلَافِھَا وَ اَشْعَارِھَا وَ اِنَّ الدَّمَ لَیَقَعُ مِنَ اللّٰہِ بِمَکَانٍ قَبْلَ اَنْ یَّقَعَ عَلَی الْاَرْضِ فَطِیْبُوْا بِھَا نَفْسًا[3] (ترمذی، ابن ماجہ، بغوی، حاکم)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کے دن بندوں کے تمام اعمال میں پسندیدہ ترین عمل قربانی کے جانور کا خون بہانا ہے اور بندہ قیامت کے دن اپنی قربانی کے سینگوں، کھروں اور بالوں سمیت حاضر ہوگا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے پہلے بارگاہِ ایزدی میں شرفِ قبول حاصل کر لیتا ہے لہٰذا تمہیں چاہئے کہ خوش دلی سے قربانی کرو۔

---

[1] امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: قال محمد بن کعب: ان اناسا کانوا یصلون لغیر اللہ وینحرون لغیر اللہ فامر اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی وینحر للہ عز وجل (معالم التنزیل ص۶۳۰ ج ۵) امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ مضمون اس سے بھی مفصل نقل کیا ہے ملاحظہ ہو: تفسیر القرآن العظیم ص۵۵۸ ج۴)

[2] رجالہ ثقات لکن اختلف فی رفعہ و وقفہ والموقوف اشبہ بالصواب، قالہ الطحاوی وغیرہ (فتح الباری ص۳ ج ۱۰)

[3] قال الترمذی وھذا حدیث حسن غریب لانعرفہ من حدیث (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

⑧ عن ابی رافع مولیٰ رسولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَرَضِیَ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کَانَ اِذَا ضَحّٰی اشْتَرٰی کَبْشَیْنِ سَمِیْنَیْنِ اَقْرَنَیْنِ اَمْلَحَیْنِ (وَفِی لَفْظٍ مَوْجِیَّیْنِ خَصِیَّیْنِ) فَاِذَا صَلّٰی وَخَطَبَ النَّاسَ اُتِیَ بِاَحَدِھِمَا وَھُوَ قَائِمٌ فِی مُصَلَّاہُ فَذَبَحَہٗ بِنَفْسِہٖ بِالْمُدْیَۃِ ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰذَا عَنْ اُمَّتِیْ جَمِیْعًا مِمَّنْ شَھِدَ لَکَ بِالتَّوْحِیْدِ وَشَھِدَ لِیْ بِالْبَلَاغِ ثُمَّ یُؤْتٰی بِالْاٰخَرِ فَیَذْبَحُہٗ بِنَفْسِہٖ وَیَقُوْلُ ھٰذَا عَنْ مُحَمَّدٍ وَاٰلِ مُحَمَّدٍ فَیُطْعِمُھُمَا جَمِیْعًا الْمَسَاکِیْنَ وَیَاْکُلُ ھُوَ وَاَھْلُہٗ مِنْھُمَا فَمَکَثْنَا سِنِیْنَ لَیْسَ رَجُلٌ مِنْ بَنِیْ ھَاشِم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کے لئے دو فربہ سینگوں والے چت کبرے (یا بقول بعض علماء خالص سفید رنگ کے) مینڈھے خرید فرماتے تھے (اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ دونوں خصی ہوتے تھے) پھر جب نماز عید ادا فرما کر خطبہ ارشاد فرماتے تو ان میں سے ایک مینڈھا عیدگاہ ہی میں لاکر حاضر کیا جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھری لے کر بنفسِ نفیس اسے ذبح فرماتے پھر فرماتے اللّٰھم انّ ھٰذا.... اے اللہ! یہ میری اس پوری امت کی طرف سے ہے جو تیری توحید اور میری رسالت کی گواہی دے بعد ازاں دوسرا مینڈھا لایا جاتا اسے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس ذبح فرماتے اور فرماتے ھٰذا عن محمد... کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ہے، دونوں

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) ھشام بن عروۃ الّا من ھٰذا الوجہ (ص۲۴۵ ج۱) وقال الحاکم: ھٰذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ لکن قال الذھبی: (قلت) سلیمان واہٍ وبعضھم ترکہ (المستدرک ص۲۲۲ ج۴) وقال المنذری: رووہ کلھم من طریق ابی المثنیٰ وھو واہٍ وقد وثق (الترغیب ص۱۰۱ ج۲)

يُضَحِّي قَدْ كَفَاهُ اللهُ الْمُؤْنَةَ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ وَالْغُرْمَ (احمد۔ طبرانی، بزاد هیثمی)[له]

مینڈھوں کا گوشت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مساکین کو کھلاتے اور اہل وعیال سمیت خود بھی نوش جان فرماتے، ہم نے کئی سال اس حال میں بسر کئے کہ خاندان بنی ہاشم کا کوئی ایک فرد بھی (ناداری کے سبب) قربانی نہ کرتا، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قربانی کے طفیل جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے نادار لوگوں کی طرف سے فرمائی ان (ہاشمیوں) سے ذمہ اتار دیا۔

⑨ عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما قَالَ: اَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ يُضَحِّيْ۔ (احمد۔ ترمذی[عه])

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس برس مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور اس عرصۂ قیام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل قربانی فرماتے رہے۔

⑩ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَرَادَ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يُقَلِّمْ اَظْفَارَهٗ وَلَا يَحْلِقْ شَيْئًا مِنْ شَعْرِهٖ فِي الْعَشْرِ الْاَوَّلِ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ (مسلم واصحاب السنن الاربعة)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص قربانی کرنا چاہتا ہو اسے چاہئے کہ ذوالحجہ کے ابتدائی عشرے میں (قربانی سے پہلے) نہ ناخن تراشے نہ ہی جسم کے کسی حصہ سے بال لے۔

له قال الهیثمی: واسناد احمد والبزار حسن (مجمع الزوائد ص۲۲ ج ۴)

عه وقال الترمذی هذا حدیث حسن ص۲۷۶ ج۱

چند کوتاہیاں

① ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن صحیح احادیث کی رو سے سال کے افضل ترین دنوں میں سے ہیں، اس عشرے میں کی گئی کوئی سی عبادت، عام دنوں کی عبادت سے درجہا بہتر و برتر ہے، اس میں خطا کار بندوں کے لئے رحمت کا دریا موج زن اور سائلین کے لئے توبہ و اجابت کے در وا ہوتے ہیں۔ صرف ایک یومِ عرفہ کا روزہ دو سال کے گناہوں کا کفارہ ہے (مسلم) مگر افسوس کہ اکثر مسلمان ان مبارک ایام کو بھی عام اوقات کی طرح غفلت و بے اعتنائی میں گذار دیتے ہیں۔ ذرا سوچئے اب تک ہماری زندگیوں میں کتنی بار رحمتوں کی یہ بہار آئی اور چلی بھی گئی مگر ہمیں احساس تک نہ ہوا۔ طرفہ یہ کہ بہت سے مسلمانوں کو اس فضیلت کا علم تک نہیں وہ اس سے قطعی نا آشنا ہیں کہ ان دنوں کو سال کے عام دنوں پر کسی قسم کی برتری بھی حاصل ہے۔ حق تو یہ تھا کہ ہم اس پورے عشرے کا لمحہ لمحہ یادِ الٰہی میں بسر کرتے اور عمرِ رفتہ کی تمام کوتاہیوں کا مداوا کرتے، لیکن اتنا نہیں بن پڑتا تو صرف گناہ ہی چھوڑ دیں بالخصوص وہ گناہ جو آج معاشرے کا لازمہ قرار پا گئے ہیں اگر اتنا کچھ ہو جائے تو بسا غنیمت ہے۔ ع قوتِ نیکی نداری بد مکن۔

② نمازِ عید سے متعلق بہت سی کوتاہیاں پائی جاتی ہیں مثلاً بہت سے مسلمان نمازِ عید ادا کرنے کا طریقہ نہیں جانتے اور دورانِ نماز عجیب مضحکہ خیز باتیں ان سے صادر ہوتی ہیں، ان کے دنیوی جھمیلے انہیں اتنی فرصت بھی نہیں لینے دیتے کہ عید کی آمد پر کسی عالم سے پوچھ کر نمازِ عید کا

طریقہ سیکھ لیں ورنہ یہ چند منٹ کا کام کیا مشکل ہے ؟ یا بعض حضرات کے لئے شرعی مسائل دریافت کرنے میں طبعی حجاب مانع ہوتا ہے، حالانکہ یہ حکمِ قرآن فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ الآیہ (اگر تمہیں علم نہیں تو اہل علم سے پوچھو) کے صریح خلاف ہے ——— کئی مقامات پر عید پڑھانے والے ائمہ نا اہل غلط خواں اور مسائلِ نماز سے بالکل انجان ہوتے ہیں۔ بسا اوقات قرارت کرنے میں یا ارکانِ نماز میں ایسی فحش غلطیاں کرجاتے ہیں جن سے پوری جماعت کی نماز اکارت جاتی ہے، اور یہ عموماً ان مقامات پر ہوتا ہے جہاں امامت کا منصب باپ دادا سے موروثی چلتا ہے۔ سوچا جائے تو یہ رسم شریعت کے ہی نہیں، اصولِ عقل و درایت کے بھی سراسر خلاف ہے، یہ کیا ضرور ہے کہ عالم کا بیٹا عالم ہی ہو؟ اس رسم کو جاری رکھنے میں مقامی لوگ بھی برابر کے شریک رہتے ہیں۔ موروثی امام کے تمام نقائص ان کے علم و مشاہدہ میں ہوتے ہیں مگر وہ طوعاً کرھاً اسے گوارا کئے رہتے ہیں، حالانکہ منصبِ امامت کے لئے ایسے آدمی کا تقرران کا فرض ہے جو علم و عمل میں دوسروں سے فائق اور پسندیدہ ترین آدمی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

يَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ كَانُوْا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ (مسلم وغیرہ)

لوگوں کی امامت کا حقدار وہ ہے جو سب سے بڑا قاری ہو یعنی قرآن عمدہ پڑھتا ہو اور زیادہ پڑھا ہوا ہو، اگر قرآن پڑھنے میں سب یکساں ہوں تو وہ شخص حقدار ہے جو سنت کا زیادہ جاننے والا ہو

اور ارشاد ہے:

اِجْعَلُوْٓا اَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ اپنے پسندیدہ لوگوں کو امام بناؤ

فَاِنَّهُمْ وَفْدُكُمْ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ رَبِّكُمْ (دار قطنی)عـہ
کہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان نمائندے ہیں۔

ایک بڑی کوتاہی جو اکثر جگہوں پر دیکھنے میں آتی ہے یہ ہے کہ نماز عید کی صفیں بے ترتیب اور ٹیڑھی رہتی ہیں، حدیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔

لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ اَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ عـہ
اپنی صفیں درست رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے رُخ پھیر دیں گے۔ یعنی باہمی اختلاف و انتشار کا شکار ہو جاؤ گے۔ یہ بھی غفلت و بے توجہی کا نتیجہ ہے ورنہ صف درست کر لینا کیا دشوار ہے؟

اور بھی متعدد کوتاہیاں پائی جاتی ہیں جن پر اس کتاب میں تنبیہ کی گئی ہے۔

قربانی شعائرِ اسلام میں سے ایک اہم شعار اور عباداتِ مالیہ میں ایک مہتم بالشان عبادت ہے اس کی قدر و عظمت کا اندازہ مذکورہ بالا آیات و احادیث سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔ مگر دوسری اکثر عبادات کی طرح اس عبادت کے معاملے میں بھی مسلمان کئی طرح کی کوتاہیوں کا شکار ہیں، ان کوتاہیوں کی پوری تفصیل حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کی کتاب "اصلاح انقلاب امت" میں دیکھی جا سکتی ہے، یہاں بعض کوتاہیوں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے:

(۳) بہت سے لوگ وسعت رکھنے کے باوجود قربانی نہیں کرتے بلکہ بعض لوگوں کو اس کے وجوب کا علم تک نہیں۔ مدتوں انہیں قربانی کا خیال بھی نہیں آتا ایسے لوگوں کے لئے حدیث میں جو شدید وعید وارد ہوئی ہے وہ اوپر گذر چکی کہ یہ لوگ گویا مسلمانوں کی جماعت سے کٹ چکے ہیں اس لئے ان کی عیدگاہ میں بھی قدم

عـہ فی اسنادہ سلام بن سلیمان المدائنی وھو ضعیف (نیل الاوطار ص۲ ج۳)

عـہ (رواہ مسلم)

نہ رکھیں ایسے لوگوں کی جہالت (کہ انہیں وجوب کا علم نہیں) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی عذر نہیں بلکہ کسی مسلمان کا شرعی احکام سے بیزار اور لاعلم رہنا بجائے خود ایک جرم ہے۔ علماء کرام بالخصوص خطباء وواعظین حضرات کا فرض ہے کہ قربانی کی اہمیت اور اس کے بنیادی مسائل سے عوام کو آگاہ کریں۔

④ بعض دیندار حضرات بھی اس غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ وجوبِ قربانی اور فرضیتِ زکوٰۃ کا نصاب ایک ہی ہے، ہم پر چونکہ زکوٰۃ فرض نہیں لہٰذا قربانی بھی واجب نہیں، یہ غلط مسئلہ نہ جانے کہاں سے انہوں نے یاد کرلیا؟ حالانکہ زکوٰۃ چار قسم کے اموال میں فرض ہوتی ہے سونا، چاندی، مالِ تجارت اور نقدی۔ جبکہ وجوبِ قربانی وصدقۃ الفطر میں زائد از ضرورت اشیاء کی قیمت لگانا بھی ضروری ہے، پس اموالِ زکوٰۃ میں سے کوئی ایک مال اپنے نصاب کی مقدار میں ہو یا ان میں سے بعض کا مجموعہ ملاکر نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ، قربانی، اور صدقۃ الفطر واجب ہیں۔ نیز اس کے لئے زکوٰۃ یا صدقہ واجبہ لینا بھی جائز نہیں اور اگر مذکورہ بالا چاروں اموال یا ان میں سے بعض کا مجموعہ نصاب کو نہیں پہنچتا لیکن زائد از ضرورت اشیاء ان میں شامل کرنے سے نصاب پورا ہوجاتا ہے تو بے شک ایسے شخص پر زکوٰۃ فرض نہیں مگر قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہیں زکوٰۃ یا صدقہ واجبہ لینا بھی جائز نہیں۔ غرض دونوں مسئلے الگ الگ ہیں۔

مزید تفصیل اسی مجموعہ میں مسئلہ (۲۹) اور "زکوٰۃ وصدقات کے سواہم مسائل" کے مسئلہ (۰۷) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

⑤ بعض لوگ قربانی کرتے تو ہیں مگر بخل کے سبب یا قربانی کی پوری عظمت دل میں نہ ہونے کے سبب کوئی سستا سا جانور لے کر ذبح کر دیتے ہیں، یہ ضابطہ کی رو سے اپنے واجب سے تو سبکدوش ہوگئے مگر اس پر وہ اجر و ثواب اور

درجۂ قرب تو نہیں حاصل ہو سکتا جو عمدہ اور قیمتی مال خرچ کرنے پر ملتا ہے ایک مسلمان کا منتہائے مقصود صرف اخروی مؤاخذہ سے بچنا ہی نہیں بلکہ اپنے مالک کی معرفت اور مراتبِ قرب حاصل کرنا بھی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دولتِ عظمیٰ محبوب سے محبوب تر اشیاء خرچ کرنے پر ہی ہاتھ آسکتی ہے۔ قرآن مجید بھی اسی کی ترغیب دیتا ہے: اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ الآیۃ
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ الآیۃ

(۶) اس کے برعکس بعض نادار لوگ — جن پر قربانی واجب نہیں ہوتی — بہر قیمت قربانی کرنا ضروری سمجھتے ہیں، خواہ قرض لے کر کرنی پڑے یا اہل حقوق اہل و عیال اور قرض خواہوں کے حقوق پامال کر کے ہی کرنی پڑے ایسا غلو بھی شرعاً مذموم ہے۔ ان میں بعض لوگ اخلاص اور نیک نیتی سے ایسا کرتے ہیں مگر یہ اخلاص کس کام کا جو حدودِ شرع کی پابندی بھی اٹھا دے، اور بعض لوگ فخر و مباہات کے جذبہ سے قربانی کرتے ہیں، ان کی قربانی کیا ہے؟ دوہرے گناہ کا بوجھ ہے ایک اہل حقوق کے حقوق کا اتلاف، دوسرے فخر و غرور اور ریاکاری۔ ایسے بدنصیب "نیکی برباد گناہ لازم" کا مصداق ہیں۔ ہاں اگر کسی پر قربانی واجب تو نہیں مگر وہ کسی کا حق تلف کئے بغیر جذبۂ اخلاص سے قربانی کرتا ہے تو اس پر کوئی الزام نہیں۔ ایسے شخص کی قربانی ان شاء اللہ بارگاہِ ایزدی میں مقبول و منظور ہے۔

(۷) بعض لوگوں کی قربانی قاعدے کی رو سے صحیح ہوتی ہے مگر فقہی مسائل نہ جاننے کے سبب غلطیوں میں مبتلا ہو کر اپنا ثواب ضائع کرتے ہیں مثلاً ادھیان پر لئے گئے جانور کی قربانی کی، یا فقیر نے قربانی کے لئے جانور خریدا یا نذر مان کر اسے قربانی کے لئے متعین کیا پھر اسے فروخت کر دیا یا دوسرا

جانور سے تبدیل کرلیا یا مالدار نے قربانی کے لئے جانور خرید کر بیچدیا یا وہ اس کے ہاتھ سے جاتا رہا پھر اس سے کم قیمت کا جانور لے کر ذبح کیا (ان مسائل کی تفصیل اسی کتاب میں آرہی ہے) یا کئی شرکاء نے مل کر ایک بڑا جانور ذبح کیا پھر گوشت تولنے کے بجائے اندازہ سے تقسیم کرلیا، یا کھال کی قیمت امام مؤذن کو اجرت میں دے دی یا یہ رقم مستحق کو دینے کے بجائے کسی رفاہی کام میں لگادی، اس قسم کے کئی مسائل ہیں جن میں مسائل سے ناواقف لوگ عموماً مبتلا رہتے ہیں اور اہل علم سے پوچھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے۔

(۸) منکرینِ حدیث کی طرف سے برپا کردہ اس پروپیگنڈے کا ازالہ بھی یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ایامِ عید میں لاکھوں جانوروں کا خون بہا کر اربوں روپے زیاں کر دیتے ہیں، اس کے بجائے یہی روپیہ اگر نادار افراد اور خاندانوں پر صرف کر دیا جائے یا رفاہِ عامہ کے کاموں میں لگا دیا جائے تو پوری امت کا کتنا نفع ہو؟ اس قسم کے زہر آگیں خیالات کا پرچار ایک دلکش فریب اور الحاد و بے دینی کا پرچار ہے۔

کچھ سادہ لوح یہ باور کرتے ہوں گے کہ شاید امتِ مسلمہ کا درد ان کو ہلکان کئے جارہا ہے، اس لئے ایسے مشورے دے رہے ہیں۔ مگر حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ قربانی ایسے شعارِ اسلام سے ان لوگوں کو چڑ ہے۔ قربانی ہی کی کیا خصوصیت؟ شریعت کا ہر وہ مسئلہ ان کے لئے سوہانِ روح ہے جو ان کی میزانِ عقل پر پورا نہ اُترے، مگر ایک مسلمان کا مطمحِ نظر بہر کیف احکامِ الٰہیہ کا امتثال ہے، خواہ کسی حکم کی لِم اس کی عقل میں آئے یا نہ آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ قربانی ایک مستقل عبادت بلکہ شعارِ اسلام ہے۔ صدقہ و خیرات

کی فضیلت اپنی جگہ مگر وہ قربانی کا بدل نہیں، شروع کتاب میں ہم نے قربانی کی فضیلت میں جس قدر آیات و احادیث درج کی ہیں یہ سب کی سب نصوص جانوروں کے خون بہانے سے متعلق ہیں نہ کہ صدقہ و خیرات سے متعلق! نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضراتِ صحابہ و تابعین، بعد کے اسلاف غرض پوری امت کا متوارث و مسلسل معمول بھی قربانی کا جاری ہے نہ کہ صدقہ کرنے کا۔ قربانی کے بجائے صدقہ کرنے کا مشورہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی نادان مسلمانوں کو یہ مشورہ دینے لگے کہ آج سے نماز، روزہ ترک کرکے اس کی جگہ اس قدر مال صدقہ کرنا شروع کریں، پس جیسے صدقہ خیرات نماز روزہ کا بدل نہیں، یونہی یہ قربانی کا بھی بدل نہیں، لہٰذا کوئی شخص جانور کی قربانی کے بجائے اگر رقم کا صدقہ کرتا ہے۔ خواہ وہ جانور کی پوری قیمت بلکہ اس سے بھی کئی گنا بڑھ کر ہو۔ تو وہ ایک واجب کا تارک ہے اور صدقہ کرنے کے باوجود ترکِ واجب کا گناہ اس کے سر پر رہے گا، بلکہ اس ملحدانہ خیال کے تحت ایسا صدقہ کرنا بھی کچھ موجبِ اجر و ثواب نہیں باعثِ خسران و وبال ہی ہوگا۔[عہ]

منکرات عید

(۱) غیر قوموں کی بہت سی رسمیں دیکھا دیکھی مسلمانوں نے اپنا لی ہیں، ان فضول رسموں کے دینی دنیوی مفاسد بھی ان کی آنکھوں کے سامنے ہیں مگر

عہ ومنها ان لا يقوم غيرها مقامها حتى لو تصدق بعين الشاة او قيمتها فى الوقت لا يجزيه عن الاضحية لان الوجوب تعلق بالاراقة (بدائع الصنائع ص۶۶ ج ۵

وہ آنکھیں بند کئے چار و ناچار انہیں نبھاتے آرہے ہیں، انہی میں ایک "عید کارڈ" کی وبا ہے جو پورے ملک میں پھیل چکی ہے اور سال بہ سال ترقی میں ہے، اس میں فائدہ تو کوڑی کا نہیں البتہ گناہ کثرت سے ہیں مثلاً :

(۱) یہ غالباً عیسائیوں کے "کرسمس کارڈ" کا چربہ ہے اور ایسی نقالی پر ہی یہ وعید ارشاد فرمائی گئی :

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (احمد، ابوداود، طبرانی فی الکبیر)[۱]

جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کریگا وہ انہی میں ہوگا ۔

(۲) پیسے کا بے جا اسراف، ملک بھر میں ہر سال اس بیہودہ رسم پر لاکھوں کروڑوں روپے برباد کئے جاتے ہیں، اس گناہ پر قرآن کی وعید ہے

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (الآیۃ) (۱۷- ۲۷)

یقیناً فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں ۔

اور حدیث میں ہے :

لَا يَزَالُ قَدَمَا عَبْدٍ عَنِ الصِّرَاطِ حَتّٰى يُسْئَلَ عَنْ اَرْبَعٍ عَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا اَنْفَقَهٗ؟ الحدیث (مسلم)

بندہ جب تک چار سوالوں کا جواب نہ دیدے پل صراط سے اس کے قدم ہٹنے نہ پائیں گے منجملہ ان کے ایک سوال یہ ہوگا کہ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا تھا ؟

---

[۱] من حديث ابن عمر مرفوعاً وفي سنده ضعف ولكن شاهده عند البزار من حديث حذيفة وابي هريرة وعند ابي نعيم في تاريخ اصفهان عن انس .
(المقاصد الحسنة ص۴۰۷)

فضول اور واھیات رسموں میں مال اڑانے والے لوگ سوچ لیں کہ کل اللہ تعالیٰ کے حضور اس سوال کا کیا جواب دیں گے ؟

(۳) بہت سے کارڈوں پر قرآنی آیات چھپی ہوتی ہیں اول تو ایسی بیہودہ چیز پر قرآن مجید لکھنا گناہ ہے، پھر عموماً لوگ انہیں پڑھنے کے بعد کوڑے کرکٹ میں ڈال دیتے ہیں، اس میں قرآن مجید کی کس قدر بے حرمتی ہے ؟

(۴) بہت سے کارڈوں پر پرندوں یا دوسرے جانداروں کی تصویریں بنی ہوتی ہیں۔ اس گناہ پر صحیح احادیث میں لعنت و پھٹکار آئی ہے، نیز ایسی جگہ رحمت کے فرشتے نہیں داخل ہوتے، یہ نادان سوچ کر فیصلہ کریں کہ کیا کھو رہے ہیں۔

(۵) عموماً جانبین سے کارڈوں کا تبادلہ ہوتا ہے اور ہر فریق کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کا کارڈ دوسرے سے بڑھ کر قیمتی ہو۔ اس میں ریاؤ نمود اور فخر و مباہات کا مظاہرہ ہے وہ بھی ایک گناہ ہے ! یہ بطور نمونہ چند گناہ گنوائے گئے۔ غور کیا جائے تو بہت سے گناہوں کا پلندہ ہے۔

② عید کی تیاریاں بھی ایک مستقل رسم کی شکل اختیار کر گئی ہیں ہر شخص دوسروں کی ریس میں آگے نکلنا چاہتا ہے چنانچہ اس کا فرض و واجب کی طرح التزام کر لیا گیا ہے کہ عید پر گھر کے ہر فرد کے لئے نیا جوڑا سلوایا جائے، بیوی بچوں کا ہر مطالبہ پورا کیا جائے، دوسری فضول خرچیوں میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہا جائے گو کہ دوسروں سے قرض یا بھیک ہی مانگنی پڑے، چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ کئی لوگ عید کے کپڑے بنوانے کے لئے بے جھجک سوال کرتے پھرتے ہیں گویا یہ بھی ایک بنیادی ضرورت ہے لاحول و ....

شریعتِ مطہرہ نے ہر موقع پر مسلمان کو اعتدال و میانہ روی کی تعلیم دی ہے عباد الرحمٰن کی ایک نمایاں خصوصیت بیان کی گئی: "اور جب وہ خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے" (۲۵-۶۷) اور فضول خرچ لوگوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا — انہی میں ایک رسم سوئیوں کی ہے۔ عید الفطر کے روز عید سے پہلے کھجوریں کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔[1] اس لئے فقہاء نے اس موقع پر کھجور یا کوئی سی میٹھی چیز کھانا مستحب لکھا ہے، مگر ساتھ ہی تصریح کی ہے کہ کوئی دوسری چیز کھانے میں بلکہ کچھ نہ کھانے میں بھی حرج نہیں، لوگوں نے سوئیوں کو اس عید کا ایک لازمی جزء بنالیا ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

عید الفطر میں سوئیاں پکانا فی نفسہٖ مباح ہے مگر لوگوں نے اس میں خرابیاں پیدا کرلی ہیں ۱- اس کو ضروری سمجھتے ہیں حتیٰ کہ اگر سوئیاں نہ پکائی جائیں تو گویا عید ہی نہیں ہوتی ایسے التزام و اہتمام کا خلافِ شرع ہونا اوپر مذکور ہو چکا ہے ۲- اس پابندی کی بدولت یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ اگر پاس خرچ نہ ہو تو قرض لے کر گو سودی ہی ملے ضرور اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ ۳- اس کی نسبت ایک موضوع روایت مشہور کی ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے آٹا پکا کر مروڑیاں جمع کر کے سوئیاں پکائی تھیں یہ محض تہمت ہے کہیں ثابت نہیں (اصلاح الرسوم ص۱۳۴)

③ بوقتِ ملاقات مصافحہ کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ

[1] احمد، بخاری۔

سے ثابت ہے، سفر سے واپسی پر معانقہ کرنا بھی ثابت ہے مگر خاص جمعہ عیدین یا عام نمازوں کے بعد مصافحہ کی رسم کہیں ثابت نہیں نہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم سے، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے، نہ بعد کے اسلاف سے۔ درحقیقت یہ بدعت روافض نے ایجاد کی، ان سے لاشعوری میں مسلمانوں نے لی آخر رفتہ رفتہ مسلمانوں میں ایسی پھیل گئی کہ اس میں شیعہ مسلم امتیاز اٹھ گیا، اس بدعت پر قدغن لگانا علماء بالخصوص ائمہ وخطباء حضرات کا فرض منصبی ہے۔ اکابرامت کے فتاویٰ اس بارہ میں ملاحظہ ہوں

(۱) ملاعلی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ: مشروع مصافحہ کا موقع ابتداء ملاقات ہے لیکن (ہوتا یوں ہے کہ) لوگ مل بیٹھتے ہیں اور مصافحہ نہیں کرتے، بہت دیر تک آپس ہی باتیں کرتے اور مذاکرۂ علم وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں (مگر مصافحہ کا خیال نہیں آتا) پھر جونہی نماز سے فارغ ہوتے ہیں آپس میں مصافحہ کرنے لگتے ہیں اس رسم کا مسنون مصافحہ سے کیا تعلق؟ اس لئے ہمارے بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ اس موقع پر مصافحہ مکروہ اور مذموم بدعت ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح ص۷۴ ج ۹)

(۲) علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ: نمازوں کے بعد مصافحہ بہر صورت مکروہ ہے، اس لئے کہ صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے کسی نماز کے بعد مصافحہ نہ کیا نیز یہ روافض کا شعار ہے، حضرات شوافع سے بھی یہی منقول ہے کہ یہ رسم بے اصل اور مکروہ بدعت ہے اس کے مرتکب کو پہلے تنبیہ کی جائے اگر باز نہ آئے تو تعزیر لگائی جائے (رد المحتار ص۳۸۱ ج ۶)

(۳) علامہ عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ: اس میں شک نہیں کہ یہ طریقہ سلف صالحین کے خلاف ہے لہٰذا اس کو ترک کرنا اور مسنون طریقہ اختیار

کرنا ضروری ہے۔

(۴) حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ: عیدین میں معانقہ کرنا بدعت ہے (فتاویٰ رشیدیہ ص۱۳۸)

(۵) حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ: مصافحہ بعد عیدین یا بعد نمازِ پنجگانہ مکروہ وبدعت ہے۔ شامی میں اس کی تصریح موجود۔

(امداد الفتاویٰ ص۴۸۱ ج ۱)

(۶) حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ: نماز عیدین یا دیگر نمازوں کے بعد تخصیص مصافحہ کی کرنا اور اُسی وقتِ خاص میں اس کو سنت جاننا اور معمول بہ ٹھہرانا بعض فقہاء نے منع لکھا ہے اور تبیینِ محارم میں اس کو روافض کے طریقہ سے لکھا ہے اور مکروہ فرمایا ہے (عزیز الفتاویٰ ص۱۲۸)

(۷) حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ: عیدین یا جمعہ کی تخصیص سے مصافحہ ومعانقہ کرنا کئی وجہ سے مکروہ اور بدعت ہے، اول یہ کہ بسا اوقات یہ تخصیص جہلا کے فسادِ اعتقاد کا باعث ہو جاتی ہے، دوم یہ کہ یہ طریقہ روافض کا تھا کہ بعد نماز مصافحہ کرتے تھے اور آج ہمارے زمانے میں علاوہ مشابہت بالروافض مشابہت بالہنود بھی ہے کہ وہ اپنی ہولی کے روز ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں، سوم یہ کہ مصافحہ کا مسنون وقت وقتِ ملاقات ہے (کفایت المفتی ص۲۲ ج ۹)

(۸) حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ: یہ بدعت ہے اور اور شعارِ روافض ہے، ترک کرنا چاہیئے (امداد المفتیین ص۲۰۳)

(۹) حضرت مفتی عبد الکریم صاحب گمتھلوی اور مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ: عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ کا جو رواج ہے یہ بدعت ہے (امداد الاحکام ص۹۶ ج۱)

(۱۰) مرشدی قبلہ حضرت مفتی رشید احمد صاحب زاد مجدہم:
یہ طریقہ اختیار کرنا بدعت اور مکروہ ہے۔ (احسن الفتاوی ص ۳۵۴ ج ۱)
شریعت میں مصافحہ کا موقع صرف اول ملاقات ہے، نمازوں کے بعد مصافحہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام اور ائمۂ دین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت نہیں بلکہ یہ روافض کی ایجاد اور بدعت ہے (ایضاً ص ۳۵۵ ج ۱)

(۱۱) حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی زاد مجدہم: مصافحہ کے لئے شریعت نے ابتداء ملاقات کا وقت تجویز کیا ہے کسی نماز کے بعد اس کا وقت تجویز کرنا شرعاً بے دلیل ہے، غلط ہے، بدعتِ مکروہہ ہے، طریقۂ روافض ہے (فتاوی محمودیہ ص ۲۳ ج ۱)

(۱۲) حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری: مجالسِ ابرار ص ۲۹۸ کے حوالہ سے فرماتے ہیں ملاقات کے علاوہ کسی اور وقت جیسے جمعہ یا عیدین کے بعد جیسا کہ اس زمانہ میں لوگوں کی عادت ہوگئی ہے، تو حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے لہٰذا یہ ایک بے دلیل فعل ہے اور یہ اپنے مقام پر ثابت اور محقق ہے کہ جس فعل کی دلیل نہ ہو وہ مردود ہے، قابلِ عمل نہیں۔
(فتاوی رحیمیہ ص ۲۷ ج ۳)

یہاں مزید دو مسئلوں کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے ایک یہ کہ کوئی شخص اس موقع پر ملنے کے لئے آگے بڑھے تو ہاتھ کھینچ لینے کے بجائے اس وقت اس سے مل لیا جائے اور بعد میں مناسب انداز سے اصلاح کی جائے چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کوئی مسلمان اس موقع پر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے تو اس سے اعراض مناسب نہیں کہ اس سے اُسے تکلیف ہوگی جس سے بچنا مستحب کی رعایت سے بڑھ کر اہم ہے۔
(مرقاہ ص ۷۴ ج ۹)

دوسرا مسئلہ یہ کہ بعض اکابر نے لکھا ہے کہ کسی سے ملاقات ہی عید کے موقع پر ہو تو مصافحہ جائز ہے کہ یہ عید کی مناسبت سے نہیں بلکہ مصافحۂ ملاقات ہے۔ لیکن قبلہ حضرت مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: اگر کسی سے ملاقات ہی بعد نماز کے ہوئی تو اس سے (معانقہ ومصافحہ جائز ہے مگر تشبہ بالبدعۃ اور اس کی تائید کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے اس سے بھی اجتناب کرنا چاہئے

(احسن الفتاوی ص۳۵۴ ج۱)

④ ایک رسم "عید مبارک" کہنے کی ہے۔ یہ کلمۂ تبریک وتہنیت ہے اس لئے بظاہر اس کے کہنے میں مضایقہ نہیں مگر لوگوں نے اس کا بھی ہر جگہ التزام کر لیا ہے، اس لئے علماء اس سے منع کرتے ہیں۔ یوں اس موقع پر کوئی سا دعائیہ جملہ کہہ دیا جائے اس کی ممانعت نہیں۔ سیدی قبلہ حضرت مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم "عید مبارک" کے متعلق فرماتے ہیں: شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور عوام میں اس کا التزام ہونے لگا ہے اس لئے مکروہ ہے اور اگر اسے ثواب بھی سمجھا جاتا ہو تو شریعت میں زیادتی اور بدعت ہونے کی وجہ سے سخت گناہ ہے (احسن الفتاوی ص۳۸۳ ج۱)

دوسری جگہ (عربی عبارت نقل کرنے کے بعد) فرماتے ہیں: حاصل یہ کہ دعاء تقبّل اللہ منا و منک کے ثبوت وجواز میں اختلاف ہے، ثبوت راجح ہے۔ اس پر قیاس کر کے "عید مبارک" کے جواز کا قول کیا گیا ہے، اس لئے ان الفاظِ مخصوصہ کی تعیین اور ایسا التزام کہ حکم شرع ہونے کا اشتباہ ہو مکروہ ہے اسی لئے علماء وصلحاء کا تعامل نہیں، مطلق دعاء جائز و مستحسن ہے (ایضاً ص۳۸۲ ج۱)

نمازِ عیدین

① عید الفطر کے دن یہ کام مستحب ہیں صبح سویرے جاگنا، نمازِ فجر مسجد محلہ میں ادا کرنا، غسل کرنا، مسواک کرنا اور عمدہ لباس پہننا خواہ نیا ہو یا دھلا ہوا، خوشبو لگانا، عیدگاہ اول وقت پہنچنا، نمازِ عید سے پہلے پہلے صدقۃ الفطر ادا کر دینا، پیدل چل کر عیدگاہ پہنچنا، سوار ہونے میں بھی مضایقہ نہیں مگر تندرست آدمی کے لئے فضیلت پیدل چلنے میں ہے۔ عیدگاہ جانے کے لئے ایک راستہ اور واپسی کے لئے دوسرا راستہ اختیار کرنا، عیدگاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا کھجوریں ہوں تو بہتر ہے اور افضل یہ ہے کہ طاق عدد کھائی جائیں مثلاً تین، پانچ، سات۔ ورنہ جو میٹھی چیز میسر ہو کھا لی جائے، لیکن کچھ نہ کھانے میں بھی کوئی گناہ نہیں، ایسی صورت میں نمازِ عید کے بعد کچھ کھا لینا چاہئے۔ شام تک کچھ نہ کھانے پینے میں گناہ کا اندیشہ ہے (اور روزہ کی نیت سے ایسا کرنا سخت گناہ ہے) عیدگاہ کی طرف سکون اور وقار سے چلنا اس بات کا خاص اہتمام کرتے ہوئے کہ کسی غلط جگہ پر نظر نہ پڑے، راستہ بھر آہستہ آواز سے تکبیریں کہتے جانا اور عیدگاہ پہنچ کر تکبیریں ختم کر دینا[1]، گھر

---

[1] اور بعض علماء کے نزدیک جب تک امام نماز شروع نہ کرے تکبیریں ختم نہ کی جائیں:
فاذا انتہی الی المصلی یترک وفی روایۃ لا یقطعھا مالم یفتتح الامام الصلوٰۃ....
وجزم فی البدائع بالاولی وعمل الناس فی المساجد علی الروایۃ الثانیۃ،
(البحر الرائق ص۱۶۳ ج ۲ رد المحتار ص۱۷۶ ج ۲) لیکن نماز سے پہلے اگر امام وعظ کہے (جیسا کہ آج کل عام دستور ہے) تو حاضرین کو تکبیروں کے بجائے متوجہ ہو کر وعظ سننا چاہئے۔

لوٹ کر چار رکعت نفل ادا کرنا (عالمگیریہ ص۱۴۹ ج ا وعامۃ الفتاوٰی)[1]

② مذکورہ بالا تمام کام عید الاضحیٰ کے دن بھی مستحب ہیں مگر اس میں عیدگاہ جاتے ہوئے تکبیریں بلند آواز سے کہنا مستحب ہے، نیز اس میں نمازِ عید سے پہلے کچھ کھانا پینا مستحب ہے اور یہ کہ نمازِ عید کے بعد سب سے پہلے قربانی کا گوشت کھائے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کی مہمانی ہے۔ (حوالہ بالا)

③ عوام قربانی تک بھوکا پیاسا رہنے کو روزہ کا نام دیتے ہیں یہ جہالت کی بات ہے، روزہ تو پورے دن کا ہوتا ہے اور عید کے دن تو یوں بھی روزہ رکھنا حرام ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

بعض عوام کہتے ہیں کہ بقر عید کے روز قربانی کرنے تک روزہ سے رہے یہ محض بے اصل ہے، البتہ اپنی قربانی سے کھانا مستحب ہے لیکن وہ روزہ نہیں ہے نہ اس میں روزہ کا ثواب ہے، نہ اس میں روزہ کی نیت ہے، (اغلاط العوام ص۱۰۱)

④ عیدگاہ شہر سے باہر ہونا سنتِ مؤکدہ ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز ہمیشہ باہر ادا فرماتے تھے بلکہ معذورین کو بھی ساتھ لیجانے کا اہتمام فرماتے تھے، صرف ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے باہر تشریف نہیں لے جاسکے رواہ ابوداؤد فی سننہ۔ اس لئے اصل حکم یہی ہے کہ عید کے لئے شہر سے باہر ایک ہی جگہ اجتماعِ عظیم ہو اس میں شوکت اسلام کا مظاہرہ بھی ہے، مگر بڑے شہروں سے باہر نکلنا مشکل ہے اس لئے شہر کے اندر بڑے میدان میں یا بوقت ضرورت مسجد میں ادا کرنا بلا کراہت

---

[1] بعض فقہاء نے ان تمام باتوں کو سنت شمار کیا: وعدّ سائر المستحبات المذکورۃ هنا فی بعض الکتب سنۃ اھ (البحر الرائق ص۱۵۸ ج ۲)

درست ہے لیکن حتی الامکان لازم ہے کہ ہر محلہ میں چھوٹے چھوٹے اجتماعات کی بجائے ایک مقام پر بڑے اجتماع کی کوشش کی جائے۔

(احسن الفتاوی ص۱۲۹ ج ۴ ومثلہ فی رد المحتار ص۱۶۹ ج ۲ وامداد الفتاوی ص۶۷۲ ج ۱ وامداد الاحکام ص۷۳۲ ج ۱ وغیرھا)

⑤ نمازِ عید سے پہلے نفل پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے خواہ گھر میں پڑھے یا عیدگاہ میں، حتی کہ عورت بھی گھر میں نوافل پڑھنا چاہے تو نمازِ عید کے بعد پڑھے اور نمازِ عید کے بعد فقط عیدگاہ میں نماز مکروہ ہے (رد المحتار ص۱۶۹ ج ۲ وغیرہ)

⑥ قضاء نماز، نمازِ عید سے پہلے پڑھ سکتے ہیں، اگر کسی کی اسی روز کی نماز فجر قضاء ہوگئی تو نمازِ عید سے پہلے اس کی قضاء پڑھ لینے میں کوئی مضایقہ نہیں اگرچہ صاحبِ ترتیب کے لئے اسے نماز عید سے پہلے پڑھنا ضروری بھی نہیں، فجر پڑھے بغیر بھی اس کی نمازِ عید درست ہے۔ اسی طرح سابقہ نمازوں کی قضاء بھی نماز عید سے پہلے پڑھی جاسکتی ہے مگر اولیٰ یہ ہے کہ نمازِ عید کے بعد پڑھی جائے۔ (الفتاوی التتارخانیہ ص۹۷ ج ۲ عالمگیریہ ص۱۵۰ ج ۱)

⑦ آفتاب طلوع ہوکر قدر نیزہ بلند ہوجائے تو نمازِ عیدین کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور آفتاب ڈھلنے سے پہلے پہلے تک (جب تک آفتاب عین سر پر نہ آجائے) رہتا ہے، اگر دورانِ نماز وقت ختم ہوگیا تو نمازِ عید نہ ہوئی بلکہ یہ دوگانہ نفل ہو جائے گا

اور مستحب یہ ہے کہ نمازِ عید الاضحیٰ جلدی ادا کی جائے تاکہ لوگ جلد قربانی کرسکیں اور نماز عید الفطر قدرے تاخیر سے ادا کی جائے تاکہ لوگ نماز سے پہلے فطرانہ ادا کرلیں (رد المحتار ص۱۷۰ ج ۲)

⑧ اگر کسی عذر سے نماز عید الفطر پہلے روز ادا نہ کی جاسکی یا پڑھنے

کے بعد معلوم ہوا کہ نماز نہ ہوئی مثلاً امام کا وضو نہ تھا یا نماز کا وقت نکل چکا تھا (بے وقت پڑھی گئی) تو دوسرے روز آفتاب ڈھلنے سے پہلے ادا کی جائے اگر دوسرے روز تک بلا عذر مؤخر کی گئی یا عذر سے تیسرے روز تک مؤخر کی گئی تو نماز جائز نہیں۔ اور نمازِ عید الاضحیٰ کسی عذر سے رہ گئی تو آفتاب ڈھلنے سے پہلے پہلے دوسرے اور تیسرے روز بھی پڑھی جاسکتی ہے، بلا عذر بھی تیسرے روز تک پڑھی جاسکتی ہے مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔

(الجوہرۃ النیرۃ ص۱۲ ج۱، عالمگیریہ ص۱۵۱ ج۱)

⑨ اگر کوئی شخص نمازِ عید کی جماعت سے رہ گیا تو کوشش کرکے دوسری جگہ ادا کرلے، اس لئے کہ ایک شہر میں متعدد مقامات پر نمازِ عید بالاجماع جائز ہے، اگر کسی امام کی اقتدا میں بھی ادا نہ کرسکا، یا نماز شروع کرنے کے بعد فاسد کردی تو اکیلے اس کی قضاء نہیں پڑھ سکتا، البتہ گھر لوٹ کر چار رکعت نفل پڑھ لے تو بہتر ہے وھو مروی عن ابن مسعود (البحر الرائق ص۱۶۳ ج۲ وغیرہ)

⑩ کئی آدمی اگر جماعتِ عید سے چوک گئے تو کسی دوسری مسجد یا جامع مسجد۔ جس میں پہلے عید کی جماعت نہ ہوئی ہو۔ میں اپنی الگ جماعت کرکے پڑھ سکتے ہیں۔ (کذافی امداد الفتاویٰ ص۴۳۴ ج۱)

(جس جگہ ایک بار جماعت ہوچکی ہو وہاں دوبارہ جماعت نہ کی جائے) ایک عیدگاہ میں عید کی نماز دوبارہ پڑھنے سے نماز صحیح تو ہو جائے گی مگر جن عوارض کی وجہ سے مسجد میں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے وہ یہاں بھی ہیں بلکہ ایک قبحت امزید ہے کہ انتظام میں خلل اور عوام میں انتشار کا خطرہ ہے، اس لئے یہ لوگ عیدگاہ کی بجائے کسی دوسرے مقام میں عید کی جماعت کریں۔ (احسن الفتاویٰ ص۱۳۵ ج۴)

نماز عید ایک موقع میں مکرر پڑھنا درست نہیں، ہاں چند مواضع میں جائز

ہے جیساکہ جمعہ چند مسجدوں میں جائز ہے۔ ایک موضع میں دو مرتبہ نمازِ عید ادا کرنے کی شریعت میں کوئی اصل ہماری نظر سے نہیں گذری لہٰذا اس ابتداع سے بچنا چاہئے (امداد الاحکام صـ۲۴۲ ج ۱)

(۱۱) اگر نمازِ عید اور جنازہ جمع ہوجائیں تو بالترتیب پہلے نمازِ عید پھر نمازِ جنازہ پھر خطبہ پڑھا جائے (عالمگیریہ صـ۱۵۲ ج ۱)

(۱۲) عیدین کی نماز ہر اس مسلمان پر واجب ہے جس پر جمعہ فرض ہے، یعنی ہر عاقل، بالغ، تندرست مسلمان مرد پر جو شہر یا بڑے قصبہ میں مقیم ہو، فرق اتنا ہے کہ خطبہ جمعہ کے لئے فرض اور عیدین کے لئے سنتِ مؤکدہ ہے (عامۃ الکتب) لیکن خطبۂ جمعہ کی طرح اس کا ـــ بلکہ ہر خطبہ کا ـــ سُننا واجب ہے[1]

وہ لوگ سخت غلطی کا شکار ہیں جو چھوٹے دیہاتوں میں جمعہ و عید پڑھتے ہیں ایسی جگہوں میں نہ جمعہ ہوتا ہے نہ عید ہوتی ہے، یہ گویا نوافل کی جماعت ہے اور دن کے نوافل میں قراءت بھی جہراً کی جاتی ہے، نیز جمعہ کے دن نمازِ ظہر عمداً ترک کی جاتی ہے۔ غرض یہ عمل کئی مفاسد کا مجموعہ ہے۔

بعض حضرات یہ سوچ کر اپنے تئیں مطمئن رہتے ہیں کہ دیہات میں جمعہ وعید کا عدمِ جواز ایک مجتہد فیہ مسئلہ ہے، گو احناف کے نزدیک جائز نہیں مگر دوسرے ائمہ کے نزدیک تو جائز ہے، قطع نظر اس سے کہ بلا اضطرار مذہب سے خروج کسی مذہب میں جائز نہیں۔ یہ المیہ ان حضرات کے بھی علم و مشاہدہ میں ہے کہ آج کل لوگوں نے چھوٹی چھوٹی بستیوں میں ہی نہیں جنگلوں، صحراؤں اور ویرانوں میں بھی جمعہ شروع کر رکھا ہے جہاں کسی مذہب میں بھی اس کا جواز نہیں۔ مذاہب اربعہ میں سے ہر

---

[1] وکذا یجب الاستماع لسائر الخطب کخطبۃ نکاح وخطبۃ عید وختم علی المعتمد (درمختار مع ردالمحتار صـ۱۵۹ ج ۲)

مذہب میں جوازِ جمعہ وعید کے لئے مخصوص شرائط ہیں[1] مگر افسوس کہ ان حضرات کی ڈھیل سے ملک بھر میں اس قسم کے لاتعداد مقامات پر لوگوں نے جمعہ شروع کر رکھا ہے جہاں مذاہبِ اربعہ میں سے کسی ایک مذہب میں بھی جمعہ نہیں ہوتا بلکہ نمازِ ظہر فرض ہے۔

(۱۳) نمازِ عید کا طریقہ یہ ہے کہ (صفیں اچھی طرح درست کرنے کے بعد) دل میں یہ نیت کرے اور چاہے تو زبان سے بھی کہہ لے کہ اس امام کی اقتداء میں اللہ تعالیٰ کے لئے نمازِ عید ادا کرتا ہوں، پھر امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لے پھر امام ومقتدی ثناء پڑھیں، ثناء کے بعد دونوں تین زائد تکبیریں کہیں، اور ہر تکبیر پہ ہاتھ کانوں تک اٹھائیں، دو تکبیروں کے درمیان ہاتھ چھوڑ دیں اور اس دوران امام تین تسبیح کی مقدار توقف کرے، یہ مقدار مجمع کی کمی بیشی کے پیش نظر مختلف بھی ہو سکتی ہے، اصل مقصد یہ ہے کہ لوگ اشتباہ میں نہ پڑیں اور تکبیروں میں ٹکراؤ نہ پیدا ہو، اس کے بعد امام تعوذ، تسمیہ اور فاتحہ وسورت پڑھ کر عام جہری نمازوں کی طرح یہ رکعت پوری کرے۔

دوسری رکعت میں اٹھ کر پہلے قرارت کرے پھر ہاتھ اٹھا کر حسب سابق امام ومقتدی تین زائد تکبیریں کہیں، اس کے بعد ہاتھ اٹھائے بغیر چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع میں جائیں، یہ تکبیر بھی زائد تکبیروں کی طرح واجب ہے، مستحب یہ ہے کہ امام پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃ الغاشیہ پڑھے اقتداءً بہ صلی اللہ علیہ وسلم فی العیدین والجمعۃ۔ (عامۃ الکتب)

(۱۴) نماز کے بعد امام اٹھ کر دو خطبے پڑھے، خطبۂ عید کے سنن وآداب اور

---

[1] جن کی تفصیل احسن الفتاویٰ ص۱۶۵ ج ۴ اور دیگر متعلقہ کتب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

مکروہات وہی ہیں جو خطبۂ جمعہ کے ہیں، البتہ خطبۂ عیدین کی ابتدا میں تکبیریں کہنا مسنون ہے اور مستحب ہے کہ پہلے خطبہ کی ابتداء میں نو تکبیریں اور دوسرے خطبہ کی ابتداء میں سات تکبیریں کہے، نیز خطبۂ جمعہ سے پہلے امام کو منبر پر بیٹھنا مسنون ہے جبکہ عیدگاہ میں منبر لانا ہی مکروہ ہے، اگر کوئی امام منبر پر بیٹھ کر خطبۂ عید دے بھی تو خطبہ سے پہلے بیٹھنا مسنون نہیں

خطبۂ عید الفطر تکبیر و تسبیح، تہلیل و تحمید اور درود شریف کے علاوہ احکام صدقۃ الفطر پر مشتمل ہونا چاہیئے کہ یہ کس پر واجب ہے، اس کے مستحق کون ہیں؟ کب واجب ہوتا ہے؟ اور کتنی مقدار میں؟ اور کس کس مال سے؟

خطبۂ عید الاضحیٰ میں تکبیر و تسبیح اور وعظ و نصیحت کے علاوہ احکام ذبح و قربانی اور تکبیراتِ تشریق کی تفصیل بیان کی جائے۔

(عالمگیریہ ص۱۵۰ ج ۱ و عامۃ الفتاویٰ)

(۱۵) یہ مسئلہ پیچھے گذر چکا کہ ہر خطبہ کا سُننا واجب ہے، اس دوران اگر کوئی بولے یا سلام کرے تو جواب دینا بھی جائز نہیں بلکہ بولنے والے کو زبان سے منع کرنا بھی ممنوع ہے إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَنْصِتْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ۔ (متفق علیہ) البتہ اشارہ سے ایسے شخص کو منع کر دینا چاہیئے اور خطیب زبان سے منع کر دے۔ خطبۂ عیدین کے دوران کئی لوگ باتیں شروع کر دیتے ہیں اور سائل مانگنا شروع کر دیتے ہیں کسی کی بات کا جواب دینا یا ایسے سائلوں کو کچھ دینا حرام ہے بلکہ اشارہ کرکے یا ممکن ہو تو ہاتھ سے پکڑ کر انہیں بٹھا دینا چاہیئے۔ کئی لوگ درود شریف آواز سے پڑھنا شروع کر دیتے ہیں یہ بھی ممنوع ہے۔ آیت إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ

يُصَلُّوْنَ .... یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گرامی سن کر دل میں درود شریف پڑھنا چاہیئے۔عہ

مسائلِ متفرقہ

(۱۶) دوسری رکعت میں زائد تکبیروں کو قرات سے مؤخر کرنا اولیٰ ہے واجب نہیں، لہذا اگر غلطی سے امام نے یہ تکبیریں پہلے کہدیں تب بھی نماز بلا کراہت ہوگئی (البحر الرائق ص۱۶۱ ج۲ رد المحتار ص۱۷۳ ج۲)

(۱۷) اگر کوئی شخص ایسے وقت پہنچا کہ امام تکبیروں سے فارغ ہوکر قرات شروع کرچکا ہے تب بھی یہ مقتدی نیت باندھ کر پہلے زائد تکبیریں کہہ لے اور امام کو رکوع میں پایا تو اگر رکوع نکل جانے کا اندیشہ نہ ہو تو نیت باندھ کر پہلے زائد تکبیریں کہے پھر رکوع میں جائے اور اگر رکوع نکلنے کا اندیشہ ہو تو تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں جھک جائے اور ہاتھ اٹھائے بغیر رکوع ہی

عہ قال فی الدر: (اذا خرج الامام) من الحجرۃ ان کان والّا فقیامہ للصعود شرح المجمع (فلا صلاۃ ولا کلام الی تمامہا) ..... (وکل ما حرم فی الصلاۃ حرم فیہا) ای فی الخطبۃ خلاصۃ وغیرہا فیحرم اکل وشرب وکلام ولو تسبیحاً او رد سلام او امراً بمعروف بل یجب علیہ ان یستمع ویسکت ..... والاصح انہ لا بأس بان یشیر برأسہ او یدہ عند رؤیۃ منکر والصواب ان یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند سماع اسمہ فی نفسہ ولا یجب تشمیت ولا رد سلام بہ یفتی وقال فی الرد تحت قول الماتن (ولا کلام) وکذلک اذا ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یجوز ان یصلی علیہ بالجہر بل بالقلب وعلیہ الفتوی رملی ......(قولہ او امر بمعروف) الا اذا کان من الخطیب کما قدمہ الشارح (رد المحتار ص۱۵۹ ج۲)

میں تینوں تکبیریں کہہ لے، اور رکوع کی تسبیحات سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم بھی پڑھے، اگر دونوں کو جمع کرنا ممکن نہ ہو تو صرف تکبیریں کہہ لے اور تسبیحات چھوڑ دے کہ تکبیریں واجب اور تسبیحات سنّت ہیں والاشتغال بالواجب اولیٰ۔ البتہ تکبیریں پوری کرنے سے پہلے ہی امام نے رکوع سے سر اٹھا لیا تو یہ بھی بقیہ تکبیریں چھوڑ کر امام کا اتباع کرے۔

(بدائع الصنائع ص۲۷۸ ج ۱۔ عالمگیریہ ص۱۵۱ ج ۱)

⑱ اگر امام کو دوسری رکعت کے رکوع میں پایا تو اس رکعت کی زائد تکبیروں کے متعلق وہی تفصیل ہے جو اوپر کے مسئلہ میں درج کی گئی۔ یعنی ممکن ہو تو کھڑے کھڑے تینوں تکبیریں کہے پھر رکوع میں جائے، ورنہ رکوع میں ہی ہاتھ اٹھائے بغیر تکبیریں کہہ لے، اور گئی ہوئی رکعت کی ادائیگی میں پہلے قراءت کرے پھر زائد تکبیریں کہے۔ (رد المختار ص۱۷۴ ج ۲ وغیرہ)

اگر کسی کی دونوں رکعتیں نکل گئیں اور سلام سے پہلے پہلے امام کو مل گیا تو بھی اس کی شمولیت صحیح ہے، اب امام کے سلام پھیرنے کے بعد اٹھ کر حسبِ قاعدہ دونوں رکعتیں پڑھے اور تکبیریں اپنے اپنے مقام پر کہے (عالمگیریہ ص۱۵۱ ج ۱)

⑲ امام زائد تکبیریں بھول کر رکوع میں آگیا تو یاد آنے پر رکوع ہی میں یہ تکبیریں کہہ لے، رکوع چھوڑ کر قیام کی طرف نہ لوٹے، لوٹ آیا تب بھی نماز ہو جائے گی عہ

عہ مسئلہ اکابر فقہاء میں مختلف فیہ ہے، ظاہر الروایہ یہی ہے کہ تکبیریں رکوع میں کہہ لے، علامہ شامی اور دیگر کئی اکابر فقہاء نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے، اس میں دو قول اور بھی ہیں (قولہ فی ظاہر الروایۃ) تبع فیہ المصنف فی المنح والذی فی البحر والحلیۃ ان ظاہر الروایۃ انہ لایکبر فی الرکوع ولایعود الی القیام زاد فی الحلیۃ وعلی ما ذکرہ الکرخی ومشی علیہ فی البدائع وھو روایۃ النوادر یعود الی القیام ویکبر ویعید الرکوع دون القراءۃ اھ وھذہ الروایۃ ایضا تخالف ما فی المتن ...... ولکن حیث تثبت ظاہر الروایۃ لایعدل عنہ وعلی ما فی المتن اھ (رد المحتار ص۱۷۴ ج ۲)

(۲۰) عام نمازوں کی مانند جمعہ وعیدین میں بھی ترک واجب سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے، لیکن ان میں بلکہ کسی بھی نماز میں اگر مجمع بہت زیادہ ہو اور سجدۂ سہو کرنے سے لوگوں میں فساد وانتشار کا اندیشہ ہو تو بہتر ہے کہ ایسے موقع پر سجدۂ سہو نہ کیا جائے۔ (عالمگیریہ صـ۱۲۸ ج ۱ ردالمحتار صـ۹۲ ج ۲)

(۲۱) نو ذی الحجہ سے تیرہ ذی الحجہ کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد ایک بار تکبیراتِ تشریق یعنی " اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ " کہنا واجب ہے اور یہ تکبیریں ہر مسلمان پر واجب ہیں خواہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد اور خواہ مقیم ہو یا مسافر، مرد ہو یا عورت شہری ہو یا دیہاتی۔ البتہ عورت آہستگی سے کہے اور مرد متوسط آواز سے یہ تکبیریں ہر فرض نماز (یعنی جمعہ وفرائض) کے بعد ہیں، سنن ونوافل کے بعد نہیں، صحیح قول کے مطابق نمازِ عید کے بعد بھی کہی جائیں[1]۔ مسبوق ولاحق بھی بقیہ نماز سے فراغت پر تکبیریں کہیں گے (البحر الرائق صـ۱۶۴ ج ۲ وغیرہ)

(۲۲) چونکہ یہ تکبیریں سلام پھیرنے کے متصل بعد واجب ہیں اس لئے اگر سلام پھیر کر کوئی ایسا کام کر لیا جو نماز کے منافی ہے مثلاً آواز سے ہنس پڑا یا عمداً وضو توڑ دیا یا کلام کیا خواہ عمداً یا سہواً یا مسجد سے نکل گیا یا کھلے میدان میں نماز پڑھی اور صفوں سے باہر نکل گیا تو ان تمام صورتوں میں تکبیریں ساقط ہو جائیں گی (اس پر استغفار ضروری ہے)۔ ہاں اگر سلام پھیر کر چہرہ قبلہ سے پھیر لیا اور مسجد سے نہیں نکلا، یا میدان میں نماز پڑھ کر صفوں کی حدود سے ابھی نہیں نکلا، یا سلام کے بعد بلا قصد وضو ٹوٹ گیا تو تکبیریں کہدے تکبیریں کہنے کے لئے وضو کرنا ضروری نہیں، مقتدی امام کے ساتھ تکبیریں

---

[1] احسن الفتاویٰ میں ہے کہ: نماز (عید) کے بعد تکبیرِ تشریق بالاتفاق ثابت وجائز ہے البتہ وجوب واستحباب میں اختلاف ہے، قولِ وجوب راجح ہے۔ (صـ۱۳۵ ج ۴)

کہیں، اگر امام بھول جائے تو مقتدی تکبیریں کہدیں۔ (حوالہ بالا)[1]

(۲۳) اگر ایامِ تشریق کی کوئی نماز قضا ہوگئی اور ایامِ تشریق ہی میں اس کی قضاء کی تو اس کے بعد بھی تکبیریں کہنا ضروری ہے، ہاں سابقہ ایام کی قضاء نمازیں کوئی ایامِ تشریق میں پڑھے یا ان ایام کی قضاء نمازیں ان ایام کے گذرنے کے بعد پڑھے تو تکبیریں نہ کہے (حوالہ بالا)

(۲۴) (تکبیریں ایک بار کہی جائیں یا زائد بار؟ اس میں اختلاف ہے، ایک سے زائد بار کہنے کو) بعض خلافِ سنّت فرماتے ہیں اور بعض جائز، اختلاف سے بچنے کے لئے ایک بار سے زیادہ نہیں کہنا چاہیئے (احسن الفتاوی صہ ۱۵۲ ج ۴)

(۲۵) کوئی شخص بیرونِ ملک نمازِ عید پڑھ کر آیا تو وہ پاکستان میں بھی آکر عید پڑھا سکتا ہے۔ معہٰذا احوط یہ ہے کہ عید کی امامت نہ کرے، بلکہ بصورتِ اقتداء نمازِ عید ادا کرے۔ (ملخص احسن الفتاوی صہ ۱۳۴ ج ۴)

شرائط وجوب قربانی

(۲۶) قربانی ان شرطوں سے واجب ہوتی ہے: (۱) مسلمان ہونا (غیر مسلم پر قربانی نہیں) (۲) مقیم ہونا (مسافر پر قربانی واجب نہیں) (۳) آزاد ہونا (غلام پر قربانی نہیں) (۴) بالغ ہونا (نابالغ پر قربانی واجب نہیں) (۵) عاقل ہونا (مجنون پر قربانی واجب نہیں) ہاں! اگر ایامِ قربانی میں مجنون کو افاقہ ہو تو قربانی واجب ہے (۶) تونگری۔ (نادار و مسکین پر قربانی واجب نہیں)

(بدائع الصنائع صہ ۶۳ ج ۵ وعامۃ الکتب)

---

[1] اگر کوئی شخص سلام پھیر کر بیٹھا رہا اور تکبیریں بھول گیا تو یاد آنے پر کہنا واجب ہیں جب تک کوئی فعل منافی صلاۃ نہ کیا۔ (کذا فی احسن الفتاوی صہ ۱۳۲ ج ۴)

(۲۷) مذکورہ شرائط کا پورے وقتِ قربانی میں پایا جانا ضروری نہیں، بلکہ وقتِ وجوب کے آخری جزء میں بھی اگر کسی میں یہ شرطیں پائی گئیں تو اس پر قربانی واجب ہے۔ یعنی اگر ۱۲، ذی الحجہ کی شام میں غروبِ آفتاب سے ذرا پہلے کوئی کافر مسلمان ہوگیا یا مسافر وطن لوٹ آیا یا غلام آزاد ہوگیا یا بچہ بالغ ہوگیا یا فقیر تونگر بن گیا تو ان پر قربانی واجب ہو جائے گی جبکہ بقیہ شرطیں بھی ان میں پائی جائیں اور اس میں مرد و عورت کا حکم یکساں ہے۔ (حوالہ بالا)

(۲۸) اگر ابتداء ایام میں کسی پر قربانی واجب تھی مگر آخر میں کوئی شرط فوت ہوگئی تو اس پر قربانی واجب نہ رہی۔ مثلاً مسلمان آخر وقت میں عیاذاً باللہ مرتد ہوگیا یا تونگر تنگدست بن گیا یا مقیم مسافر بن گیا تو قربانی ان پر واجب نہ رہی۔

اور کسی فقیر نے قربانی کردی پھر آخر وقت میں تونگر بن گیا تو اس پر نئے سرے سے قربانی واجب ہے۔

اور حاجی جو مسافر ہوں ان پر قربانی واجب نہیں اور مقیم ہوں تو واجب ہے جیسے اہل مکہ۔ (عالمگیریہ ص۲۹۳ ج ۵۔ رد المحتار ص۳۱۵ ص۳۱۹ ج ۶)

(۲۹) تونگر سے مراد وہ شخص ہے جو نصابِ صدقۃ الفطر کا مالک ہو یعنی اس کی ملک میں ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اشیاء ضرورت کے سوا کوئی چیز اتنی مالیت کی ہو جو سونے چاندی میں سے کسی ایک کے نصاب کو پہنچ جائے۔ (بدائع الصنائع ص۶۴ ج ۵ وعامۃ الکتب)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس کی ملک میں سونا چاندی، مالِ تجارت، نقدی اور زائد از ضرورت اشیاء میں سے کوئی ایک چیز یا ان میں سے بعض اشیاء کا مجموعہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر، ٹی وی، کپڑوں کے تین جوڑوں سے زائد جوڑے اور وہ تمام اشیاء جو محض زیب و زینت یا نمود و نمائش کے لئے گھروں میں رکھی رہتی ہیں زائد از ضرورت ہیں۔ وجوب قربانی کے لئے ان سب اشیاء کی بھی قیمت لگائی جائے گی

(۳۰) اگر کوئی شخص مقروض ہے، اور قرض منہا کرنے کے بعد اس کے پاس نصاب سے کم بچتا ہے تو اس پر قربانی واجب نہیں (عالمگیریہ ص۲۹۲ ج ۵ وغیرہ)

(۳۱) صاحبِ نصاب پر قربانی صرف اپنی ہی واجب ہے۔ بالغ اولاد یا بیوی کی طرف سے کرنا چاہے تو ان سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے ورنہ ان کی طرف سے واجب ادا نہ ہوگا۔

اور نابالغ اولاد کی طرف سے بھی واجب نہیں مگر کر دینا مستحب ہے۔ بشرطیکہ اپنے مال ہی سے کرے۔ (عالمگیریہ ص۲۹۳ ج ۵ وغیرہ)

قربانی کے جانور

(۳۲) قربانی ان جانوروں کی ہو سکتی ہے: اونٹ، گائے، بھینس، بکری، بھیڑ، دنبہ۔ ان اقسام میں سے ہر جانور کی قربانی درست ہے خواہ وہ نر ہو یا مادہ یا خصی۔ ان کے سوا کسی دوسرے جانور کی قربانی درست نہیں۔ جیسے نیل گائے، ہرن وغیرہ۔ (بدائع الصنائع ص۶۹ ج ۵ وعامۃ الکتب)

(۳۳) قربانی کے اونٹ کی عمر کم از کم پانچ سال، گائے بھینس کی دو سال اور بھیڑ بکری کی ایک سال ہونا ضروری ہے۔

البتہ بھیڑ اور دنبہ اگر اس قدر فربہ ہوں کہ دیکھنے میں پورے سال کے معلوم ہوتے ہوں اس طور سے کہ انہیں سال کے جانوروں میں چھوڑ دیا جائے تو

دور سے دیکھنے والا ان میں امتیاز نہ کرسکے، تو سال سے کم عمر ہونے کے باوجود ان کی قربانی جائز ہے، بشرطیکہ چھ ماہ سے کم کے نہ ہوں۔ بقیہ جانوروں میں کم عمر کا جانور جائز نہیں (اگرچہ فربہ ہونے کے سبب بڑا معلوم ہو) زائد عمر کا جائز بلکہ افضل ہے۔ (ہدایہ صـ۴۴۹ ج ۲۔ بدائع الصنائع صـ۷۰ ج ۵)

(۳۴) قربانی کی کم از کم مقدار ایک چھوٹا جانور (بھیڑ بکری) یا بڑے جانور (اونٹ، گائے، بھینس) کا ساتواں حصہ ہے۔ لہٰذا بڑے جانور میں کسی شریک کا حصہ اگر ساتویں حصہ سے بھی کم ہے تو کسی شریک کی بھی قربانی درست نہ ہوئی۔

البتہ اگر شرکاء سات سے کم ہیں اور بعض کا حصہ ساتویں حصہ سے زائد ہے تو اس میں مضائقہ نہیں۔ (بدائع الصنائع صـ۷۱ ج ۵۔ رد المحتار صـ۳۱۵ ج ۶)

(۳۵) بکری اور گائے کا ساتواں حصہ اگر قیمت میں برابر ہوں اور گوشت کی مقدار بھی دونوں میں ایک جتنی ہو تو بکری کی قربانی افضل ہے۔ بلکہ بکری اگر قیمت اور گوشت میں سالم گائے کے مساوی ہو تو اس کی قربانی گائے سے افضل ہے اور مینڈھا بھیڑ سے افضل ہے، جبکہ دونوں قیمت اور گوشت میں برابر ہوں۔ اور بکری بکرے سے افضل ہے البتہ بکرا خصی ہو تو وہ بکری سے افضل ہے، اور اونٹنی اونٹ سے، گائے بیل سے افضل ہے جبکہ قیمت میں دونوں برابر ہوں۔ اور گائے کے ساتویں حصہ میں اگر گوشت بکری سے زیادہ ہو تو اس کی قربانی بکری سے افضل ہے اسی طرح بھیڑ اگر قیمت یا گوشت کی مقدار میں مینڈھے سے بڑھ کر ہے تو اس کی قربانی مینڈھے سے افضل ہے یہی حکم بکرے، اونٹ اور بیل کا ہے جبکہ قیمت میں اپنی مادہ سے بڑھ کر ہوں۔ (رد المحتار صـ۳۲۲ ج ۶ وغیرہ)

(۳۶) کسی نے قربانی کے لئے بڑا جانور خریدا اور خریدتے ہوئے دل میں نیت کر لی کہ دوسروں کو بھی اس میں شریک کرلے گا تو درست ہے۔

اور اگر خریدتے وقت یہ نیت نہ تھی بلکہ پورا جانور اپنی قربانی کے لئے خریدا تو اگر یہ شخص مالدار ہے تو دوسروں کو اس میں شریک کرسکتا ہے مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ حسبِ ارادہ پورے جانور کی خود قربانی کرے۔

اور اگر فقیر ہے تو خریدنے پر پورے جانور کی قربانی اس پر واجب ہوگئی اور دوسروں کو شریک کرنا درست نہیں تاہم اگر دوسروں کو شریک کرلیا تو قربانی ان کی درست ہوگئی لیکن اتنے حصوں کی مقدار میں اس فقیر پر ضمان واجب ہوگا۔[عہ]

(۳۷) اگر کسی نے قربانی کے لئے جانور خریدا پھر وہ عیب دار ہوگیا تو مالدار پر ضروری ہے کہ اس کے بدلے دوسرے بے عیب جانور کی قربانی کرے، فقیر پر تبدیل کرنا ضروری نہیں وہ اسی معیوب جانور کی قربانی کرسکتا ہے۔

البتہ فقیر نے زبان سے نذر مان کر قربانی واجب کی تھی تو اس پر بھی بے عیب جانور کی قربانی ضروری ہے۔ یہی حکم اس جانور کے چوری ہوجانے یا

عہ ولو اشتری بقرۃ یرید ان یضحی بھا ثم اشترك فیھا ستۃ یکرہ ویجزیھم لانہ بمنزلۃ سبع شیاہ حکماً الا ان یرید حین اشتراھا ان یشرکھم فیھا فلا یکرہ، وان فعل ذلك قبل ان یشتریھا کان احسن وھذا اذا کان موسراً وان کان فقیراً فقد اوجب بالشراء فلا یجوز ان یشرك فیھا وکذا لو اشرك فیھا بستۃ بعد ما اوجبھا لنفسہ لم یسعہ لانہ اوجبھا کلھا للہ تعالٰی وان اشرك جاز ویضمن ستۃ اسباعھا۔

(عالمگیریہ ص۳۰۴ ج ۵)

تلف ہوجانے کا ہے کہ مالدار پر اس کے بدلے دوسرے جانور کی قربانی واجب ہے فقیر پر کچھ نہیں۔ (عالمگیریہ ص۲۹۹ ج ۵)

(۳۸) اگر کسی نے ایک مخصوص متعین جانور کی قربانی کی زبان سے نذر مان لی پھر وہ جانور عیب دار ہوگیا تو فقیر پر اس کا تبدیلی کرنا ضروری نہیں، اسی معیوب کی قربانی جائز ہے اور گم ہوجائے یا ہلاک ہوجائے تب بھی قربانی اس کے ذمہ سے ساقط ہوگئی اور مالدار پر بہرصورت دوسری قربانی واجب ہے۔

(بدائع الصنائع ص۶۶ ج ۵ وغیرہ)

(۳۹) مالدار نے قربانی کے لئے جانور خریدا، مگر وہ گم ہوگیا یا چوری ہوگیا اس نے دوسرا جانور خرید لیا پھر ایامِ قربانی میں پہلا جانور بھی مل گیا تو بہتر ہے کہ دونوں کی قربانی کردے، اگر صرف پہلے جانور کی قربانی کی تو جائز ہے۔ خواہ وہ قیمت میں دوسرے کے مساوی ہو یا اس سے کمتر! اور صرف دوسرے کی قربانی کی تب بھی جائز ہے، لیکن وہ پہلے سے کم قیمت ہو تو کمی کے بقدر صدقہ کرنا واجب ہوگا۔ اور فقیر پر دوسرا جانور خریدنا واجب نہیں، لیکن خرید لیا تو اس کی قربانی واجب ہوگئی، اور اس دوران پہلا بھی مل گیا تو دونوں کی قربانی واجب ہے۔ (حوالۂ بالا)

(۴۰) بڑے جانور میں سات آدمی شریک تھے، مگر قربانی سے پہلے ایک کی وفات ہوگئی اس کے بالغ ورثہ نے کہا اس کی طرف سے بھی قربانی کردو، لہٰذا شرکاء نے جانور ذبح کردیا تو اس صورت میں سب کی قربانی درست ہوگئی۔ لیکن اگر شرکاء میں ایک شریک غیر مسلم ہے یا کوئی ایسا شخص ہے جس کی نیت قربانی کے بجائے گوشت کھانے کی ہے تو ان دونوں صورتوں میں

کسی ایک شریک کی بھی قربانی درست نہیں[عہ]۔

اسی طرح بالغ ورثہ سے اجازت لئے بغیر شرکاء نے جانور ذبح کیا تب بھی کسی شریک کی قربانی نہ ہوئی۔ (ہدایہ ص۴۲۹ ج ۲۔ ردالمحتار ط ۳۲۶ ج۵)

(۴۱) شرکاء میں سے ایک کی نیت اس سال کی قربانی کی ہے، اور باقیوں کی نیت گذشتہ سال کی قربانی کی توان کی نیت باطل ہے اور قربانی بھی نفل ہوئی ان پر واجب ہے کہ گذشتہ سال کی قربانی کے لئے الگ سے ایک ایک بکری کی قیمت کا صدقہ کریں۔

البتہ جس ایک شریک کی نیت اس سال کی قربانی کی تھی اس کی قربانی درست ہوگئی۔ لیکن گوشت لینا کسی شریک کو جائز نہیں۔ پورے جانور کا گوشت پوست صدقہ کر دینا واجب ہے[عہ]۔

(۴۲) جوازِ قربانی کے لئے یہ تو شرط ہے کہ تمام شرکاء کی نیت ثواب و تقرب کی ہو مگر یہ ضروری نہیں کہ سب کی نیت ایک ہی قسم کے تقرب کی ہو۔ اگر ایک شریک کی نیت قربانی کی ہے، دوسرے کی دمِ احصار کی،

عہ اس دورِ کفر والحاد میں احتیاط بہت ضروری ہے، کسی شخص کو قربانی میں شریک کرتے وقت اس بات کا اطمینان کر لینا چاہئے کہ وہ صحیح العقیدہ مسلمان ہو، خدانخواستہ کسی کفریہ عقیدہ میں مبتلا ہو تو اس کی نحوست سے تمام شرکاء کی قربانی اکارت جائے گی۔ اور یہ مسئلہ کہ کسی شریک کی نیت فقط گوشت خوری کی نہ ہو اپنی جگہ درست ہے مگر بلا دلیل کسی مسلمان کے متعلق یہ گمان قائم کر لینا بھی کہ اس کی نیت صرف گوشت کی ہے گناہ ہے۔

عہ قد علم ان الشرط قصد القربۃ من الکل وشمل مالو کان احدھم مریدًا للاضحیۃ عن عامہ واصحابہ عن الماضی تجوز الاضحیۃ عنہ ونیۃ اصحابہ باطلۃ وصاروا متطوعین

تیسرے کی حرم میں شکار کی جزاء کی، چوتھے کی دمِ حلق کی، پانچویں کی دمِ تمتع کی، چھٹے کی دمِ قران کی اور ساتویں کی عقیقہ کی ہے تو سب کی نیت صحیح ہے، تمام شرکاء کو اپنی نیت کے مطابق ثواب مل جائے گا (ہدایہ صفحہ ۴۴۹ ج ۲ - رد المحتار صفحہ ۳۲۶ ج ۶)

جانور کے عیوب

(۴۳) درج ذیل جانوروں کی قربانی جائز نہیں: جس[1] کا ایک سینگ جڑ سے اکھڑ جائے جس[2] بھیڑ بکری کی پیدائشی دم نہ ہو، اندھا[3]، ایسا[4] کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو، اس[5] قدر لنگڑا جو چل کر قربان گاہ تک بھی نہ پہنچ سکے، ایسا[6] بیمار جس کی بیماری بالکل ظاہر ہو جس[7] کا پیدائشی ایک کان نہ ہو، جس[8] کی چکتی یا دم یا کان[9] یا آنکھ[10] کا تہائی سے زیادہ حصہ جاتا رہا ہو[عــہ]۔ جس[11] کے دانت بالکل نہ ہوں یا اکثر گر گئے ہوں کہ چارہ بھی نہ کھا سکے جسے[12] مرضِ جنون اس حد تک لاحق ہو کہ چارہ بھی نہ کھا سکے۔ خارشی[13] جانور جو بہت دبلا اور کمزور ہو۔ جس[14] کی ناک کاٹ دی گئی ہو، جس[15] کے تھن کاٹ دئے گئے ہوں یا خشک[16] ہو گئے ہوں کہ ان میں دودھ نہ اترے، یا ایک تھن کا تہائی سے زیادہ حصہ

وعلیہم التصدق بلحمہا وعلی الواحد ایضاً لان نصیبہ شائع کما فی الخانیۃ (رد المحتار ۳۲۶ ج ۶)

وتکون تطوعاً عمن نوی القضاء عن العام الماضی ولا تکون عن قضائہ بل یتصدق بقیمۃ شاۃ وسط لما مضیٰ۔ کذا فی فتاویٰ قاضیخان (عالمگیریہ ص ۳۰۵ ج ۵)

عــہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک روایت یہ نقل کی گئی کہ ان اعضاء میں سے کسی عضو کا تہائی حصہ جاتا رہا تب بھی قربانی جائز نہیں، بعض اکابر نے اسی روایت کو ترجیح دی ہے، احتیاط کا پہلو بھی اسی میں ہے، مگر اکثر کتبِ فقہ میں تہائی سے زائد کی روایت کو راجح لکھا ہے۔

کاٹ دیا گیا ہو، جس[18] بھیڑ بکری کے ایک تھن کی گھنڈی جاتی رہی ہو، جس[19] اونٹنی یا گائے کی دو گھنڈیاں جاتی رہیں، جس[20] گائے کی زبان پوری یا تہائی سے زائد کاٹ دی گئی، جلالہ[21] جس کی غذا نجاست وگندگی ہو، ایسا[22] لاغر اور دبلا جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو، جس[23] کا ایک پاؤں کٹ گیا ہو، خنثیٰ[24] جانور جس میں نر و مادہ دونوں کی علامتیں ہوں[1]۔

(خلاصۃ الفتاویٰ ص۳۲۰ ج۴، عالمگیریہ ص۲۹۷ ج۵، ردالمحتار ص۳۲۳ ج۶)

(۴۴) ان جانوروں کی قربانی جائز ہے: جس[1] کے پیدائشی سینگ نہ ہوں، جس[2] کے سینگ ٹوٹ گئے ہوں مگر ٹوٹنے کا اثر جڑ تک نہیں پہنچا، ایسا[3] خصی یا بوڑھا جو جفتی پر قادر نہ ہو، جو[4] بڑھاپے کے سبب بچے جننے سے عاجز ہو، بچے[5] والی، جس[6] کے تھنوں میں بغیر کسی عیب و بیماری کے دودھ نہیں اترتا (بیماری کے سبب ہو تو قربانی جائز نہیں) جسے[7] کھانسی کی بیماری لاحق ہو، جسے[8] داغا گیا ہو، وہ[9] بھیڑ بکری جس کی دُم پیدائشی طور پر بہت چھوٹی ہو، ایسا[10] کانا جس کا کانا پن پوری طرح واضح نہ ہو لنگڑا[11] جو چلنے پر قادر ہو یعنی چوتھا پاؤں بھی زمین پر رکھتا ہو اور چلنے میں اس سے مدد لیتا ہو، بیمار[12] جس کی بیماری زیادہ ظاہر نہ ہو، جس[13] کے کان چکی[14] یا دُم یا آنکھ[15] کا تہائی یا تہائی سے کم حصہ جاتا رہا ہو، جس[16] کے کچھ دانت نہ ہوں مگر وہ چارہ کھا سکتا ہو، مجنون[17] جس کا جنون اس حد تک نہ پہنچا ہو کہ چارہ نہ کھا سکے۔

لہ خنثیٰ کی قربانی کے عدمِ جواز کی علت فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے تحریر کی ہے لان لحمہا لا ینضج کہ اس کا گوشت گلتا نہیں، پس اگر کسی نے قربانی میں خنثیٰ جانور ذبح کر دیا اور اس کا گوشت گل گیا تو قربانی کو صحیح کہا جائے گا (کذا فی امداد الفتاویٰ ص۵۵۱ ج۳) احتیاط بہرحال اسی میں ہے کہ ایسا جانور قربانی میں ذبح نہ کیا جائے کہ نہ معلوم گوشت گلے نہ گلے

خارشی[18] جو فربہ ہو، جس[19] کا کان چیر دیا گیا ہو یا کاٹ دیا گیا ہو مگر تہائی یا اس سے کم۔ اگر دونوں کانوں کا کچھ کچھ حصہ کاٹ دیا گیا تو دونوں کو جمع کر کے دیکھا جائے اگر مجموعہ تہائی کان سے بڑھ جائے تو قربانی جائز نہیں ورنہ جائز ہے، بھینگا[20] بھیڑ[21]، یا دُنبہ جس کی اون کاٹ لی گئی۔ بھیڑ[22] بکری جس کی زبان کٹ گئی، بشرطیکہ چارہ بآسانی کھا سکے۔ جلالہ[23] اونٹ، جسے چالیس دن باندھ کر چارہ کھلایا جائے دبلا[24] جانور جو بہت کمزور اور لاغر نہ ہو (حوالہ بالا)

(۴۵) مذکورہ بالا جانوروں کی قربانی جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ مستحب یہ ہے کہ قربانی کا جانور تمام عیوب سے پاک ہو۔عہ

(۴۶) جانور کو قربانی کے لئے لایا گیا اور گراتے ہوئے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی یا اور کوئی عیب پیدا ہو گیا یا مثلاً گائے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور اسی اثنا میں اس کی آنکھ پھوٹ گئی یا کوئی دوسرا عیب پیدا ہو گیا پھر پکڑ کر اسی جگہ ذبح کر دی گئی تو قربانی درست ہو گئی۔ (عالمگیریہ ص۵۹۹ ج ۵ وغیرہ)

اگر دورانِ ذبح چھری ہاتھ سے چھوٹ کر جانور کی آنکھ وغیرہ ضائع کر دے تب بھی یہی حکم ہے۔ (بدائع الصنائع ص۷۶ ج ۵)

اوقاتِ قربانی

(۴۷) قربانی کا وقت دس ذی الحجہ کے طلوع صبح صادق سے بارہ ذی الحجہ کے

عہ قال القهستاني : واعلم ان الكل لا يخلو عن عيب والمستحب ان يكون سليماً من العيوب الظاهرة فما جوّز ههنا جوز مع الكراهة كما في المضمرات ـ (رد المحتار ص۲۲۳ ج ۶)

غروب آفتاب تک ہے، ان میں پہلا دن قربانی کے لئے سب سے افضل ہے پھر دوسرے دن کا درجہ ہے پھر تیسرے کا۔ گیارہویں بارہویں کی رات میں بھی قربانی جائز ہے مگر ایسا کرنا مکروہ ہے (عالمگیریہ ص۲۹۵ ج ۵ وعامۃ الکتب)

(۴۸) اگر قربانی کے دن کی تاریخ مشکوک ہو تو مستحب یہ ہے کہ قربانی کو تیسرے دن تک مؤخر نہ کرے مثلاً چاند تیس کا مانا گیا مگر لوگوں کو شبہ انتیس کا بھی رہا جو ابر یا گرد و غبار کی وجہ سے دیکھا نہ جا سکا یا کچھ لوگوں نے انتیس کا چاند دیکھا مگر ان کی گواہی قبول نہ کی گئی تو ایسی صورت میں مستحب یہ ہے کہ دسویں یا گیارہویں کو قربانی کر دے، بارہویں تک مؤخر نہ کرے کہ اس میں تیرہویں کا شبہ ہے۔

اگر بارہویں تک مؤخر کی تو مستحب یہ ہے کہ سارا گوشت صدقہ کر دے نیز زندہ اور ذبح شدہ بکری کی قیمت میں تفاوت ہو (کہ زندہ کی قیمت کچھ زیادہ بنتی ہو) تو زیادتی کے بقدر صدقہ کر دے (عالمگیریہ ص۲۹۵ ج ۵)

(۴۹) شہر والوں کی قربانی کی صحت کے لئے یہ شرط ہے کہ نماز عید کے بعد جانور ذبح کیا جائے گو کہ خطبہ سے پہلے ہو، اگر شہر میں کسی وجہ سے نماز عید نہ پڑھی جا سکے تو قربانی اتنی مؤخر کی جائے کہ نماز کا وقت گزر جائے یعنی زوالِ آفتاب تک انتظار کیا جائے۔

اگر نمازِ عید کسی عذر سے گیارہویں یا بارہویں کو پڑھی جائے تو قربانی نماز سے پہلے بھی کی جا سکتی ہے (الجوھرۃ النیرۃ ص۲۴۳ ج ۲ وعامۃ الکتب)

(۵۰) دیہات میں قربانی دسویں کی صبح بھی کی جا سکتی ہے مگر مستحب یہ ہے کہ دیہات والے طلوعِ آفتاب کے بعد اور شہر والے خطبہ عید کے بعد قربانی کریں۔ اور اگر شہری نے دسویں کو نماز سے پہلے قربانی کر دی تو قربانی نہ ہوئی بلکہ

یہ محض گوشت ہے۔ نماز کے بعد دوبارہ قربانی کرنا واجب ہے۔ امام کے سلام پھیرنے سے ذرا پہلے جانور ذبح کردیا تب بھی یہی حکم ہے۔ ہاں اگر نماز کے بعد لوگوں نے قربانی کردی پھر معلوم ہوا کہ نماز کسی سبب سے ادا نہ ہوئی مثلاً امام کا وضو نہ تھا تو قربانی جائز ہوگئی، لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ (حوالہ بالا)

(۵۱) اگر شہر میں متعدد جگہ نماز عید ہوتی ہے اور پہلی نماز ہونے پر کسی نے قربانی کردی تب بھی جائز ہے۔ (حوالہ بالا)

(۵۲) شہر اور دیہات کے درمیان جو وقتِ قربانی کا فرق بیان کیا گیا یہ فرق قربانی کے لحاظ سے ہے نہ کہ قربانی کرنے والے کے اعتبار سے۔ لہٰذا شہری نے اپنا جانور دیہات میں بھیجدیا تو نمازِ عید سے پہلے بھی اسے ذبح کیا جاسکتا ہے اور دیہاتی کا جانور شہر میں ہو تو نماز سے پہلے اسے ذبح کرنا جائز نہیں۔

(ہدایہ صـ۴۴۶ ج ۲ وعامۃ الکتب)

(۵۳) لوگوں کا گمان تھا کہ آج عرفہ (نو ذی الحجہ) کا دن ہے لیکن اس کے باوجود کسی نے زوالِ آفتاب کے بعد قربانی کردی پھر معلوم ہوا کہ یہ دسویں کا دن ہے تو قربانی جائز ہوگئی۔ یونہی اگر کسی نے یہ جان کر کہ آج دسویں تاریخ ہے نمازِ عید سے پہلے قربانی کردی پھر معلوم ہوا کہ یہ گیارہویں تاریخ ہے تو بھی قربانی جائز ہوگئی

(قاضیخان علی ھامش الھندیہ صـ۳۴۵ ج ۳ وغیرہ)

(۵۴) اگر کسی نے قربانی نہیں کی حتی کہ ایام قربانی گذر گئے تو اب اس کی قربانی فوت ہوگئی۔ پھر اگر اس نے قربانی کا جانور متعین کر رکھا تھا۔ مثلاً زبان سے نذر مان کر کہ خاص اس جانور کی قربانی کروں گا خواہ وہ مالدار ہو یا فقیر۔

یا فقیر نے قربانی کی نیت سے جانور خرید کر رکھا تھا تو اب ایام قربانی کے بعد اسی زندہ جانور کو صدقہ کردے، اگر ذبح کردیا تو اس کا سارا گوشت پوست

صدقہ کر دے، اگر کچھ اپنے استعمال میں لے آیا تو اس کی قیمت کا صدقہ کرے اور مذبوح جانور کی قیمت زندہ سے کم بنے تو اس کمی کے بقدر بھی صدقہ کرے

اور فقیر نے اگر قربانی کے لئے جانور نہیں خریدا بلکہ پہلے سے اس کے پاس جانور موجود تھا اسی کی قربانی کی نیت کرلی یا جانور خریدنے کے بعد قربانی کی نیت کی تو قربانی اس پر واجب نہ ہوئی۔

اور مالدار اگر قربانی کے لئے جانور خریدے تو ایامِ قربانی کے بعد اسی زندہ جانور کو صدقہ کرے اور ذبح کیا تو سارا گوشت پوست صدقہ کرے اور اگر جانور خریدا نہیں تو ایامِ قربانی کے بعد ایک بکری کی قیمت صدقہ کرے

(ردالمحتار صفہ ۳۲۲ ج ۶ وغیرہ)

(۵۵) جس جانور کی قربانی واجب تھی اسے ایامِ قربانی کے بعد بیچ دیا تو قیمت کا صدقہ کرے۔ اور اگر اس کو اصل قیمت سے کم میں بیچا تو کمی کے بقدر صدقہ کرے۔

اور اگر ایامِ قربانی کے بعد نہ زندہ جانور صدقہ کیا نہ اس کی قیمت کا صدقہ کیا حتیٰ کہ دوسرے سال عید آگئی تب بھی زندہ جانور یا اس کی قیمت کا صدقہ ہی واجب ہے جانور ذبح کر کے گذشتہ سال کی قضا نہیں کرسکتا۔

(عالمگیریہ صفہ ۲۹۶ ج ۵)

(۵۶) کسی نے جانور کا تعین کئے بغیر زبان سے صرف قربانی کی نذر مان لی تو نذر صحیح ہے، اب اس پر واجب ہے کہ بھیڑ یا بکری ذبح کر دے اور اس کا گوشت پوست صدقہ کرے، اپنے استعمال میں لایا تو اسی قدر قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ اور اگر بھیڑ یا بکری کی قربانی کی نذر مانی پھر اس کے بجائے اونٹ یا گائے کی قربانی کی تب بھی جائز ہے۔ (بزازیہ علی ہامش الہندیہ صفہ ۲۹۳ ج ۶، عالمگیریہ صفہ ۲۹۵ ج ۵)

(۵۷) ادار واجب کے لئے تو ایک بکری ذبح کرنا کافی ہے مگر کسی نے زبان سے نذر مان کر کئی جانوروں کی قربانی اپنے اوپر واجب کر لی تو سب کی قربانی واجب ہو گئی۔

اسی طرح بلا نذر کسی نے بنیتِ قربانی دو بکریاں ذبح کیں یا گائے ذبح کی تب بھی صحیح قول کے مطابق دونوں بکریاں اور گائے کے ساتوں حصے قربانی ہی ہوں گے (عالمگیریہ ص۲۹۴ ج ۵، رد المحتار ص ۳۳۲/۹۶)

غیر کی طرف سے قربانی

(۵۸) کسی نے یہ وصیت کی کہ اس کی طرف سے قربانی کر دی جائے مزید کوئی وضاحت نہ کی کہ کس قسم کا جانور ذبح کیا جائے؟ اور نہ ہی قیمت بیان کی کہ اتنی مالیت کا جانور خریدا جائے تب بھی وصیت جائز ہے جو ایک بکری یا بھیڑ ذبح کرنے سے پوری ہو جائے گی۔

لیکن اگر جانور یا قیمت کا تعین کئے بغیر کسی کو وکیل بنایا کہ میری طرف سے قربانی کر دو تو یہ توکیل صحیح نہیں[1]

(۵۹) گائے کی قربانی میں کسی غائب شخص کا حصہ اس کے حکم کے بغیر شامل کر لیا تو اس شخص کی اور دیگر شرکاء کی قربانی درست ہو گی یا نہیں؟ اس میں یہ تفصیل

---

[1] ولو اوصیٰ بان یضحی عنہ ولم یسم شاۃ و لا بقرۃ ولا غیر ذلک ولم یبین الثمن ایضاً جاز ویقع علی الشاۃ بخلاف ما اذا وکل رجلاً بان یضحی عنہ ولم یسم شیئاً ولا ثمناً انہ لا یجوز والفرق ان الوصیۃ تحتمل من الجہالۃ شیئاً لا تحتملہ الوکالۃ۔

(بدائع الصنائع ص۶۸ ج ۵ عالمگیریہ ص۲۹۷ ج ۵)

ہے ۔ دوسرے کی نفل قربانی اس کے حکم کے بغیر بھی جائز ہے اور یہ دراصل خود مالکِ جانور کی قربانی ہے جس کا ثواب دوسرے کو پہنچا رہا ہے

دوسرے کے حکم سے اس کا حصّہ گائے میں شامل کیا تو سب کی قربانی درست ہے۔

بغیر حکم کے اس کا حصہ شامل کیا تو اگر اس کی طرف سے قربانی کرنے کا مستقل معمول ہے تو سب کی قربانی درست ہے ورنہ اس دوسرے شخص کی قربانی جائز نہیں۔ باقی یہ کہ دوسرے شرکاء کی قربانی ہوئی یا نہیں؟ تو اس بارے میں بعض عبارات سے صراحۃً عدمِ جواز کا حکم معلوم ہوتا ہے[۱]۔ اور بعض عبارات سے جواز کا اشارہ نکلتا ہے۔ عقل و درایت کا مقتضیٰ بھی حکم جواز کا ہے۔

اگر دوسرے کی طرف سے واجب قربانی میں اپنی بکری ذبح کی تو اُس کی قربانی نہ ہوگی (نہ ہی اپنی ہوگی) خواہ اس کے حکم سے ذبح کی ہو یا بلا حکم۔ ہاں اگر اس کے حکم سے بکری خرید کر ذبح کی تو قربانی درست ہے۔

(ملخص تنمیۃ الخیر فی التضحیۃ عن الغیر مندرجہ رسائل الرشید ص۳۰۹)

(۶۰) اگر کسی کی قربانی کا جانور اس سے صراحۃً اجازت لئے بغیر دوسرے شخص نے ذبح کر دیا تو یہ قربانی مالک کی طرف سے ہی ہوگی اور ذبح کرنے والے پر ضمان نہ آئے گا یہ جب ہے کہ مالک کے لئے ہی اس نے ذبح کی ہو۔ اگر اپنے لئے ذبح کی تو اس کا فیصلہ مالک پر موقوف ہے اگر وہ ذبح کرنے والے کو اس کی قیمت کا ضامن ٹھہرائے تو یہ قربانی ذبح کرنے والے کی طرف سے

[۱] یہ عبارتیں مسئلہ (۹۵) کے تحت درج کر دی گئیں، نیز احتیاط کا پہلو عدمِ جواز کی صورت اختیار کرنے میں ہے۔

ہوئی اور مالک مذبوحہ جانور لے لے تو یہ مالک کی قربانی ہے
(عالمگیریہ صـ۳۰۲ ج ۵ وغیرہ)

(۶۱) کسی شخص نے بیع فاسد کا معاملہ کرتے ہوئے بکری خریدی اور اس کی قربانی کی تو قربانی درست ہے [1]

پھر بائع (فروخت کرنے والے) کو اختیار ہے چاہے تو مشتری (خریدار) سے زندہ بکری کی قیمت وصول کرے اور چاہے تو مذبوحہ بکری لے لے، پہلی صورت میں (جب قیمت وصول کی) مشتری کے ذمہ اور کچھ نہیں، دوسری صورت میں (جب مالک نے بکری لی) صحیح قول کے مطابق اس کے ذمہ مذبوحہ بکری کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے (بدائع الصنائع صـ۶۷ ج۵، عالمگیریہ صـ۳۰۲ ج ۵)

(۶۲) اگر کسی کو بطور ہبۂ فاسد بکری دی اور اس نے لے کر اس کی قربانی کر دی تو واہب (ہبہ کرنے والے) کو اختیار ہے چاہے تو موہوب لہ (جس کو ہبہ کیا گیا) سے زندہ بکری کی قیمت وصول کرے اس صورت میں موہوب لہ کی قربانی درست ہو گئی، وہ اس کا گوشت بھی کھا سکتا ہے اور واہب چاہے تو اپنی مذبوحہ بکری واپس لے لے اور ذبح کے سبب زندہ بکری کی قیمت میں جو کمی واقع ہو گئی وہ بھی وصول کرے، اس صورت میں موہوب لہ کے

---

[1] بیع فاسد یہ کہ فریقین کے درمیان معاملہ قاعدے کے رو سے صحیح ہو مگر ایک فریق کی طرف سے اس میں کوئی غلط شرط لگا دی جائے۔ بیع فاسد کو فسخ کرنا واجب ہوتا ہے، فریقین چاہیں تو فسخ کرنے کے بعد دوبارہ معاملہ کر لیں۔ فسخ کئے بغیر قبضہ کرنے سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے مگر دونوں گنہگار ہوں گے۔ مسئلہ ھٰذا میں قربانی درست ہونے کا مطلب ہے کہ واجب ادا ہو جائے گا نہ یہ کہ قربانی پر موعود اجر و انعام کا بھی مستحق قرار پائے گا۔

ذمہ اس بکری کی قیمت کا ضمان ہے، اگر ایامِ قربانی گذر گئے تو اس کی قیمت صدقہ کرے۔ (بدائع الصنائع ص۷۱ ج ۵۔ عالمگیریہ ص۳۰۱ ج ۵)

(۶۳) اگر کسی نے بکری خرید کر قربانی کی پھر کوئی دوسرا شخص اس کا حقدار نکل آیا اور اس نے ذبح کرنے والے سے اس کا ضمان وصول کیا تو اس کی قربانی درست ہوگئی ورنہ دونوں میں سے کسی کی قربانی نہ ہوئی ہر ایک پر ایامِ قربانی میں مستقل قربانی واجب ہے۔ اگر ایام گذر گئے تو ایک بکری کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے اور ذبح کرنے والے کے ذمہ خاص اسی مذبوحہ بکری کی قیمت کا صدقہ نہیں بلکہ وہ ایک درمیانی بکری کی قیمت کا صدقہ کرے (حوالہ بالا)

(۶۴) امانت دار نے امانت کی بکری قربانی کے لئے ذبح کی تو اس کی قربانی کسی صورت جائز نہیں، اگرچہ بکری کے مالک کو ضمان بھی ادا کردے۔

اگر عاریت (وقتی طور پر مانگ کر لایا گیا) یا کرایہ پر لیا گیا جانور ذبح کیا تو اس کا حکم بھی امانت کا سا ہے کہ اس سے قربانی ادا نہ ہوگی مالک کو اختیار ہے کہ مذبوحہ جانور اٹھالے یا زندہ جانور کی قیمت وصول کرے۔

البتہ مرہون (گروی رکھا گیا) جانور اگر مرتہن (گروی رکھنے والے) نے ذبح کیا تو قربانی ہوجائے گی مگر بعض علماء کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مرہون کی قیمت مرتہن کے قرض کے مساوی یا اس سے کم ہے تو قربانی جائز ہے اور قیمت قرض سے زیادہ ہے تو قربانی جائز نہیں۔

لہ وكل جواب عرفته في الوديعة فهو الجواب في العارية والاجارة بان استعار ناقة اوثورًا اوبعيرًا اواستأجره فضحى به انه لايجزيه عن الاضحية سواء اخذها المالك اوضمنه القيمة لانها امانة في يده وانما ←

آداب و مستحبات

(۶۵) مستحب یہ ہے کہ قربانی کا جانور خوب فربہ بہت خوب صورت اور بڑی جسامت کا ہو، چھوٹے جانوروں میں سب سے بہتر سینگوں والا اسفید (یا چت کبرا) مینڈھا ہے جسے خصیے نکال کر خصی کر دیا گیا ہو (بدائع ص۸۰ ج۵ عالمگیریہ ص۲۰۰ ج۵)

(۶۶) بہتر یہ ہے کہ قربانی کے جانور کو ایام قربانی سے چند دن پہلے باندھ کر گھر میں چارہ کھلاتے اسے ہار پہنائے، جھول ڈالے اور قربان گاہ کی طرف نرمی و آہستگی سے ہانک کر لے جائے، ٹانگ سے نہ گھسیٹے (بدائع ص۷۸ ج۵ عالمگیریہ ص۳۰۰ ج۵)

(۶۷) مستحب ہے کہ جانور کو تیز دھار آلہ سے ذبح کرے اور ذبح کرنے کے بعد اتنی دیر ٹھہر جائے کہ اس کے تمام اعضاء سے جان نکل جائے، جسم ساکن اور ٹھنڈا ہو جائے، ٹھنڈا ہونے سے پہلے گوشت پوست اتارنا مکروہ ہے (بدائع ص۸۰ ج۵ عالمگیریہ ص۳۰۰ ج۵)

وانما يضمنها بالذبح فصار كالوديعة ولو كان مرهونا ينبغى ان يجزئه لانه يصير ملكا له من وقت القبض كما فى الغصب بل اولىٰ ومن المشايخ من فصل فى الرهن تفصيلا لا بأس به فقال ان كان قدر الرهن مثل الدين او اقل منه يجوز فاما اذا كانت قيمته اكثر من الدين فينبغى ان لا يجوز اھ (بدائع الصنائع ص۷۷ ج۵)

اور بعض فقہاء کے نزدیک مرہون جانور کی قربانی بھی امانت کی طرح کسی صورت جائز نہیں

ولو كانت الشاة رهنا عنده او وديعة فضحى بها ثم ضمن قيمتها لا يجوز۔

قاضی خان علی هامش الهنديه ص۳۵۵ ج۳ ۔ عالمگیریہ ص۳۰۱ ج۵

وهكذا فى خلاصة الفتاوىٰ ص۳۱۶ ج۴

(۶۸) اگر اچھے طریقے سے ذبح کرنا جانتا ہو تو افضل یہ ہے کہ قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرے کہ نیکی کے کام جہاں تک بن پڑے اپنے ہاتھ سے انجام دیئے جائیں۔

اگر خود تجربہ نہ رکھتا ہو تو بہتر ہے کہ دوسرے سے ذبح کرائے مگر خود بھی ساتھ موجود رہے (بدائع ص۷۹ ج ۵ عالمگیریہ ص۳۰۰ ج ۵)

(۶۹) خود ذبح نہ کرے تو کسی مسلمان سے کرائے، اگر مجوسی کافر سے ذبح کرایا تو قربانی نہ ہوئی بلکہ یہ جانور بھی حرام اور مردار ہے اس کے گوشت سے انتفاع جائز نہیں، نہ ہی کھال بغیر رنگے استعمال کی جاسکتی ہے۔

اور یہودی یا نصرانی سے ذبح کرایا تو قربانی ہوگئی مگر ان سے ذبح کرانا مکروہ ہے۔ (عالمگیریہ ص۳۰۰ ج ۵۔ رد المحتار ص۲۲۸ ج ۶) عہ

(۷۰) یہ کام مکروہ ہیں: لوہے کے بغیر کسی آلہ سے ذبح کرنا۔ کند چھری سے ذبح

عہ ذبح کرنے والے کا مسلمان یا اہل کتاب ہونا ضروری ہے۔ افسوس! کہ بہت سے مسلمان ایسے پھرتے ہیں جنہیں صحیح کلمہ تک نہیں آتا اور انہیں کچھ پتہ نہیں کہ ذبح کرتے ہوئے کیا پڑھا جاتا ہے؟ لوگ عموماً قصاب کو بلا کر ذبح کراتے ہیں۔ کئی قصابوں کی دینی کیفیت یہی ہے جو ذکر کی گئی۔ سب سے بہتر تو یہ ہے کہ خود ہی ذبح کرے ورنہ کسی صحیح العقیدہ دیندار مسلمان سے کرائے۔ کسی قصاب سے کرائے تو کم از کم اتنا اطمینان حاصل کرلے کہ بوقتِ ذبح بسم اللہ اللہ اکبر پڑھتا ہے۔ مجوسی سے مراد غیر اہل کتاب کافر ہے۔ آجکل کے مرتدین و زنادقہ، منکرینِ ختم نبوت، منکرینِ قرآن و منکرینِ حدیث کا حکم بھی یہی ہے۔ یہودی و نصرانی سے مراد اہل کتاب کفار ہیں مگر اس دور کے یہود و نصاریٰ اپنے مذہب سے بیزار ہو چکے ہیں، ان میں اکثریت دہریہ قسم کے کفار کی ہے، اس لئے ان کا ذبیحہ بھی حرام ہے۔

کرنا۔ جانور کو لٹانے کے بعد چھری تیز کرنا۔ یا اس کے سامنے چھری تیز کرنا۔ اسے کسی قسم کی تکلیف پہنچانا جیسے ٹھنڈا ہونے سے پہلے سر کاٹنا یا کھال اتارنا۔ قبلہ رخ ہوئے بغیر ذبح کرنا۔ کہ قبلہ رخ ہونا سنّتِ مؤکدہ ہے۔ حلق کے بجائے گدی کی طرف سے ذبح کرنا۔ یہ کراہت کا حکم اس صورت میں ہے کہ چھری گدی کی طرف سے چلا کر ایک ہی دفعہ میں رگیں بھی کاٹ دے۔ اگر رگوں کے بجائے صرف گدی کاٹ دی اور جانور مر گیا یا گدی کاٹ کر وقفہ کیا حتیٰ کہ جانور مرنے کو آگیا، پھر دوبارہ چھری چلا کر رگیں کاٹ دیں تو جانور حلال نہیں بلکہ مردار ہے۔

چھری ایسی بے احتیاطی سے چلانا کہ حرام مغز تک پہنچ جائے یا گردن کٹ کر الگ ہو جائے (مگر اس سے جانور حرام نہ ہوگا بلکہ الگ سری بھی حلال ہے، صرف فعل مکروہ ہے) (عالمگیریہ ص۲۸۷ ج ۵ ردالمحتار ص۲۹۶ ج ۶)

(۷۱) جانور قبلہ رُخ لٹانے کے بعد یہ دعا پڑھے: اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (مشکوٰۃ ص۱۲۸)

جب بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر ذبح کر چکے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْہُ مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ وَّ خَلِیْلِکَ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔

(۷۲) جو جانور قربانی کے لئے خرید اگیا۔ خریدار خواہ مالدار ہو یا فقیر، ذبح کرنے سے پہلے اس کے بال کاٹنا، اس پر سوار ہونا، بوجھ لادنا، اسے کرایہ پر چلانا، اس کا دودھ دوہنا۔ غرض اس کے کسی جزء سے انتفاع مکروہ و ممنوع ہے، اگر دودھ دوہ لیا یا بال کاٹ لئے تو انہیں صدقہ کر دے، اسی طرح کرایہ

پر دیا تو اس کی اجرت صدقہ کر دے، اور خود سوار ہوا یا بار برداری کی تو اس سے جانور میں جو نقص آیا اتنی مقدار صدقہ کرے، (ردالمحتار صفحہ ۳۲۹ ج ۶ وغیرہ)

(۷۳) اگر قربانی کا جانور دودھ والا ہے تو تھنوں پر ٹھنڈا پانی چھڑک کر دودھ خشک کر دے، اگر پھر بھی دودھ اتر آئے تو وہ دودھ دوہ کر صدقہ کرتا رہے البتہ اگر گھر میں باندھ کر چارہ کھلاتے تو جانور کا دودھ اور گوبر بھی اسی کی ملکیت ہے، صدقہ کرنے کے بجائے اپنے استعمال میں لائے (عالمگیریہ صفحہ ۳۰۱ ج ۵ وغیرہ)

(۷۴) جب ایامِ قربانی میں جانور کو ذبح کر دیا تو اب گوشت کی مانند اس کے بقیہ اجزاء سے بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے، چاہے تو اون پشم کاٹ کر خود رکھ لے۔

(حوالۂ بالا)

مگر فروخت کرنے کی صورت میں قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

اغلاط العوام

(۷۵) بعضے کہتے ہیں کہ جس چاقو سے جانور ذبح کیا جائے اس سے حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس چاقو میں تین کیلیں ہوں یہ بھی غلط ہے

(اغلاط العوام از حکیم الامت رح صفحہ ۱۷۱)

(۷۶) بعضے لوگ بدھیا خصی جانور کی قربانی درست نہیں سمجھتے سو یہ محض غلط بات ہے بلکہ بدھیا کی قربانی تو اور زیادہ افضل ہے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بدھیا کی قربانی فرمائی ہے (صفحہ ۱۷۱)

(۷۷) بعض عوام عورتوں کے ذبیحہ کو درست نہیں سمجھتے سو یہ محض غلط ہے عہ (صفحہ ۱۷۱)

عہ مرد و عورت جنابت کی حالت میں ہوں تب بھی ذبیحہ حلال ہے۔ اسی طرح سمجھدار بچے بچی کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔

(۷۸) بعض عوام کہتے ہیں کہ اگر گوشت میں ہڈی نہ ہو تو وہ گوشت مکروہ ہوجاتا ہے یہ محض بے اصل ہے (ص۱۷)

(۷۹) عوام میں مشہور ہے کہ ذبح کرنے والے کے ساتھ جانور کو پکڑنے والے اور امداد کرنے والے پر بھی بسم اللہ اللہ اکبر کہنا واجب ہے سو یہ محض غلط ہے (ص۱۷)

(۸۰) بعض لوگ ذبح کرتے وقت حرام مغز (وہ سفید غدود جو گردن کی ہڈی کے اندر ہوتی ہے) کاٹ ڈالتے ہیں، حالانکہ جن رگوں کا کاٹنا ضروری ہے وہ پہلے کٹ چکی ہوتی ہیں، یہ غلط ہے اور ایسا کرنا مکروہ ہے، اسی طرح بعض لوگ ذبح کے وقت گردن کو توڑ دیتے ہیں یہ بھی ٹھیک نہیں ہے اس سے جانور کو زائد تکلیف ہوتی ہے حدیث شریف میں اس سے منع آیا ہے۔ (ص۱۸)

گوشت اور چرم قربانی

(۸۱) مستحب یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کرلے، ایک حصہ عام فقراء و مستحقین پر صدقہ کرے، دوسرا حصہ اعزہ واقارب کو ہدیہ کرے، تیسرا حصہ اپنے لئے اور اپنے اہل وعیال کے لئے رکھے، مگر یہ تقسیم کچھ ضروری نہیں چاہے تو سارا گوشت لوگوں میں تقسیم کردے لیکن مستحب ہے کہ کچھ نہ کچھ خود بھی کھائے۔ کافر ذمی کو بھی دے سکتا ہے۔ (عالمگیریہ ص۳۰۰ ج ۵ ردالمحتار ص۳۲۷ ج ۶)

(۸۲) گوشت بلکہ جانور کا کوئی سا جزء مستحق کو زکوٰۃ یا قصاب کو اجرت میں دینا جائز نہیں، اگر زکوٰۃ میں دیدیا تو زکوٰۃ نہیں بلکہ وہ صدقہ ہی ہوگا۔ اور قصاب کی اجرت اپنے جیب سے ادا کرنے کے بجائے اسے گوشت یا قربانی کا کوئی جزء (کھال، سری، پائے یا اون وغیرہ) دیدیا تو اتنی مقدار میں صدقہ کرنا واجب ہے (عالمگیریہ ص۳۰۱ ج ۵، ردالمحتار ص۳۲۸ ج ۶)

(۸۳) جو قربانی کسی نے زبان سے نذر مان کر واجب کرلی۔ ناذر خواہ غنی ہو یا فقیر۔

یا فقیر نے جانور قربانی کی نیت سے خرید لیا (کہ یہ بھی بحکم نذر ہے)

یا میت کے تہائی ترکہ میں سے اس کی وصیت پر قربانی کی گئی تو ان قربانیوں کے کسی بھی جزء سے انتفاع جائز نہیں، بلکہ ان کا پورا گوشت پوست فقراء پر صدقہ کردینا واجب ہے۔ رد المحتار صفحہ ۳۲۲ ج ۶ وعامۃ الکتب) عـــہ

(۸۴) اگر بڑے جانور میں کئی شرکاء ہیں اور آپس میں گوشت تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ پوری احتیاط سے تول تول کر تقسیم کریں، یوں اندازہ سے بانٹ لینا جائز نہیں، گو کہ باہم کمی بیشی ایک دوسرے کو معاف کردیں (کہ یہ حقِ شرع ہے جو کسی کے معاف کرنے سے معاف نہ ہوگا) وزن نہ کرنے میں کمی بیشی ہونا لازمی بات ہے جس میں سود کا گناہ ہوگا، نیز اس صورت میں جس طرف گوشت زیادہ چلا گیا اس کا استعمال بھی جائز نہیں۔

ہاں اگر سری، پائے، کلّے، کھال بھی گوشت میں شامل کرلئے جائیں تو گوشت میں برابری قائم رکھنا ضروری نہیں، مثلاً سات میں سے چار حصوں میں ایک ایک پایہ رکھ دیا جائے باقی تین میں سے ایک میں کھال، دوسری میں سری مع مغز، تیسرے میں زبان اور کلّے رکھ دیئے جائیں تو وزن کرنا ضروری نہیں اندازہ سے بھی تقسیم کرسکتے ہیں۔

اور ایک طرف گوشت ہے، دوسری طرف گوشت کے ساتھ ان اشیاء میں سے کوئی بھی شے ہے تو بھی وزن کئے بغیر تقسیم جائز ہے مگر اس صورت میں ضروری ہے کہ جس طرف فقط گوشت ہے وہ دوسری طرف کے گوشت سے (جس کے ساتھ دوسری شے بھی ہے) کچھ زائد ہو۔

عـــہ صحیح قول یہ ہے کہ نذر کی قربانی کا گوشت مالک کھا سکتا ہے۔ ہاں جانور کے ذبح کرنے کی نذر مانی تو اس کا گوشت مالک نہیں کھا سکتا (بدائع الصنائع صفحہ ۸۱ ج ۵)

یہ پوری تفصیل اس صورت میں تھی کہ شرکاء گوشت کو آپس میں تقسیم کرنا چاہیں، اگر تقسیم کئے بغیر پورا گوشت لوگوں کو تقسیم کر دیں یا پکا کر انہیں کھلا دیں تو تقسیم کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کسی نے پورا جانور اپنے گھر کے افراد کے لئے رکھ لیا تو تقسیم کرنا ضروری نہیں۔ مثلاً گائے خریدی اور اس کا ایک حصہ اپنے لئے ایک حصہ بیوی کے لئے اور باقی حصص بالغ اولاد کے لئے رکھ لئے پھر ذبح کرنے کے بعد بلا تقسیم گوشت گھر میں رکھ لیا تو جائز ہے۔ (ہدایہ ص۴۲۵ ج ۲۔ رد المحتار ص۳۱۷ ج۵)

(۸۵) قربانی کی کھال صدقہ کر دے، یا چاہے تو اپنے استعمال میں لائے، یعنی اس سے مصلیٰ، مشکیزہ، ڈول، دسترخوان، جوتے، موزے وغیرہ بنائے یا اس کے عوض ایسی چیز حاصل کرلے جسے استعمال کرنے کے لئے خرچ نہیں کرنا پڑتا بلکہ باقی رکھتے ہوئے اس سے نفع اٹھایا جا سکتا ہے مثلاً کپڑا، برتن، کتاب، قلم وغیرہ کہ ان اشیاء کا حکم بھی بعینہٖ گوشت اور کھال کا سا ہے، یعنی انہیں اپنے استعمال میں لانا بھی جائز ہے اور دوسروں کو بلا معاوضہ ہبہ کر دینا بھی جائز ہے اس میں فقیر کی تخصیص نہیں بلکہ ہر شخص کو دے سکتا ہے۔

البتہ اگر گوشت، کھال یا کھال سے تیار کردہ کسی شئ کو نقد رقم یا ایسی چیز کے عوض فروخت کر دیا جسے باقی رکھتے ہوئے استعمال نہیں کیا جا سکتا، جیسے کھانے پینے کی اشیاء، تیل، صابن، رنگ و روغن وغیرہ تو یہ فقراء و مساکین

عہ اگر شرکاء میں کوئی ایسا شخص ہو جس نے نذر مان کر قربانی واجب کی تو اس کا حصہ الگ کر کے فقراء پر صدقہ کرنا واجب ہے۔ (کذا فی امداد الفتاویٰ ص۵۴۹ ج ۳)

کا حق ہے لہٰذا انہی پر صدقہ کرنا واجب ہے عہ

(۸۶) جب یہ معلوم ہو گیا کہ کھال کی رقم (یا جو جو اشیاء، رقم کے حکم میں ہیں ان) کا مصرف صرف وہی لوگ ہیں جو مصرفِ زکوٰۃ ہیں تو نہ بھولنا چاہیئے کہ اس رقم کو درج ذیل مصارف پر خرچ کرنا جائز نہیں ورنہ ضمان لازم آئے گا۔

ایسا مالدار جس پر صدقۂ فطر واجب ہے۔ اس کی نابالغ اولاد۔ اپنے اصول (والدین، دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ) اپنے فروع (بیٹے، بیٹیاں، پوتے پوتیاں، نواسے، نواسیاں ان کی اولادیں) میاں بیوی، سید، بنی ہاشم، غیر مسلم۔ غرض زکوٰۃ کی مانند اس رقم کو مسلمان مستحق کی ملک کرنا ضروری ہے اسی لئے مسجد، مدرسہ، شفاخانہ یا کسی بھی رفاہی ادارے کی تعمیر میں اسے صرف کرنا جائز نہیں۔ میت کی تکفین و تدفین یا اس کے قرض ادا کرنے میں بھی اسے صرف نہیں کر سکتے کہ ان تمام جگہوں میں تملیک کی شرط نہیں پائی جاتی۔ نیز یہ رقم کسی ایسے رفاہی ادارے کے حوالہ کرنا بھی جائز نہیں جو مستحقین کی ملک کرنے کے بجائے اسے عام رفاہی کاموں میں لگا دیتا ہو۔

(امداد الفتاوٰی ص۳۴ و ص۳۵ ج ۳ ۔ جواہر الفقہ ص۴۵۶ ج۱)

(۸۷) قربانی کی کھال، رقم (یا جو اشیاء، رقم کے حکم میں ہیں) کے عوض فروخت

عہ ویتصدق بجلدھا لانہ جزء منہا اویعمل منہ آلۃ تستعمل فی البیت، کالنطع والجراب والغربال ونحوھا لان الانتفاع بہ غیر محرم ولا بأس بان یشتری بہ ماینتفع بعینہ فی البیت مع بقاءہ استحسانًا وذلک مثل ما ذکرنا لان للبدل حکم المبدل ولا یشتری بہ ما لا ینتفع بہ الا بعد استہلاکہ کالخل والا بازیر اعتبارًا بالبیع بالدراھم (ہدایہ ص۴۵ ج۴ و مثلہ فی الھندیہ ص۳۰۱ ج۵ ورد المحتار ص۳۲۸ ج۵)

کر کے قیمت اپنے صرف میں لانا جائز نہیں، نہ ہی اس مقصد سے اسے فروخت کرنا جائز ہے البتہ کوئی اس مقصد سے کھال بلکہ گوشت بھی فروخت کرے کہ اس کی قیمت صدقہ کرے گا تو فروخت کرنا جائز ہے۔[عہ]

(۸۸) کھال کی قیمت فقیر کی ملک میں دیدی تو آگے وہ جہاں چاہے صرف کر سکتا ہے۔ مسجد مدرسہ، شفاخانہ غرض ان تمام مصارف میں لگا سکتا ہے جن میں براہ راست یہ رقم نہیں لگ سکتی۔

لیکن شرط یہ ہے کہ رقم کا واقعۃً اسے مالک بنا دیا جائے۔ بعض جگہوں میں جو مروّج حیلہ، تملیک کو آڑ بنا کر رقم مساجد مدارس وغیرہ پر صرف کر دی جاتی ہے تو یہ حیلہ بالکل بے سود ہے کہ اس میں نہ دینے والے کی نیت تملیک کی ہوتی ہے نہ ہی لینے والا اپنے آپ کو مالک تصور کرتا ہے۔

شرعی تملیک تو یہ ہے کہ دینے والا مستحق کو کلیۃً مالک بنا کر واپسی کی امید نہ رکھے حتی کہ مستحق قبضہ میں کر کے رقم میں حسب مرضی تصرف شروع کر دے تو دینے والے کو اس سے انقباض یا تکدر بھی نہ ہو ایسی تملیک کے بعد یہ رقم ہر مصرف میں لگ سکتی ہے۔

عہ ولا بأس ببیعہ بالدراھم لیتصدق بها ولیس له ان یبیعه بالدراھم لینفقها علی نفسه ولو فعل ذلك یتصدق بثمنه (خلاصۃ الفتاوی ص۳۲۲ ج ۴) واللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح حتی لا یبیعه بما لا ینتفع به الا بعد الاستهلاك ولو باعهما بالدراھم لیتصدق بها جاز لانه قربة کالتصدق کذا فی التبیین (عالمگیریہ ص۳۰۱ ج ۵)

کھال کی رقم بعض لوگ اپنے کاموں میں صرف کر دیتے ہیں پھر بعد میں کسی وقت اتنی رقم صدقہ کرتے ہیں یہ جائز نہیں، صدقہ کی رقم مساکین کا حق ہے جو فوری طور پر ان پر خرچ کر دینی چاہئے۔

ورنہ مروج حیلہ تملیک کے باوجود اسے مصرفِ زکوٰۃ کے سوا کہیں صرف کرنا جائز نہیں (کذا فی امداد الفتاویٰ ص۵۳۳ ج ۵)

(۸۹) جو بڑا جانور کئی شرکاء میں مشترک ہو تو گوشت کی مانند اس کی کھال بھی سب میں مشترک ہوگی لہٰذا کسی شریک کے لئے جائز نہیں کہ دوسروں کے حصّے کی کھال بلا اجازت خود رکھے یا کسی کو دے۔

ہاں اگر بقیہ شرکاء سے ان کے حصّے خرید لئے یا انہوں نے ہبہ کر دیئے تو اب ہر طرح تصرف کر سکتا ہے البتہ اگر یہ کھال فروخت کر دی اور معاوضہ میں رقم یا ایسی چیز حاصل کی جو رقم کے ہی حکم میں ہے تو اپنے حصے کی کھال کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے بقیہ حصوں کی رقم خود رکھ سکتا ہے (کذا فی امداد الفتاویٰ ص۵۷۵ ج ۳)

(۹۰) قربانی کے بعد جانور کی رسّی، جھول، ہار صدقہ کر دینا بہتر ہے۔ چاہے تو خود بھی رکھ سکتا ہے۔ مگر بیچنا یا حق الخدمت کے طور پر کسی کو دینا جائز نہیں کہ ان کا حکم بھی کھال کا سا ہے (رد المحتار ص۳۲۸ ج ۶ وغیرہ)

(۹۱) کھال اتارنے میں بہت سے لوگ احتیاط نہیں برتتے، بعض دفعہ چھری سے اس میں سوراخ پڑ جاتے ہیں۔ کئی لوگ اس کی حفاظت کا اہتمام نہیں کرتے ہیں جس سے وہ خراب اور کم قیمت ہو جاتی ہے، یہ اپنے ہی ہاتھوں اپنے اجر کو ضائع کرنا بلکہ نعمت کی ناقدری کا گناہ اپنے سر لینا ہے۔

(۹۲) بہت سے ناواقف لوگ کھال اتارنے سے پہلے بلکہ جانور ذبح کرنے سے بھی پہلے کھال فروخت کر دیتے ہیں، حالانکہ شرعاً یہ معاملہ بالکل ناجائز ہے اگر کسی نے غلطی سے ایسا کر لیا تو کھال جب تک خریدار کے قبضہ میں ہے اس سے معاملہ ختم کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد چاہیں تو نئے سرے سے معاملہ کریں اسی طرح کھال اتارنے سے پہلے ہبہ کرنا بھی صحیح نہیں۔

(عالمگیریہ ص۱۲۹ ج ۳ رد المحتار ص۹۳-۲۶۳ ج ۵)

متفرق مسائل

(۹۳) مسافر اور فقیر پر گو قربانی واجب نہیں مگر مستحب ہے۔ اگر کر دیں تو انہیں قربانی کا ثواب مل جائے گا (بدائع صفحہ ۶۳ ج ۵)

(۹۴) قریب الولادۃ جانور کا ذبح کرنا مکروہ ہے (عالمگیریہ صفحہ ۲۸۷ ج ۵) یہ کراہت صرف فعل میں ہے۔ قربانی بلاکراہت جائز ہو جائے گی۔

اور ذبح ہونے سے پہلے قربانی کا جانور زندہ بچہ جن دے تو اسے بھی ماں کے ساتھ ذبح کر دے اگر ذبح نہ کیا اور ایام قربانی گذر گئے تو زندہ بچہ کو صدقہ کر دے، اگر ذبح کر کے کھالیا یا بیچ دیا یا ضائع ہو گیا تو اس کی قیمت صدقہ کرے۔ اگر اسے باقی رکھ کر دوسرے سال ایام قربانی میں ذبح کیا تو یہ قربانی جائز نہیں اس مذبوحہ جانور کا گوشت پوست صدقہ کرنا واجب ہے بلکہ ذبح کرنے سے قیمت میں جو نقص آیا اس کی مقدار بھی صدقہ کرے۔ اگر صاحب نصاب ہے تو اس سال کے لئے دوسرا جانور ذبح کرے۔ (بدائع صفحہ ۷۹ ج ۵ رد المحتار صفحہ ۳۲۲ ج ۶)

(۹۵) دوسرے آدمی کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر قربانی نہیں ہو سکتی اگر کسی نے بڑے جانور کی قربانی کی جس کا ایک حصہ اپنی طرف سے اور بقیہ حصے اپنی اولاد کی طرف سے کئے تو اولاد اگر بالغ ہے تو سب کی اجازت ضروری ہے اگر کسی ایک بالغ لڑکے یا لڑکی کی اجازت بھی اس میں شامل نہیں (باقی سب کی ہے) تو پورے جانور میں کسی کی قربانی بھی صحیح نہیں ہوتی۔ محض گوشت ہے، ہاں اگر اولاد نابالغ ہے تو سب کی قربانی ہو گئی۔ عہ

عہ وفی اضاحی الزعفرانی لوضحی ببقرۃ عن نفسہ وعن ستۃ من اولادہ ان کانوا صغارا اجاز واجزاھم و فی الکبار بامرھم جاز وبغیر امرھم ←

(۹۶) قربانی کے وجوب میں گھر کے ہر فرد کی ملکیت الگ الگ ملحوظ ہوگی۔ پس گھر میں جتنے افراد مالکِ نصاب ہوں اتنی ہی قربانیاں واجب ہوں گی۔ مثلاً بیوی کا ذاتی زیور، تین سے زائد جوڑے کپڑے، اور غیر ضروری قسم کی اشیاء مل کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کو پہنچ جائیں تو اس پر مستقل قربانی واجب ہے۔

لا یجوز (خلاصۃ الفتاویٰ صــ۳۲۲ ج ۴)

ولو ضحی غنی بدنۃ عن نفسہ وعن ستۃ من اولادہ لیس ھٰذا فی ظاھر الروایۃ۔ وقال الحسن بن زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ فی کتاب الاضحیۃ لہ ان کان اولادہ صغارا اجاز عنہ وعنھم جمیعًا فی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمھما اللہ تعالیٰ وان کانوا کبارًا ان فعل بامرھم جاز عن الکل فی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمھما اللہ تعالیٰ وان فعل بغیر امرھم او بغیر امر بعضھم لا یجوز لا عنہ ولا عنھم فی قولھم جمیعًا لان نصیب من لم یأمر صار لحمًا فکان الکل لحمًا

قاضی خان علی ھامش الھندیہ صــ۳۵۰ ج ۳۔ بزازیہ علی ھامش الھندیہ صــ۲۹۵ ج ۶۔ عالمگیریہ صــ۳۰۲ ج ۵ وغیرہ

لیکن بزازیہ اور رد المحتار صــ۳۱۶ ج ۶ میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ بالغ اولاد کی اجازت کے بغیر بھی سب کی قربانی درست ہو جائے گی۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت پہلے مسئلہ کے خلاف نہیں بلکہ خاص اس صورت سے متعلق ہے کہ والد کا اولاد کی طرف سے قربانی کرنے کا مستقل معمول ہو ایسی صورت میں اولاد سے ہر بار اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ گویا حکمًا ان کی اجازت موجود ہے۔ وعن الثانی انہ یجوز استحسانًا بلا اذنھم بزازیہ قال فی الذخیرۃ: ولعلہ ذھب الی ان العادۃ اذا جرت من الاب فی کل سنۃ صار کالاذن منھم فان کان علی ھٰذا الوجہ فما استحسنہ ابو یوسف مستحسن۔ (رد المحتار صــ۳۱۵ ج ۶)

المنهل

کی دیگر مطبوعات

(۱) تسہیل البیان (تفسیر قرآن اردو) .... ۴ جلدیں

(۲) ندائے منبرو محراب .... ۷ جلدیں

(۳) درس قرآن وحدیث

(۴) عشاق قرآن کے ایمان افروز واقعات

(۵) احسن القصص (قصہ حضرت یوسف علیہ السلام)

(۶) درس صحیح مسلم فی ضوء تکملہ فتح الملھم

(۷) خزینہ

(۸) سو تقریریں

(۹) گلدستہ سنت

(۱۰) خلاصۃ القرآن

(۱۱) بڑوں کا بچپن

(۱۲) پکار

(۱۳) غریب شہر کی التجاء

(۱۴) فغان درویش

(۱۵) تفہیمات (برائے حفاظ وحافظات)

(۱۶) جنت کا آسان راستہ (چہل حدیث)

(۱۷) چار سو (۴۰۰) اہم مسائل